پھلانگ سکتی ہے۔"

اول خان کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ "جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا خون مت جلاؤ۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق شام کو تم سے ملنے ضرور آئے گی۔"

ماروتی کتنی ہی دلیر اور بے خوف عورت رہی ہو' وہ کسی واضح منزل کا تعین کیے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ سے سب کچھ طے کرلینے سے پہلے ہی اس نے شہر میں روی کی تلاش کے لیے فون پر اس کے دوستوں سے رابطوں کا سلسلہ شروع کردیا ہوگا اور گھر چھوڑنے سے پہلے کوئی نہ کوئی اہم بات معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ رات گہری ہونے کے بعد خود روی نے ہی اپنی کمین گاہ سے ماروتی سے فون پر رابطہ کیا ہوا اور آپس میں تبادلہ خیال کے بعد روی نے ماروتی کو پوری احتیاط اور رازداری کے ساتھ اپنی طرف آنے کا مشورہ دیا ہو۔ واقعات کا تسلسل جو بھی رہا ہو' یہ بات یقینی تھی کہ ماروتی کا وہ پُراسرار سفر بہت اہم تھا۔ اس پر نگاہ رکھ کر ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔

میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ جگدیش پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے اسے فون کرتا رہے اور احتیاطاً اسے اپنا یا میرا فون نمبر بھی دے دے تاکہ ماروتی کی واپسی یا کوئی اور اہم واقعہ رونما ہونے کی صورت میں وہ فوری طور پر ہمیں اطلاع دے سکے۔ اس وقت تک جگدیش کے پاس ہم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

○☆○

اگلا دن ہمارے لیے صبر آزما انتظار کا دن تھا۔ ماروتی میری توقعات پر پوری اتری تھی۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کے نکل جانے کے بعد موہن ہاؤس کی نگرانی' سانپ نکل جانے کے بعد لکیر کو پیٹنے کے مترادف تھی۔ میرے مشورے پر اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس بیگار سے ہٹالیا اور اپنے روز مرہ کے کاموں سے فارغ ہوکر ہمارے پاس آبیٹھا۔

دوپہر ہوئی اور پھر سہ پہر میں ڈھلنے لگے۔ تین بجے میں نے فون کی گھنٹی بجنے پر جوں ہی ریسیور اٹھایا' میرے کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر بجنے کی آواز آئی اور لائن فوراً ہی کٹ گئی۔ انڈین سیکرٹ ایجنٹ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی وہ حساس ڈیوائس ایک طویل عرصے کے بعد حرکت میں آئی تھی۔ اس کی آواز سنے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ سب نے اسے تقریباً فراموش کردیا تھا۔ اس کے بزر کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"سی ایس ڈی آپریٹ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ کوئی اہم کال آرہی ہے۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

اسی اثنا میں دوبارہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار میں نے تیسری گھنٹی کی آواز کا انتظار کیا اور پھر ریسیور اٹھالیا۔ اس بار پھر وہی ہوا۔ میرے کمرے میں فون کی مین لائن سے جڑے ہوئے حسّاس آلے نے احتجاجی آواز کے ساتھ دوبارہ لائن کاٹ دی۔

"دوڑ کر سی ایس ڈی آف کردو۔" میں نے ریسیور واپس رکھتے ہوئے سلطان شاہ کو ہدایت کی "پتا تو چلے کہ یہ کال کس کی ہے۔"

اس دہرے تجربے نے جمود توڑ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے فوراً ہمارے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

وہ جو کوئی بھی تھا' بہت مستقل مزاج تھا اور ہم سے رابطہ قائم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس بار قدرے طویل وقفے کے بعد فون کی گھنٹی بجی اور رابطہ برقرار رہا۔ میں نے ریسیور اٹھانے کے بجائے اس مرتبہ اسپیکر فون آن کیا تھا۔

میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک سرد اور بھنچی بھنچی سی آواز ابھری "ڈینی یا ویرا کو فون پر بلاؤ۔"

اس آواز میں بلا کا اعتماد تھا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس کی فرمائش پوری کردی جائے گی۔ میری استفسار طلب نظریں بے اختیار ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ پہلے ہی اضطراری انداز میں اپنے ہونٹوں کو چوچ کی صورت میں سکیڑ چکی تھی۔ میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔

"ڈینی گھر پر نہیں ہے اور ویرا باتھ روم میں ہے۔ تم کون بول رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"کرشن کمار۔" بولنے والے کی آواز سے بے خوفی مترشح تھی "مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ میں پانچ منٹ بعد دوبارہ فون کروں گا۔ باتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر ویرا کو میرا پیغام دے دو۔"

میرا جواب سنے بغیر کرشن کمار نے فون بند کردیا۔ میری آواز اس کے لیے اجنبی ثابت ہوئی تھی۔

"اسے یہاں کا فون نمبر کیسے معلوم ہوگیا۔ یہ نمبر تو ابھی پرانے نام پر ہی چل رہا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

اس کی حیرت بجا تھی مگر وہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ میں نے رات گئے جب اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ



Downloaded from https://paksociety.com

جگدیش کو کسی بھی ہنگامی ضرورت یا رابطے کے لیے اپنا یا ہمارا فون نمبر دے دے تو میرے ذہن میں یہ امکان موجود تھا کہ جگدیش کے ذریعے ہمارا دیا ہوا فون نمبر کہیں اور بھی پہنچ سکتا ہے۔ کرشن کمار کی کال نے ثابت کردیا تھا کہ ماروتی نہ صرف جگدیش سے رابطے میں تھی بلکہ کرشن کمار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ جگدیش سے ماروتی کے ذریعے وہ فون نمبر کرشن کمار تک پہنچا تھا۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ہوتا تو کرشن کمار ہمارے گھر پر دھاوا بولنے سے پہلے ہم سے فون پر بات کرنے کی کوشش کرچکا ہوتا۔

میں نے اسے فون پر جو جواب دیا' وہ اس کے غیر ضروری اعتماد بلکہ تحکم کا فطری ردِعمل تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر ہمیں معلوم تھا کہ اس رابطے کے لیے کرشن کمار نے ذرا سی دیر میں تین بار ہمارا نمبر ملانے کی کوشش کی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس کی چوتھی کال آئی ناگزیر تھی۔ ہمیں اس بارے میں سوچنے کے لیے قلیل سی مہلت مل گئی تھی۔

یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ کرشن کمار سے اسپیکر فون پر ہی بات ہونی چاہیے تھی تاکہ ہم میں سے ہر ایک اس کے الفاظ اور لب و لہجے کو اپنے کانوں سے سن سکے۔

ویرا نے کرشن کمار کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ بہت کم ظرف اور بے ہودہ شخص تھا۔ اگر اسپیکر فون پر ویرا اس سے بات کرتی تو وہ ویرا سے ایسی بدکلامی کرسکتا تھا جو اس کے لیے خجالت کا سبب بن جاتی۔ میں اس سے بات کرچکا تھا پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی آواز بدل کر اس سے ڈینی کی حیثیت سے خود بات کروں گا۔

کرشن کمار کی کال نے جہاں ماروتی کے رابطوں کی تصدیق کردی تھی۔ وہیں اس عورت کے بارے میں مجھے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ ایک طرف وہ مجھ سے وعدہ کرچکی تھی کہ کرشن کمار کو ہمارے ہاتھوں پکڑوا دے گی' دوسری طرف اس نے جگدیش سے ملنے والا' ہمارا فون نمبر کرشن کمار کے حوالے کردیا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا دہرا کھیل کھیل رہی تھی اور کس کے ساتھ مخلص تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد کرشن کمار کا فون آگیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ میں ویرا کو فون پر بلا دوں۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے کیا تمہیں شرم آرہی ہے؟"

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ میری بات تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میرا آدمی کہاں ہے؟"

## مختصر مختصر

♦ جو شخص اشتہاروں کے دوران میں ٹی وی کے سامنے جما بیٹھا رہتا ہے اور پروگرام کے دوران میں واش روم جاتا ہے اسے اسپانسر کہتے ہیں۔

♦ ہالی وڈ میں دو آدمی سرِراہ ملتے ہیں تو ان کے درمیان عموماً یہ مکالمہ ہوتا ہے:

"ہیلو.... کیا حال ہے؟ اور سناؤ.... میری بیوی آج کل کیسی ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے ... تم سناؤ ... میری بیوی کا کیا حال ہے؟"

---

"وہ جہاں بھی ہے' عافیت سے ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں نے تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے' اب تمہارا فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ اگر میرے دماغ پر ذرا سی رنگینی نہ چھاگئی ہوتی تو اس وقت ویرا میرے قبضے میں ہوتی اور تم خود میرا آدمی لوٹانے کے لیے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوتے۔"

"وہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ میں آنے والے وقت پر نگاہ رکھتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے بہت بُرا ثابت ہوگا۔"

"یہ سب چلتا رہے گا۔ مراد ظریف سے میری بات کرا دو!" وہ میرے جواب کی تلخی کو خاموشی سے پی گیا۔

"تم یہاں سے پٹ کر جاچکے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔ مراد کی زندگی کے بارے میں اس کی خوش فہمی کا برقرار رہنا ہمارے حق میں مفید تھا۔

"ابھی تک تمہارے اور ویرا کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔ مراد کو آزاد کردو گے تو تم دونوں محفوظ و مامون رہو گے۔ میں بلی اور چوہے کا یہ کھیل زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا۔ تم نے میری پیشکش قبول نہیں کی تو میں امریکیوں سے اپنی معلومات کی پوری قیمت وصول کرلوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ آج بھی تمہاری تلاش میں ہیں اور تم دونوں کے خون کے پیاسے ہیں۔"

"ہم بھی اسی شہر میں ہیں اور امریکی بھی۔ وہ سوچے سمجھے بغیر ہم پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ مراد کے بجائے تم کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہم تمہاری دھمکی میں آئے بغیر اب تمہاری سرکوبی کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ تم جہاں بھی پہنچے ہو وہاں تمہیں میرے نشان ملے ہیں۔ میں برا وقت

Downloaded from https://paksociety.com

آنے سے پہلے ہر رکاوٹ سے گزر چکا ہوتا ہوں۔ میری یہی خوش قسمتی تمہیں مجھ سے دور رکھے گی۔"

"تم آگ سے کھیل رہے ہو۔ یہ شعلے کسی بھی وقت تمہارے دامن کو چاٹ لیں گے۔ تم ایک ایک کرکے اپنے ساتھیوں اور ہمدردوں کو کھوتے جارہے ہو۔ ان کے انجام سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس مٹی میں را کا پودا کبھی نہیں پنپ سکے گا۔"

"را صرف میرا نام نہیں ہے۔" کرشن کمار کا لہجہ تضحیک آمیز ہوگیا "یہاں را کی جڑیں بہت باریک اور گہری ہیں۔ انہیں تم کبھی بھی ختم نہیں کرسکو گے۔ ایک نام تمہارے سامنے آتا ہے اور تم اس کے پیچھے لگ جاتے ہو' اسے مار کر بغلیں بجاتے ہو۔ یہ تمہاری خود فریبی ہے۔ تمہاری ان کارروائیوں سے ہمارے سسٹم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک آدمی کے مٹنے سے پہلے اس کے چار متبادل وجود میں آچکے ہوتے ہیں۔"

"ضرور آتے ہوں گے۔ صحرا جیسی نام نہاد این جی اوز کے ذریعے تم نے بہت سے لوگوں کو ورغلایا ہے' ان کی برین واشنگ کی ہے مگر اب صحرا ہمیشہ کے لیے تھر کے ریگستان میں دفن ہوگئی ہے۔ تمہیں اس کا متبادل تیار کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ تم کو تو شاید اس کی مہلت بھی نہ ملے۔ ہم کسی بھی لمحے تمہاری شہ رگ پر کاری وار کرسکتے ہیں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خون ریزیاں تمہارے لوگوں کو تمہارے خلاف بدگمان کررہی ہیں۔ تم حماقت اور نادانی میں ہمارا کام آسان کررہے ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ میری بات مان لو اور مراد کو چھوڑ کر میرے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ منہ کی کھاؤ گے۔"

"تمہارا اپنا چھور کا تربیتی کیمپ بند ہوگیا' صحرا ختم ہوگئی' فریڈم انٹرنیشنل میں آج الو بول رہے ہیں' فورڈ فاؤنڈیشن کے چاروں وظیفہ خوار اپنے اپنے انجام سے دوچار ہوچکے ہیں اور تم باؤلے کتے کی طرح مونا باؤ سے کراچی تک بھاگتے پھر رہے ہو۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود تمہاری ہرزہ سرائیاں جاری ہیں۔ اگر روی موہن عین وقت پر بھاگ نہ گیا ہوتا تو اب تک تمہارے گلے میں طوق پڑ چکا ہوتا۔"

"تم دیکھ لو کہ تمہارے ہم وطن کس طرح میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ روی نے میری خاطر ہر چیز کو لات ماری ہے۔"

"وہ میرے ہم وطن سے زیادہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔ تمہارے اصل ساتھی وہی ہیں جو اپنے تراشے ہوئے خداؤں کے پجاری ہیں۔۔۔"

"مذہب کو بیچ میں مت لاؤ۔" میری بات مکمل ہونے سے پہلے اس کی غراہٹ ابھری "اگر تم سودے بازی کے لیے تیار نہیں ہو تو سمجھ لو کہ تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ امریکی ایلکار تمہیں زمین کے آخری پرت سے بھی کھود نکالیں گے۔"

"تمہارا سارا دم خم انہی کے بل پر ہے۔ میجر بخشی بھی اوبرائن ڈی ہنٹ کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ وہ مرا تو آج بخشی گوشہ نشین ہوچکا ہے۔ صحرا کو پالنے والے بھی امریکی تھے جو نیویارک میں فورڈ فاؤنڈیشن کا نظام چلاتے ہیں۔"

"تم جو چاہو' سوچتے اور کرتے رہو۔ ہونا وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ ہمالا کی فلک بوس اونچائیوں سے سمندر کی گہرائیوں تک' یہ زمین ایک ہے اور یہ ایک ہو کر رہے گی لیکن افسوس کہ اکھنڈ بھارت کے خواب کی تکمیل دیکھنے کے لیے تم زندہ نہیں رہو گے۔ اس سے بہت پہلے اپنے برے انجام سے دوچار ہوچکے ہوگے۔" اس نے اسی کے ساتھ فون بند کردیا۔

"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہمارا فون نمبر ماروتی نے روی اور کرشن کمار تک پہنچایا ہے۔" ویرا نے کہا "اس نے خود کہا ہے کہ ہمارا فون نمبر اسے اب ملا ہے۔"

"ماروتی بہت خطرناک عورت ثابت ہوئی ہے۔" غزالہ نے اس معاملے پر پہلی مرتبہ رائے زنی کی "آپ کو اس سے ملنے کا ارادہ ترک کردینا چاہیے وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرگزرے گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ شام کے سات بجے تم اس سے ملنے جاؤ تو ماروتی کے آس پاس ہی کرشن کمار یا اس کا کوئی آدمی تمہاری گھات میں ہو۔ دشمن کے زندہ ہاتھ آنے کا یقین نہ ہو تو ہم بھی اسے مار ڈالتے ہیں۔" ویرا نے اپنے خدشات کا اظہار کیا "ہم سب کے لیے تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے۔ اسے اتنے سستے داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔"

"یہ پہلا کام ہے۔" سلطان شاہ بولا "دوسرا اہم ترین کام یہ ہے کہ اب ہمیں جگدیش کو بے رحمی سے مسل دینا چاہیے۔ اس نے ہمارا فون نمبر ماروتی کو دیا ہے اور ابھی تک ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس کا اپنی بھاوج سے کوئی رابطہ ہوا ہے۔ وہ مظلوم اور بے خبر بن کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔ اسے اس کے بدترین جھوٹ کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"تم کیا کہتے ہو؟" میں نے اول خان کو خاموش پاکر ٹوکا۔


Downloaded from https://paksociety.com

"تمہاری رائے بھی سامنے آنی چاہیے۔"

"سچ بات یہ ہے کہ میں متذبذب ہوں۔ اس نے جس حریصانہ انداز میں تم دونوں پر مقرر کیے ہوئے انعام کا ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عجلت سے کام نہیں لے گا۔ خود کوئی قدم اٹھانے سے پہلے امریکیوں سے تمہارا سودا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے خطرہ مول لینا پڑے گا۔" میں نے کہا "وہ بھرے پرے ہوٹل میں کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ ماروتی اس سے مل گئی ہے تو وہ اس کے ذریعے مجھے کسی محفوظ مقام پر گھیرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"

"میں بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "میرے کچھ آدمی پہلے سے ہوٹل پہنچ کر ماروتی اور لابی کے ماحول کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ان کی رپورٹ کے بعد تم وہاں جاسکتے ہو۔"

موضوع متنازعہ تھا۔ ہماری رائے تقسیم ہوگئی تھی۔ خاصے بحث مباحثے کے بعد ان تینوں کو میری اور اول خان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ اس وقت کرشن کمار کے خلاف ہمارے پاس صرف ایک کارڈ تھا اور اس پر ماروتی کا نام نقش تھا۔

سلطان شاہ مسلسل جگدیش کے محاسبے پر اڑا ہوا تھا۔ اس کا نظریہ بالکل بے جان نہیں تھا۔ یہ بھی طے ہوگیا کہ ماروتی کا معاملہ صاف ہوتے ہی جگدیش کی گردن ناپ لی جائے گی۔ اس سے پہلے اسے چھیڑنے میں معاملات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔

ہم میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی تھی لیکن اول خان کو شدید احساس تھا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کے معاملے میں ایس ٹی ایف کے عملے کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ میری اور ماروتی کی مجوزہ ملاقات کے بارے میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس مہم کے لیے وہ اسی وقت گھر سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے ساتھ جانے پر مصر تھا مگر اول خان نے سختی سے انکار کردیا۔ کرشن کمار سے ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے بعد اس کا تیسرا وار کسی بھی وقت متوقع تھا۔

پانچ بجے آئی بی والوں کے اپریٹس پر پہلی بار کال سگنل آیا اور میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دوسری طرف سے جلال کا آدمی مجھے تلاش کررہا تھا۔

"کے ون کالنگ فار ہارٹی.... اوور!"

"ہارٹی اسپیکنگ.... اوور!" میں نے پیغام مکمل ہوتے ہی جواب دیا۔

"سوری سر! ہمیں کے ہنٹ میں خاصی تاخیر ہوگئی لیکن آج اس کا سراغ ملا ہے۔ وہ شہر میں نہیں ہے اسی وجہ سے اب تک ہم اپنی تلاش میں ناکام رہے تھے۔ وہ شاید میمن گوٹھ کے علاقے میں چھپا ہوا ہے.... اوور!"

"میمن گوٹھ!" میں نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا "یہ وہی گاؤں تو نہیں جو سپر ہائی وے پر کراچی سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پیچھے کچھ فارم اور زرعی زمینیں بھی ہیں.... اوور!"

"یس سر!" وہ گفتگو میں بہت مودب تھا "وہاں کئی مصروف ہوٹل بھی ہیں جہاں ٹرک والے پڑاؤ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی اجنبی کا آبادی میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔ کمرشل پٹی عبور کرتے ہی آدمی گاؤں کے باسیوں کی نظروں میں آجاتا ہے۔ محض اسی خوبی یا خرابی کی وجہ سے پتا چلا ہے کہ دو روز پہلے کرشن کمار کے حلیے کا ایک آدمی کسی کے ساتھ گاڑی میں آبادی سے گزرا تھا اور رہائش کی طرف جانے والی سڑک پر چلا گیا تھا۔ وہ ایک باغ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہاں یکایک پراسرار گاڑیوں اور افراد کی آمدورفت بھی شروع ہوگئی ہے.... اوور۔"

"ابھی تک یہ صرف اطلاعات ہیں یا ان کی تصدیق ہوچکی ہے؟ اوور!" میں نے پوچھا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ حریف بہت چالاک ہے۔ اسے کوئی سن گن ملی تو وہ فرار ہوجائے گا۔ میرے تین آدمی وہاں ہوٹلوں کے آس پاس موجود ہیں۔ انہوں نے باغوں میں کام کرنے والے مقامیوں سے ان اطلاعات کی تصدیق کرلی ہے۔ کرشن کمار کے وہاں پہنچنے کے بعد تین گن مین بھی اس فارم پر پہنچے ہیں جو دن رات کانیج کے گرد چارپائیوں پر بیٹھے رہتے ہیں.... اوور!"

"گڈ.... وہ شہر سے اتنی دور ہے تو اس کا سراغ لگا کر تم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اوور۔"

"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ وہاں آپریشن کے لیے ہمیں کراچی سے مزید نفری لے جانی ہوگی۔ اس کے لیے چند گھنٹوں کا وقت درکار ہوگا۔ اوور۔"

"فی الحال اس سے دور رہ کر نگرانی کرتے رہو۔ وہ نکل جانے کی کوشش کرے تو پوری قوت سے اسے روک کر پکڑ لیا جائے۔ دوسری صورت میں اس سے کسی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ میں جلد ہی اگلا لائحہ عمل بتاؤں گا.... اوور اینڈ آل۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"فون پر لمبی لمبی ہانک رہا تھا اور اتنا بزدل ہے کہ کراچی سے میلوں دور جاکر ویرانے میں چھپا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بزدلی نہیں' اس کی احتیاط ہے۔ آئی بی والے اسے شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور وہ میمن گوٹھ میں چھپا بیٹھا تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "اتنے زیادہ محتاط لوگ اسی قدر خطرناک بھی ہوتے ہیں۔"

"یہ تمہاری منطق ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں سنی جانے والی یہ افواہیں درست ہیں کہ وہ شہروں کا رخ کرنے سے گھبراتا ہے اور ویرانوں میں خوش رہتا ہے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ اس کا پہلا سراغ ہے۔ اب دیکھو کہ ماروتی کیا خبریں سناتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

وہ آپس میں فقرے بازی کرتے رہے۔ میری اور ماروتی کی ملاقات کے حوالے سے ویرا مجھ پر چوٹیں بھی کرتی رہی لیکن میں اس کی ہر بات سنی ان سنی کرتا رہا۔

ساڑھے پانچ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے حیرت سے بتایا کہ ہوٹل کے ریکارڈ کے مطابق ماروتی اپنے اصل نام سے اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں اکیلی مقیم تھی۔ وہ صبح سویرے کسی سامان کے بغیر ہوٹل پہنچی تھی۔

کسی ساز و سامان کے بغیر' مختصر مدت کے لیے ہوٹلوں میں تنہا قیام کرنے کے ارادے سے آنے والی خواتین میں ہوٹلوں کا عملہ خصوصی دلچسپی لیتا ہے۔ بظاہر نیچے سے اوپر تک کا سارا عملہ نئے گاہک کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آتا ہے' سر جھکائے اپنے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے لیکن مہمان کی کمرے کی طرف روانگی کے بعد کچھ دیر کے لیے ہیجان آمیز چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

ایسی خواتین کی جملہ مصروفیات پر عملے کی نگاہیں رہتی ہیں مگر انہیں بھنک تک نہیں مل پاتی کہ انہیں کسی غیر ضروری توجہ کا مرکز بنایا جارہا ہے۔ ماروتی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ عملے کے افراد اس کے بارے میں پوری طرح باخبر تھے۔

اول خان نے ہوٹل کے عملے کو اپنے اعتماد میں لے کر چھان بین کی تو اسے معلوم ہوا کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد سے ماروتی اس وقت تک مسلسل اپنے کمرے میں چھپی رہی تھی اور شاید دیر تک سوتی رہی تھی کیونکہ اس نے ڈھائی بجے کے قریب کمرے میں ہی کھانا منگوایا تھا۔ اس دوران میں اس کے پاس کوئی ملاقاتی نہیں آیا تھا۔ اس نے کسی کو فون کیا' نہ


جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و تہذیب کے حیات افروز واقعات

صدیوں سے زندہ ایک پُراسرار شخص کی آپ بیتی، ھَوا جس کی دوست تھی، سمندر جس کے لیے آغوشِ مادر تھا، آگ اس کے بدن کو نمو دیتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے سارے ریکارڈ توڑ دیے

صدیوں کا بیٹا

پانچ حصّوں میں مکمّل

قیمت فی حصہ ۱۵ روپے + ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶ روپے

مکمل سیٹ منگانے پر قیمت صرف ۲۰۰ روپے، ڈاک خرچ معاف۔ صرف ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ یہ رعایت صرف منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی مل سکے گی

کتابیات پبلی کیشنز، ۱۳۳ - پوسٹ بکس، سید مینشن، بلیو کیا اسٹریٹ، کراچی ۱




Downloaded from https://paksociety.com

اس کے پاس کوئی کال آئی تھی۔

اول خان کو ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر کہیں کوئی ایسا مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا جو میرے لیے کوئی خطرہ ثابت ہوتا۔

میرے لیے وہ تمام باتیں حیران کن تھیں۔ جگدیش کے بیان کے مطابق ماروتی رات کے ایک بجے اپنے گھر سے خفیہ طور پر باہر نکلی تھی۔ اس وقت سے صبح سویرے تک کہاں رہی اور کیا کرتی رہی' اس بارے میں اول خان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ ممکن تھا کہ اس دوران میں وہ روی کی تلاش میں شہر کے مختلف حصوں میں دھکے کھاتی پھر رہی ہو۔

روی سے ملاقات اور مشورے کے بعد شاید ماروتی نے گھر واپسی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے شام کو مجھ سے ملنا تھا۔ اس ملاقات کے لیے اسے ایک مرتبہ پھر گھر سے نکلنا پڑتا اور جگدیش سے کوئی بہانہ کرنا پڑتا۔ اس کے پاس روی کی تلاش کا معقول عذر موجود تھا۔ اس نے اپنی اکلوتی غیر حاضری کو مجھ سے ملاقات تک طول دینے کا فیصلہ کرکے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔

اول خان نے جگدیش کو رات گئے میرا فون نمبر دے دیا تھا۔ ماروتی وہ نمبر روی کو بتا دینے کے بعد ہر ذمے داری سے سبکدوش ہو چکی تھی۔ اسے وہ نمبر جگدیش سے رابطہ کرنے کے بعد ہی مل سکتا تھا۔ اس نے وہ رابطہ روی کی کمین گاہ سے کیا ہوگا اس وجہ سے ہوٹل پہنچنے کے بعد اسے کسی کو فون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ہوٹل میں رہ کر وہ جو کچھ کرنا چاہ رہی تھی' وہ اس کا اور جگدیش کا معاملہ تھا جس میں' میں بھی ملوث ہو گیا تھا۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میرے ذہن میں ماروتی کے خلاف جڑ پکڑنے والے خیالات کمزور پڑنے لگے لیکن یہ احساس بھی ستانے لگا کہ ہوٹل والے ماروتی کی ذات میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں ان کی نگاہوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچ سکوں گا۔

ہر طرح سے مطمئن ہونے کے باوجود اول خان اپنے چار آدمیوں کے ساتھ ہوٹل میں موجود تھا۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ماروتی سے مذاکرات کے خاتمے اور میری واپسی تک وہ پانچوں بہت قریب رہیں گے۔

وقت گزرتا رہا مگر روانگی کی تیاری کے لیے میرے قدم نہیں اٹھ سکے۔ ماروتی کی مجھ سے اصل گفتگو فون کے ریسیور کے ذریعے ہوئی تھی لیکن اس نے اسپیکر فون پر جو کچھ کہا تھا' وہ اس کے عزائم کی عکاسی کے لیے بہت کافی تھا۔ میں اپنے دل پر ان باتوں کا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ مجھے کسی اور کی فکر نہیں تھی بس غزالہ کے مجروح جذبات کا پاس تھا جو میں اس سے نظریں چار کرتے ہوئے کترا رہا تھا۔ وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھنے کے بجائے بلاوجہ گھر میں اِدھر اُدھر ٹلی پھر رہی تھی۔

"کیا بات ہے' کیا ماروتی روی موہن سے ملاقات کا ارادہ نہیں ہے؟" سوا چھ بجے ویرا نے دھیمی آواز میں چٹکی لی۔

میں اسے گھورتے ہوئے بولا "وہاں جانے کے لیے مجھے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھوں گا اور نکل جاؤں گا۔"

"جانا ہے تو وقت پر جاؤ ورنہ مت جاؤ۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

مجھے بھی بہانہ درکار تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میرے بدن پر موجود لباس صاف ستھرا لیکن کچھ شکن آلود تھا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر بال سنوارے' جوتے پہنے اور گاڑی کی چابی لے کر گھر سے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ مجھے ماروتی سے مل کر لوٹ آنا تھا۔ کسی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اول خان اپنے چار مسلح آدمیوں سمیت ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلطان شاہ کے ساتھ ویرا بھی مجھے رخصت کرنے کے لیے پورچ میں نکل آئی۔ میں گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے رکا رہا لیکن غزالہ کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ گاڑی پھاٹک سے نکال لی۔

ماروتی نے مجھے وقت کی پابندی کے لیے تاکید کی تھی۔ میں قدرے تیز رفتاری مگر احتیاط سے ڈرائیونگ کرتا ہوا مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ گیا۔ اس وقت بھی ملاقات کے بارے میں میرے دل و دماغ میں کشمکش جاری تھی۔ اس نے وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی تو میں بھی وقت سے ذرا پہلے وہاں پہنچنے میں اپنی بہتری محسوس کر رہا تھا۔ گاڑی ایک مناسب جگہ پارک کرکے میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی اور نیچے اترتے وقت دروازہ لاک کردیا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ جب میں نے موہن ہاؤس میں ماروتی کی پہلی جھلک دیکھی تو میرے دل میں اس


Downloaded from https://paksociety.com

سے مخاطب ہونے کی ایک بے ساختہ خواہش جاگ اٹھی تھی۔ اگر وہ اپنے مقام سے گر کر عامیانہ انداز میں مجھے ترغیب دینے کی کوشش نہ کرتی تو شاید میری وہ خواہش اور بڑھ جاتی لیکن ماروتی نے جلد یہ سے مشتعل ہو کر جس طرح اپنے نسوانی وقار کو ٹھیس پہنچائی تھی' اس نے مجھے ماروتی سے بددل کردیا تھا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھ کر ٹھیک سات بجے ہوٹل میں قدم رکھا اور کچھ آگے جاتے ہی مجھے لابی کے ایک صوفے پر ماروتی نظر آگئی۔ ہلکے سے میک اپ اور بڑے بڑے سفید پھولوں والے گلابی لباس میں وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے قریب پہنچنے تک میری تجسس نگاہیں یہ جائزہ لے چکی تھیں کہ ایس ٹی ایف کے کم از کم دو شناسا چہرے ماروتی کے آس پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے تیس اور پتلونیں پہنی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں جیسے ہی نظر آرہے تھے۔

"تم وقت کے بہت پابند ہو۔" ماروتی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی "ٹھیک سات بجے پہنچے ہو۔"

"تم رات کو گھر سے ان ہی کپڑوں میں نکلی تھیں؟" میں نے اس کے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ۔ میری احتیاط کے باوجود یہ خبر تم تک پہنچ گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری اتنی خبر رکھو گے۔"

"اتنا محظوظ ہونے کی ضرورت نہیں' میں نے تم سے کوئی سوال کیا تھا۔"

"یہ جوڑا میں نے ابھی چھ بجے ایلیفی سے خریدا ہے۔ گھر سے میں سرمئی سوٹ میں نکلی تھی۔" وہ مجھے اپنے ہمراہ لفٹ کی طرف لے جاتے ہوئے بولی "اتنی رات کو میں ایسے کپڑوں میں آزادی سے گھوم پھر سکتی تھی۔"

"تم اس قدر خاموش اور سنجیدہ کیوں ہو؟ کیا میں ان کپڑوں میں بُری لگ رہی ہوں؟" لفٹ حرکت میں آنے کے بعد اس نے اٹھلا کر پوچھا۔ لفٹ میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

"اس بارے میں صحیح رائے دینے کا حق صرف روی کو حاصل ہے' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "انہیں تو میرے بدن پر ہر لباس برا لگتا ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ رات میں نے انہیں ڈھونڈ نکالا؟"

"یہ معلوم ہے کہ تم پہاڑ جیسی رات کہیں گزارنے کے بعد صبح سویرے اس ہوٹل میں آئی تھیں۔"

لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھول کر ہم باہر نکلے اور راہداری کے سرے کی طرف بڑھنے لگے۔ راستے میں روم سروس کے دو ویٹرز نے ہمیں بہت ادب سے سلام کیا تھا۔ ماروتی بہت مسرور اور مگن تھی مگر میں اندر ہی اندر کٹا جارہا تھا۔ راہداری کے سرے پر واقع' ماروتی کا دہرا کمرا واقعی بہت شاندار اور کشادہ تھا۔ بہت خوب صورتی سے سجی ہوئی خنک نشست گاہ کے اندرونی دروازے سے گزر کر ہم پرشکوہ خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ ماروتی نے بے تکلفی سے مجھے دھکیل کر ایک نرم جہازی سائز کے صوفے پر دھکیل دیا اور ہنس پڑی۔

تازہ پھولوں سے لدی ہوئی فروٹ باسکٹ میرے سامنے رکھ کر اس نے پوچھا "کیا پینا پسند کرو گے؟"

"کھولتی ہوئی تازہ چائے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے موڈ میں ہلکی سی تبدیلی آگئی تھی۔

"میں نے یہ کمرا اپنے اصل نام پر بک کرایا ہے۔ میں غیر مسلم ہوں' مجھے کمرے میں ہارڈ ڈرنکس بھی مل سکتے ہیں۔"

"میں ہارڈ ڈرنکس نہیں پیتا۔ تم چاہو تو اپنے لیے کچھ بھی منگوا سکتی ہو۔"

"تھینک یو۔" وہ ایک ادا سے مسکرائی "میں بلانوش نہیں ہوں۔ اسکاچ کا ایک لارج پیگ لوں گی۔ تھوڑا سا سرور آجاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ انٹرکام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ روم سروس کو آرڈر دے کر وہ ایک الگ صوفے پر آبیٹھی۔

"ہاں' تم پچھلی رات کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" اسے لفٹ میں ادھوری رہ جانے والی بات یاد تھی "میں ٹیکسی میں سیدھی انیل کے گھر گئی تھی۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ انیل نے ٹیکسی کو فارغ کرکے اپنی گاڑی نکال لی۔ چار گھروں سے ناکام لوٹنے کے بعد صبح چار بجے ہم ملیر میں کسی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے۔ وہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ روی وہیں موجود تھے۔ ان سے بات کرکے ہم لوٹ آئے۔ انیل مجھے ہوٹل کے پورچ میں اتار کر چلا گیا۔ رات بھر کی نیند ضائع ہونے سے اس کا حال برا ہو رہا تھا۔"

"جگدیش کو معلوم ہے کہ تم روی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اسے بتا دیتی تو مجھے گھر لوٹ جانا پڑتا۔ روی سے ملنے کے بعد میں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔"


Downloaded from https://paksociety.com

"پھر اس نے ہمارا فون نمبر تمہیں کب دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی دور تک میرا پیچھا کیا جائے گا... میں نے ملیر جاتے ہوئے انیل کے موبائل سے بھایا جی کو فون پر بتایا تھا کہ میں روی کی تلاش میں شہر کی خاک چھانتی پھر رہی ہوں۔ اسی وقت اس نے مجھے تمہارا نمبر بتایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روی اس نمبر کے ذریعے اپنے پیچھے لگے ہوئے لوگوں کو شناخت کر سکتے ہیں۔"

ہوٹل کی روم سروس بہت مستعد تھی۔ دروازے پر دستک دے کر بادری ویٹر آرڈر کی ہوئی اشیا لے آیا۔ ٹرے سے سب کچھ میز پر سجانے کے بعد اس نے سفید لفافے میں بلیک ڈاگ کے نپ نکال کر ماروتی کے لیے گلاس بنانا چاہا مگر ماروتی نے اسے رخصت کر دیا۔

میرے لیے چائے بنانے کے بعد اپنے گلاس میں سوڈا ڈالتے ہوئے وہ میری طرف دیکھے بغیر بولی "تمہاری صورت نظر آنے تک میں بے یقینی میں مبتلا تھی۔ مجھے بار بار وسوسہ ہو رہا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔ تم نے میری بات مان کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب روی آزادی اور بے فکری کے ساتھ گھر لوٹ سکیں گے۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

اپنا گلاس بنا کر اس نے فضا میں لہرایا اور پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔ میں نے اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔

وہاں سے باتوں کا رخ تبدیل ہو گیا۔ ماروتی نے بیرونی دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور اپنا گلاس لے کر بڑے صوفے پر میرے قریب آ بیٹھی۔ اس کے لباس اور بدن سے پھوٹنے والی کسی قیمتی پرفیوم کی مسحور کن خوشبو میرے نتھنوں میں گھسی چلی آ رہی تھی۔

"مجھے مسلمان مرد ہمیشہ سے اچھے لگتے ہیں۔" اپنے گلاس سے چند گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی آواز میں سرور جھلکنے لگا تھا "پتا نہیں تم سے پہلے میری ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔"

وقت کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے لیکن اس رفتار کو ہر انسان اپنے موڈ کے تحت محسوس کرتا ہے۔ کبھی وقت پر لگا کر اڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ گھنٹے، دن، مہینے اور سال بس تیزی سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو جاتا۔ اس شام بھی کچھ یہی ہوا۔ ساڑھے سات بجے تک میں بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا، اس کے بعد دیکھا تو سوئیاں نو بجے سے بھی آگے گزر چکی تھیں۔

"یہ یاد رکھنا کہ روی کے مستقبل کا دارومدار صرف میری مرضی پر نہیں ہے۔" میں نے روانگی کا ارادہ کرتے ہوئے، نرمی سے ماروتی کو یاد دہانی کرائی "اس میں آخری فیصلہ دوسرے کریں گے۔ وہ کرشن کمار کی گرفتاری سے کم پر روی کو معاف نہیں کریں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" ماروتی نیم مخمور لہجے میں بولی "تمہاری طرح میں بھی اپنے وعدے کا پاس کرتی ہوں۔ تم نے اس کے بارے میں کچھ پوچھا ہی نہیں ورنہ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں نے کرشن کمار کا بندوبست بھی کرلیا ہے۔"

"اور یہ بات تم اب بتا رہی ہو۔" میں نے تیزی سے اس کی طرف پلٹ کر پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں روی کے ایک دوست کے فارم پر ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ بندوبست روی کا ہے اسی لیے وہ گھر سے چلے گئے تھے۔"

وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ آئی بی والوں کی اطلاع بھی وہی تھی۔ میں نے کہا "مجھے تم اس کا پتا بتا رہی ہو اور روی نے اسے ہمارا فون نمبر بتا دیا۔ تم دونوں مل کر ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہو؟"

"ہم کوئی کھیل نہیں کھیل سکتے۔" اس نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا "روی ہر وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ تم جب چاہو کوئی بھی الزام عائد کر کے انہیں بند کرسکتے ہو۔" اس بارے میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے فون کر کے مجھ سے بات کی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "ا... وہ نمبر روی سے ملا ہو گا۔"

"روی کو معلوم ہے کہ میں ان کے لیے تم سے کرشن کمار کا سودا کر رہی ہوں۔ وہ یہاں سے نکل جانے پر تلا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ روی نے اسے روکنے اور الجھانے کے لیے تمہارا فون نمبر دے دیا ہو۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ ضرور میمن گوٹھ میں رکا رہے گا۔ روی بتا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے اس کے کسی خاص آدمی کو پکڑا ہوا ہے اور وہ اسے چھڑوانے کے لیے بے چین ہے۔"

ماروتی کی زبان میں ہلکی سی لکنت تھی، لہجے میں سرور مگر اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اپنی ناکافی معلومات کے باوجود اس نے روی کی حمایت میں صحیح کڑیاں ملا



Downloaded from https://paksociety.com

تھیں۔

"میمن گوٹھ میں وہ کسی نہ کسی حفاظتی بندوبست کے ساتھ رہ رہا ہوگا۔ وہاں گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا اور اسے زندہ گرفتار کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کا پتا بتا کر تم اپنی جان نہیں بچا سکتیں۔"

"میں نے سب کچھ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ تم جو چاہو' میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آج سے میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا ہے۔ تم کہو گے تو میں آنکھیں بند کرکے کسی گڑھے میں بھی چھلانگ لگا دوں گی۔"

"ہوٹل میں تم کب تک مقیم ہو؟" چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے پوچھا۔

اس نے نشیلے انداز میں آنکھ مار کر کہا "میرا ہوٹل میں رکنے کا مقصد پورا ہوگیا۔ ہم نے کچھ اچھا وقت گزار لیا۔ مناسب سمجھو تو واپسی پر تم ہی مجھے مین روڈ پر اتار دینا۔ میں ٹہلتے ہوئے گھر پہنچ جاؤں گی۔"

میرے لیے ماروتی کو اس کے گھر کے دروازے تک پہنچانا قرین مصلحت نہیں تھا اس لیے میں نے اس کی تجویز قبول کرلی۔ ہوٹل میں وہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی آئی تھی۔ اس میں صرف ایک تھیلے کا اضافہ ہوا جس میں اس کا خریدا ہوا گلابی سوٹ موجود تھا۔ میرے والہانہ استقبال کے بعد وہ دوبارہ اپنا سرمئی سوٹ پہن چکی تھی جو وہ گھر سے پہن کر نکلی تھی۔

وہ اپنا بل ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر کی طرف گئی اور میں تیزی سے اول خان کے ایک آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے اچانک اپنے سر پر مسلط پا کر وہ بوکھلا گیا مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اول خان کو بتا دینا کہ سب کچھ ٹھیک جا رہا ہے۔ میں اس عورت کو اولڈ کلفٹن اتارتا ہوا گھر پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا ہم لوگوں کو آپ کے پیچھے پیچھے آنا ہے۔" اس نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ پیچھے آنے کی ضرورت نہیں۔ عورت قابو میں آچکی ہے۔"

میں اس شخص سے فارغ ہو کر ماروتی کے پاس پہنچا تو اس کا بل تیار ہو رہا تھا۔ حساب سامنے آیا تو اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے پچاس روپے باقی تھے۔ ویرا نے پچاس کا نوٹ کاؤنٹر پر چھوڑا اور میرے ساتھ ہولی۔

ہوٹل سے نکل کر ہم سڑک پر آئے تو ماروتی اپنی نشست کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر بولی "آج کا دن میں زندگی بھر نہیں سکوں گی... اگر تم چاہو تو ہماری دوستی آئندہ بھی جاری رہ سکتی ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کا قصہ نہیں نمٹ جاتا' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں کئی بار مجھے شبہ ہوا ہے کہ تم مجھے فریب دے رہی ہو۔" میں نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

وہ ہنس پڑی "میں تمہارے لیے ہر ایک کو فریب دے سکتی ہوں مگر تمہیں کبھی دغا نہیں دوں گی۔"

"تمہارے اس دعوے کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ آج تم اپنی فتح کے نشے میں ڈوبی ہوئی ہو۔ ایک دو روز میں تمہارا یہ خمار اترے گا تو تم کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکو گی۔"

"عورت کبھی فاتح نہیں ہوتی' مظہر ڈارلنگ۔" وہ میرے بائیں شانے پر ہاتھ مار کر بولی "مرد سے جیت کر بھی اپنا سب کچھ ہار جاتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکے ہو' میں تمہارے نام کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی چالاکی پر ہنس کر رہ گیا۔ اس نے اپنا مدعا بہت خوب صورتی سے بیان کردیا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "سب باتیں ایک دم کھل کر سامنے نہیں آتیں۔ وقت کے ساتھ دھیرے دھیرے سب کچھ کھل جاتا ہے۔ ابھی تم کو یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ میرا تعلق کس ایجنسی سے ہے ورنہ یہ بات بھی تم سے ہوتے ہوئے کرشن کمار پہنچ جائے گی۔"

"تم نے اس بات کو پکڑ لیا ہے۔ اگر روی کی غلطی سے تمہیں دکھ پہنچا ہے تو میں پورے خلوص سے اس کی معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ میں تمہاری اجازت کے بغیر کوئی بات روی تک نہیں پہنچاؤں گی۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلی ہوئی بات' دونوں میں سے کوئی چیز واپس نہیں آتی۔ کرشن کمار کو ہمارا فون نمبر ملنے سے جو نقصان ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب ہم اس کی کچھار کی طرف جائیں گے تو وہ زیادہ چوکنا ہوگا۔ مجھ سے بات کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم اس کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔"

"میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں کام کرنے والے مجھے پہچانتے ہیں۔ کوئی مجھے نہیں روکے گا۔ تم میرے ساتھ چلو اور اگر کرشن کمار تمہیں پہچانتا ہے تو اپنا کوئی ہوشیار آدمی میرے ساتھ کردو۔ وہ میرے ساتھ وہاں پہنچے اور کرشن کمار کی کنپٹی پر گن رکھ کر اسے اپنے ساتھ لے


Downloaded from https://paksociety.com

آئے۔ اس کی بے خبری میں یہ سب اس قدر اچانک ہونا چاہیے کہ وہ بھونچکا رہ جائے۔"

"وہ موم یا مٹی کا بنا ہوا کوئی پتلا نہیں ہے' ایک چالاک آدمی ہے۔ پتا نہیں روی نے اسے کیا کہانی سنائی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اگر اسے یہ معلوم ہے کہ وہ نمبر تم نے روی کو دیا تھا تو اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ تم ہمارے رابطے میں ہو یا شہر میں ہمارے بارے میں کچھ کرتی پھر رہی ہو۔ وہ آسانی سے تمہارے دام میں نہیں آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میری بات سن کر وہ فکر مند ہو گئی۔ "مشکل یہ ہے کہ روی' ملیر کے ایک دور افتادہ دیہی علاقے میں ہیں۔ وہاں فون ہے نہ فی الحال موبائل فون کی سہولت ہے۔ اسی وجہ سے وہ وہاں سے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے اور مجھے ان تک پہنچنے کے لیے شہر میں کافی بھٹکنا پڑا۔ فون ہوتا تو میں ابھی ان سے بات کر لیتی۔"

"تم ایک غلطی کر گزری ہو تو اب مزید کسی حماقت کی ضرورت نہیں۔ کرشن کمار کو ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔"

وہ راستے بھر ایک منٹ کے لیے بھی خاموش نہیں رہی۔ ہلکی سی لکنت کے ساتھ وہ مسلسل بولتی رہی اور میں اسی ہوں' ہاں میں جواب دیتا رہا۔ میرا ذہن کرشن کمار میں الجھا ہوا تھا۔

اولڈ کلفٹن میں ماروتی کو مین روڈ پر اتار کر میں آگے نکلتا چلا گیا۔ اگلے موڑ سے گاڑی واپس گھما کر میں گلشن اقبال کی طرف روانہ ہو گیا۔ میری رسٹ واچ اس وقت ساڑھے نو بجا رہی تھی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

ماروتی سے میری وہ ملاقات میری توقع کے برعکس' جلد ہی ختم ہو گئی تھی۔ میں گھر سے اپنی غیر حاضری کے دورانیے کو کم سے کم کر کے وہاں پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ وقت کے حوالے سے میں اپنا مناسب دفاع کر سکوں۔ مجھے اندازہ تھا کہ گھر واپسی پر کوئی اور اپنی زبان کھولے یا نہ کھولے' ویرا ضرور میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اول خان کی گاڑی ہمارے گھر کے باہر موجود تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اسٹیشن فور تک پہنچانے کے بجائے شاید راستے میں ہی اتار کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

میرے لیے پھاٹک سلطان شاہ نے کھولا۔ میرے اترتے ہی اس نے بتایا کہ اندر میرے بارے میں گرما گرم قیاس


سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی سچی کہانیاں

پیارٹ ڈی ایس پی ملک عشقیات کی ڈائری

دستِ انتقام

اسیرِ ہوس

مرزا امجد بیگ کی یادداشتیں

شیطان صفت

سبز قدم

قانونی پیچیدگیاں' عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات

ایک پیارٹ ڈی ایس پی کی پیشہ ورانہ زندگی کے پیچیدہ کیسوں کی روداد

زن، زر اور زمین کے تنازعوں سے جنم لینے والے مقدمات

جرم و سزا کی وہ کہانیاں جو انسانی حرص و ہوس کا آئینہ ہیں

قیمت فی کتاب ۔ ۵۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے۔ چاروں کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز * پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ رمضان چیمبرز
نزد وفاق اخبار چوک "آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۷۴۲۰۰




Downloaded from https://paksociety.com

آرائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے راستے میں اپنا ذہن بنالیا تھا۔ سلطان شاہ کے لہجے کی شوخی پر میں نے گمبھیر انداز میں صرف سرہلایا اور سنجیدہ چہرہ لیے گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا جو سلطان شاہ نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

گھر سے جاتے ہوئے غزالہ نے ابتدا سے آخر تک میرا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا اور یوں میری روانگی کا مرحلہ آسان کردیا تھا مگر اس وقت وہی سب سے زیادہ تجسس آمیز انداز میں میری واپسی کی منتظر تھی۔

غزالہ سراپا سوال بنی ہوئی تھی مگر اس کی زبان بند تھی۔ میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بس ایک ہلکی سی مگر آسودہ مسکراہٹ پھیل کر رہ گئی مگر وہ کہاں خاموش رہنے والی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بولنا شروع کردیا "اپنی چہیتی ماروتی سے مل کر آرہے ہو' پھر بھی تمہارے چہرے پر اداسی ناچ رہی ہے۔ خیریت تو ہے نا؟"

"تم سے میری بات ہونے کے بعد وہ چھ بجے ہوٹل سے نکل کر زیب النسا اسٹریٹ کی چند دکانوں میں گئی تھی۔" ویرا کے خاموش ہوتے ہی اول خان نے درمیانی تفصیل دہرانی شروع کردی "وہاں سے اس نے کچھ خریداری کی اور ہوٹل لوٹ آئی۔"

میرے ذہن میں ماروتی کے گلابی اور سرمئی سوٹ لہرانے لگے جنہیں میں نے فوراً اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور کہا "ہم اس کی طرف سے بلاوجہ بدگمان ہورہے تھے۔ وہ آزاد خیال ضرور ہے مگر خطرناک نہیں ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ تم اتنی جلدی واپس لوٹ آئے۔ میرے حساب سے تو تمہاری آج کی رات اسی کے ساتھ مذاکرات میں گزرنی تھی۔" ویرا نے شوخ لہجے میں دخل اندازی کی "معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اسے زیادہ متاثر نہیں کرسکے۔"

ویرا نے اپنی دانست میں میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی مگر مجھے خوشی ہوئی کہ میری اداکاری کامیاب رہی تھی۔ وہ وہی کچھ سمجھی تھی جو میں اپنے طرزِ عمل سے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا۔ "میں اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں گیا تھا۔ تم اپنے نادر خیالات اپنی ذات تک محدود رکھو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔"

"آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔" بدمزگی کے خوف سے اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا "یہ سب فضولیات ہیں۔ تم جس کام سے گئے تھے اس کا کیا رہا؟ کرشن کمار کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"وہ آئی بی والوں کی ابتدائی اطلاعات کی تصدیق کررہی ہے۔" میں نے اسے بتایا "کرشن کمار میمن گوٹھ میں ہے۔"

ماروتی کی بات جہاں تک پہنچی تھی' وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا کا شیطانی ذہن بھی اسے بھول کر' کرشن کمار کے بارے میں ہمارے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے میں مشغول ہوگیا۔

اول خان راست گو اور کھرا آدمی تھا۔ اس کی رائے تھی کہ انٹیلی جنس بیورو والوں نے کرشن کمار کا کھوج لگالیا تھا تو اس کو پکڑنے کا پہلا حق بھی ان ہی کو حاصل ہونا چاہیے۔ کرشن کمار پر صرف الزامات نہیں تھے بلکہ وہ مجرم ثابت ہوچکا تھا۔ سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ تھی کہ وہ بھارتی سیکرٹ سروس کا ایجنٹ تھا اور غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے خلاف کارروائی میں آئی بی والوں کو کوئی سیاسی یا سفارتی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ وہ کھل کر اس کے خلاف کارروائی کرسکتے تھے۔

مجھے اس سے اختلاف تھا۔ آئی بی والے ایک ضابطے کے تحت ہر کام کرتے تھے۔ کرشن کمار ایک بار ان کے قبضے میں چلا جاتا تو ہم اس سے اپنے طریقوں سے کوئی بازپرس نہیں کرسکتے تھے۔ اس کے خلاف اسپیشل ٹاسک فورس ہی بھرپور انداز میں کام کرسکتی تھی۔ آئی بی کے جلال اُلرحمان سے ہمارے مراسم میں گہرائی پیدا ہوچکی تھی لیکن ہمیں ان کی کسی ٹیم کے ساتھ کام کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے اور ان کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے نتائج مختلف ہوسکتے تھے جبکہ اول خان کی ٹیم کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہم پہلے بھی متعدد مہمات سرکرتے رہے تھے۔

ہمارے درمیان یہ تبادلہ خیال جاری تھا کہ آئی بی والے اپریٹس پر پھر کال آنے لگی اور سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ کئی دن سے وہ لوگ خاموش تھے تو سرے سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا تھا لیکن کرشن کمار کا سراغ پالینے کے بعد گزشتہ چند گھنٹوں میں وہ کے دن کی طرف سے دوسرا رابطہ تھا۔

اس کے پاس ایک نئی اور سنسنی خیز خبر تھی جو اسے میمن گوٹھ کی نگرانی کرنے والوں سے ملی تھی۔

میمن گوٹھ کی آبادی لب سڑک واقع تھی اور وہاں تک رسائی کا راستہ بھی سیدھا تھا۔ دونوں اطراف سے وہ آبادی ویران کچے علاقے سے گھری ہوئی تھی۔


Downloaded from https://paksociety.com

اپنے محل وقوع کی وجہ سے میمن گوٹھ کے باسیوں کو باہر سے آنے والوں پر نظر رکھنے میں کئی آسانیاں حاصل تھیں جن سے آئی بی والے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

براہِ راست آبادی میں داخل ہونے والوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ سیدھے راستے کو چھوڑ کر اطراف سے اندر گھسنے کی کوشش کرنے والے بھی ان کی نظروں سے نہیں بچ سکتے تھے۔ دن کے اجالے میں کچے راستوں پر اڑنے والا دھول کا غبار انہیں فوراً آگاہ کردیتا تھا کہ کسی سمت سے کوئی آبادی کے عقب میں واقع زرعی زمینوں تک پہنچنے کی کوشش کررہا ہے۔ اسی طرح رات کے گھور اندھیرے میں ان راستوں پر ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کا انعکاس دور دور تک پھیل کر کسی گاڑی کے سفر کی نشان دہی کردیتا تھا۔

کے ون کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ کراچی سے آنے والی ایک گاڑی میمن گوٹھ سے آگے نکل کر اچانک کچے راستے پر مڑی تھی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کے تیزی سے بدلتے ہوئے زاویوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ لوگ ناہموار راستوں کی پروا کیے بغیر تیز رفتاری سے اندر گئے تھے اور گاڑی کے اچھلنے کی وجہ سے روشنیوں کا رخ بار بار اوپر کی طرف ہورہا تھا۔

اس گاڑی کے بارے میں آئی بی والے فکر مند تھے مگر میمن گوٹھ والے اپنی حفاظت کے بارے میں سب سے زیادہ حساس تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آبادی میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ایک بڑی سی سیاہ گاڑی میں دو گورے' اپنے پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ گرین فارم پر پہنچے ہوئے تھے جہاں کرشن کمار پہلے سے مقیم تھا۔

"تمہارے آدمی نہیں دیکھ سکے کہ اس گاڑی میں کون وہاں پہنچا ہے؟"

"رات کے اندھیرے میں یہ دیکھنا ناممکن تھا لیکن گاؤں والوں کی اطلاع پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگ پیدل یا سائیکلوں پر فارم تک جاکر وہ خبریں لائے ہیں۔ یہ کام سونپتے ہوئے ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ کرشن کمار کی تلاش میں ہم سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں سے الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ کسی ٹکراؤ کا خطرہ ہو تو خاموشی سے پسپائی اختیار کرلیں۔"

وہ وہی بات بتا رہا تھا جو جلال براہِ راست مجھے بھی بتا چکا تھا۔ میں نے کہا "ان سے تصادم کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارا کوئی آدمی اس فارم تک پہنچ سکے؟"

"گاڑی میں سفر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پیدل چل کر کوئی بھی خاموشی سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔"

"پھر اپنا ایک آدمی اُدھر روانہ کردو۔ ہمیں پتا چلنا چاہیے کہ وہ کون لوگ ہیں اور وہاں کیا کررہے ہیں۔"

"میں نے آدمی کو روانہ کردیا ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا "مگر میں نے اسے ہدایت کی ہے کہ کوئی موہوم ترین خطرہ بھی نظر آئے تو اسے راستے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ اپنی حدود میں رہ کر میں صرف اتنا ہی کرسکتا تھا۔"

"ویری گڈ!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔"

"وہاں سے کوئی بھی خبر ملی تو میں آپ سے فوری رابطہ کروں گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"یہ اپریٹس کتنی رینج میں کام کرتا ہے؟ کیا یہ میمن گوٹھ میں بھی اسی طرح کام کرتا رہے گا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے متوقع نقشے کے پیشِ نظر اس سے پوچھا۔

"یہ سو کلومیٹر کے دائرے میں اسی طرح کام کرتا رہے گا۔ اپنے آدمیوں سے اسی سسٹم پر میرا رابطہ ہے۔"

"لیکن تم لوگوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں مجھے کوئی سگنل نہیں ملتا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"دراصل یہ ڈبل فری کوئنسی اپریٹس ہے۔ ہماری آپس کی اور آپ کی فری کوئنسی مختلف ہے۔ اگر آپ اپریٹس کے پیچھے لگا ہوا سبز بٹن نیچے سرکا دیں تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ آن لائن آجائیں گے اور ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو براہ راست سن سکیں گے۔" اس نے وہ خوش خبری سنا کر میرا دل خوش کردیا۔

"ایسا نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو تمہارے آدمیوں کو پریشان کردے۔"

"نو سر!" اس نے پورے وثوق سے کہا "انہیں علم ہے کہ آپریشن کے ہنٹ میں چیف آپریٹنگ آفیسر کا کوڈ ہارٹ ہے۔ آپ چاہیں تو اپنا کوڈ استعمال کرکے انہیں براہِ راست ہدایات دے سکتے ہیں۔"

"اوکے! میں تم سے بات ختم ہونے کے بعد اسی فری کوئنسی پر چلا جاؤں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

بات پوری کرکے میں نے اپریٹس کو پلٹا اور اس کا سبز بٹن نیچے دبا دیا۔ ہفتوں سے میرے پاس بے مقصد پڑا ہوا وہ اپریٹس یکایک ہی بھرپور افادیت کا حامل ہوگیا تھا۔

"اس پیغام نے تو نقشہ ہی الٹ کر رکھ دیا!" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں امریکی ہوں گے۔" ویرا پُر اعتماد لہجے میں بولی "ان کے میدان میں آنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کرشن کمار نے بہت عجلت سے کام لیا۔ شاید اس نے میرے اور ڈینی کے بارے میں انہیں اہم معلومات فراہم کرنے کی پیشکش کر ڈالی ہے۔ یہ لوگ رات کے وقت میمن گوٹھ جیسے دور افتادہ اور غیر محفوظ مقامات کا بھول کر بھی رخ نہیں کرتے۔"

"یہ بات ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔" اول خان نے فراخ دلی سے ویرا کے پیش کیے ہوئے نکتے کی افادیت کو تسلیم کرلیا "میرا ذہن تو صرف ایک بات میں الجھا ہوا تھا کہ امریکیوں کے ملوث ہونے کے بعد آئی بی والوں کو محتاط ہونا پڑے گا اور مجبوراً ہم لوگوں کو یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔"

"ڈینی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کام تمہیں سنبھالنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"میرا نکتہ کچھ اور تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "مگر اب ایس ٹی ایف کے فعال ہونے کا جواز پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے آئی بی والوں کو ہماری براہ راست دخل اندازی شاید گراں گزرتی' اب انہیں خوشی ہوگی کہ کوئی نہ کوئی ان معاملات کو دیکھ رہا ہے۔"

"امریکی ساری رات وہاں نہیں بیٹھے رہیں گے۔" ویرا نے حسب معمول استہزائیہ انداز میں اپنی زبان کھولی "جب ماروتی جیسی مرد مار خاتون ڈینی کو ڈیڑھ دو گھنٹوں میں فارغ کرسکتی ہے تو کرشن کمار سے مذاکرات میں وہ دونوں اپنا زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ بات چیت ختم کرتے ہی وہاں سے واپس چل پڑیں گے۔"

ویرا کی وہ بات سو فی صد درست تھی۔ اول خان نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی "یہ امریکیوں کو ایک اور گہری زک پہنچانے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔"

"تو تم اکیلے کہاں چلے؟ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" میرے ان الفاظ پر سب ہی نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

"تم اور ویرا۔ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہو گے۔" اول خان نے سخت اور تحکم آمیز لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا "واقعات کا رخ بتا رہا ہے کہ اس بار ہمارے حریفوں کے گٹھ جوڑ کا محور تم دونوں ہو۔ تمہیں اس مہم جوئی سے بہت دور رہنا ہوگا ورنہ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں ہمارا سارا کھیل تباہ ہو جائے گا۔"

وہ عجلت میں تھا' اس کے لہجے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں اس کی مخالفت میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میری خاموشی سے ویرا کا حوصلہ بھی پست ہو گیا اور وہ کمزور لہجے میں بڑبڑانے لگی "یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ تم نے ایک نادر شاہی حکم صادر کردیا۔ گڑبڑ کی صورت میں جو کچھ ہمارے ساتھ ہو سکتا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ تم کوئی انوکھی مخلوق تو نہیں ہو۔"

"باقی سب لوگ اس اعتبار سے انوکھے ہیں کہ ان پر بڑا کیا' کوئی چھوٹا انعام بھی مقرر نہیں ہے اور نہ امریکی خاص طور پر ان میں سے کسی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"مجھ پر بھی کوئی انعام مقرر نہیں کیا گیا۔" اول خان کی دلیل پر سلطان شاہ بول پڑا "اس کا مطلب ہے کہ میں اس مہم میں تمہارے ساتھ شریک ہو سکتا ہوں۔"

"تمہاری شمولیت پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات بلا تامل مان لی "تکنیکی اعتبار سے غزالہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو سکتی ہے لیکن وہ عورت ذات ہے' اس کا گھر پر رہنا بہتر ہے۔ ہم ایس ٹی ایف کی نفری لے کر اسٹیشن فور سے سیدھے سپرہائی وے کی طرف نکل جائیں گے تاکہ جلد از جلد میمن گوٹھ پہنچ سکیں۔"

اس کے دماغ پر عجلت سوار ہو گئی تھی۔ ہم میں سے کسی نے بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ سلطان شاہ نے نظروں ہی نظروں میں مجھ سے اجازت طلب کی اور میرا اشارہ پاتے ہی اندر کی طرف لپکا تھا کہ اول خان نے اسے پکار لیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ کیا میرے ساتھ چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کپڑے بدل کر کوئی ہتھیار ساتھ لے لوں۔" اس نے مڑ کر جواب دیا۔

"وقت نہیں ہے۔ ان ہی کپڑوں میں چلے چلو۔" اول خان یہ کہہ کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

اول خان نے اپنے ساتھ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ اسے سونپ دی اور گاڑی کے حرکت میں آتے ہی اپنے موبائل فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کرکے حامد کو فوری طور پر ایک مضبوط اسکواڈ کی تیاری کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

سلطان شاہ کی نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں مگر کان اول خان کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ رک رک کر اور سوچ سوچ کر' جس طرح حامد کو ہدایات دے رہا تھا اس سے ظاہر

Downloaded from https://paksociety.com

ہو رہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ خود کو اس وقت میمن گوٹھ کے پیچھے پھیلے ہوئے اس فارم کے قرب و جوار کے آس پاس محسوس کر رہا تھا جہاں کرشن کمار موجود تھا۔

یونیورسٹی روڈ پر نیا چورنگی عبور کرنے سے پہلے اول خان کی ہدایات مکمل ہو چکی تھیں۔ اول کی اس فون کال کا یہ فائدہ ہوا کہ جب وہ دونوں صفورا گوٹھ اور ریس کورس گراؤنڈ سے ہوتے ہوئے اسٹیشن فور پہنچے تو ایس ٹی ایف کا کارواں منزل مقصود کی طرف روانگی کے لیے پورے کیل کانٹے سے لیس ہو کر چیک پوسٹ پر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ کارواں دو لینڈ روور جیپوں پر مشتمل تھا۔ ایک جیپ میں حامد کو اپنے پانچ ماتحتوں کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ دوسری گاڑی کے لیے چار مسلح افراد تیار تھے۔ اس کی چھت پر عارضی طور پر ایک میگا فون نصب کر دیا گیا تھا جس کا اضافی مائیکروفون تار کے ذریعے جیپ کی پسنجر سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ سے لٹک رہا تھا۔

پروگرام راستے میں ہی طے ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی سے اترتے ہی دوسری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اول خان اس کے برابر میں بیٹھا' چار افراد اچھل کر عقبی نشستوں پر بیٹھے اور سلطان شاہ نے لینڈ روور آگے بڑھا دی۔ اس کے پیچھے حامد کی گاڑی بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ اس دوران میں چیک پوسٹ کے عملے کا ایک آدمی اول خان اور سلطان شاہ کی چھوڑی ہوئی گاڑی کو راستے سے ہٹا چکا تھا۔

اول خان نے اپنی حکمتِ عملی سے پہلے مرحلے پر ہی کافی وقت بچا لیا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بڑے اور جان دار تھے۔ ویسے بھی وہ گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کے لیے خاص شہرت رکھتی تھیں۔ چھاؤنی سے سپر ہائی وے تک کی روایتی سڑک پر بھی ان کی رفتار خاصی تیز رہی۔ سپر ہائی وے کی کشادہ اور ہموار سڑک پر آتے ہی دونوں گاڑیاں ہوا سے باتیں کرنے لگیں۔

ڈرائیونگ لڑکپن ہی سے سلطان شاہ کا شوق تھا۔ اس روز اسے مدتوں بعد ایسا موقع ملا کہ اپنی مرضی کی گاڑی اس کے قبضے میں تھی' سڑک شان دار تھی اور اسے تیز رفتاری کی کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس نے ہارن اور ہیڈ لائٹس کی دونوں بیمز کو بے دردی سے استعمال کرتے ہوئے آگے جانے والی گاڑیوں کو تیزی سے اوورٹیک کرنا شروع کر دیا۔

ان کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے گھر سے روانگی کے آدھے گھنٹے میں وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے۔

مطلوبہ فارم تک رسائی کے راستوں کے بارے میں وہ کے ون کی بریفنگ اپنے کانوں سے سن چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سفید فاموں کی گاڑی گوٹھ سے آگے نکلنے کے بعد داہنی طرف مڑی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی واپسی بھی اسی راہ سے ہوگی۔ انہوں نے بھی وہی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا تاکہ کچے راستے میں مشتبہ گاڑی سامنے سے آتی ہوئی نظر آ جائے تو اسے وہیں روک لیا جائے وہ کسی بھی قیمت پر انہیں نکلنے کا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس ناکامی کا بس ایک ہی امکان تھا کہ سفید فام ان کے میمن گوٹھ پہنچنے سے پہلے کراچی واپس روانہ ہو گئے ہوں اور انہوں نے راستے میں ہی خاموشی سے انہیں کراس کر لیا ہو۔

دو رویہ سڑک کے وسط میں' کچی زمین پر بنے ہوئے ٹائروں کے نشانات نے سلطان شاہ کی رہنمائی کی اور وہ لوگ اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گوٹھ والوں کو بے خبر رکھنے کے لیے فوری طور پر ہیڈ لیمپس گل کر کے صرف پارکنگ لائٹس کے سہارے سفر جاری رکھنا چاہا لیکن چند ٹانیوں میں لگنے والی کئی شدید اور غیر متوقع ضربوں نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ روشنی لینڈ روور کی رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل کسی بھی جھٹکے پر اس کے ہاتھوں سے نکل کر انہیں حادثے سے دو چار کر سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ ہیڈ لیمپس روشن کر لیے۔ حامد اس کی تقلید کر رہا تھا۔

چند کلو میٹر پر محیط اس سفر میں وہ گاڑیاں ایک خشک برساتی نالے سے بھی گزریں۔ ٹائروں کے پرانے نشانات کے سہارے وہ جلد ہی باغات تک پہنچ گئے پھر انہیں گرین فارم کا بورڈ بھی نظر آ گیا جو سبز باڑھ کے درمیان کھلے ہوئے راستے پر اونچے محرابی انداز میں نصب تھا۔

وہ فارمنگ کی مقبولیت کا زمانہ تھا۔ زراعت پیشہ لوگوں کے علاوہ کراچی کے بہت سے روسا نے بھی خطیر سرمایہ کاری کر کے شہر کے دور دراز مضافاتی اور نیم دیہی مقامات پر مختلف ناموں سے فروٹ فارمز قائم کیے تھے اور ہر فارم کو کوئی نہ کوئی نام دینے کا رواج بھی چلا ہوا تھا۔ اگر انہیں وہ بورڈ نظر نہ آتا تو گرین فارم کی تلاش میں خاصا وقت برباد ہو سکتا تھا۔

"گاڑی فارم میں لیتے چلے جاؤ!" اول خان نے سرد لہجے میں اسے ہدایت کی۔

سلطان شاہ اس وقت روبوٹ بنا ہوا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی

Downloaded from https://paksociety.com

تیز روشنی نیم دائرے کی صورت میں چکرائی اور فارم میں داخل ہوتی چلی گئی۔ حامد اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کرکے باہر ہی رک گیا تھا۔

وہ حکمت عملی پہلے سے طے شدہ تھی۔ اول خان کی طرف سے سگنل فائر ہونے تک اسے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھ کر باہر رکنا تھا۔ جوں ہی ان کی لینڈ روور فارم میں کچے لیکن ہموار راستے پر گھومی' اندر سے کسی نے اونچی اور کرخت آواز میں کچھ کہا جو انجن کی غراہٹوں میں ان کے پلے نہیں پڑسکا۔ ساتھ ہی وہ تاریک ویرانہ پہلے فائر کی بھیانک آواز سے لرز اٹھا۔

سلطان شاہ نے بریک لگا دیے' وہ رائفل کا فائر تھا۔ فاصلے میں مزید کمی کی صورت میں وہ لوگ رائفل والے کی زد میں آسکتے تھے۔ اس اثنا میں انہیں اس راستے کے اختتام پر بنے ہوئے مختصر سے کانچ کے سامنے وہ بڑی سی سیاہ گاڑی بھی نظر آگئی جس کا ذکر وہ کے ون کی رپورٹ میں سن چکے تھے۔

اول خان نے اپنی گود میں رکھی ہوئی گن کی نال کھڑکی سے باہر نکال کر بیک وقت تین فائر کیے۔ وہ حامد کے لیے حرکت میں آنے کا سگنل تھا۔ سلطان شاہ کے عقب میں یکایک ہیڈ لیمپس کا اجالا پھیل گیا۔ حامد کی گاڑی فارم میں آنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ پروگرام کے مطابق اسے گرین فارم کا طواف کرکے اس سے نکاس کے کسی دوسرے راستے کو بلاک کرنا تھا۔ کوئی اور راستہ نہ ملنے کی صورت میں اسے آخری پہلو پر کسی بھی جگہ پوزیشن لینی تھی۔

"اپنی فارمیشن بنالو!" اول خان نے مڑے بغیر اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور وہ چاروں لینڈ روور کے عقبی دروازے سے یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ اپنی گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی میں سلطان شاہ کو عقب نما آئینے میں صرف اتنا نظر آیا کہ ان چاروں نے اپنی اپنی پشت پر قدرے وزنی تھیلے کسے ہوئے تھے۔

اول خان کے داہنے ہاتھ میں گن تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے مائیکروفون اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور اگلے ہی لمحے اس کی آواز میگا فون پر گونجنے لگی "تم سب محاصرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھاؤ اور کالی گاڑی سے آگے قطار بنالو۔ اس حکم پر عمل نہیں ہوا تو چند منٹ بعد یہ علاقہ جہنم بنا دیا جائے گا۔"

اول خان نے وہ اعلان انگریزی میں کیا تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کرشن کمار کے پاس آئے ہوئے سفید فام اپنے کانوں سے اور اپنی مادری زبان میں وہ پیغام سن لیں تاکہ کرشن کمار کو انہیں کوئی فریب دینے کا موقع نہ مل سکے۔

اس بار دوسری طرف سے دو رائفلیں چلیں۔ وہ مقابلے کا پیغام تھا۔

حامد کی گاڑی کی روشنیاں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان منعکس ہوتے ہوئے تیزی کے ساتھ سفر کررہی تھیں۔

اول خان نے مائیکروفون چھوڑ کر اپنا اپریٹس اٹھالیا اور سکون سے کہا "گنز فائر کرو۔"

حامد والی گاڑی سے چند ثانیوں بعد ہی تڑاتڑ کی آوازوں کے ساتھ چھ مشین گنیں آگ اگلنے لگیں۔ انہوں نے چلتی گاڑی سے اپنی گنوں کے ہلکے برسٹ چلائے تھے۔ ان کا کوئی نشانہ نہیں تھا۔ مقصد دشمن کو مرعوب اور خوف زدہ کرنا تھا۔

"سر! ابھی تک گھنے درختوں کے درمیان کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس وقت ہم آپ کی مخالف سمت سے گزر رہے ہیں۔" فضا میں غیر فطری سکوت چھاجانے کے بعد حامد نے رپورٹ دی۔

"اگلے دو منٹ تک اسی طرح وقفوں سے برسٹ فائر کرتے رہو۔ میرے آدمی کسی بھی لمحے گراؤنڈ فارمیشن لے کر اب ٹارگٹ شوٹنگ کریں گے۔ شاید ان کے فائر کیے ہوئے راؤنڈز کانچ پہنچ سکیں۔"

"آل رائٹ سر! ابھی تک ہمیں دوسرا راستہ نہیں ملا ہے۔"

"ڈیمر مارو!" اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی۔ لینڈ روور کی اگلی روشنیاں بہت تیز ہو کر نارمل ہو گئیں۔ ان کی گاڑی کی دونوں سمتوں سے ہلکی مشین گنیں چلنے لگیں۔ وہ چار الگ آوازیں تھیں۔ سلطان شاہ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ اس کے چاروں ہم سفر لینڈ روور سے اتر کر باغ میں گھس چکے تھے۔

وسیع و عریض فروٹ فارم کی مہکتی ہوئی فضا میں جلے ہوئے بارود کی بو رچنے لگی تھی۔ حریفوں کی طرف سے صرف تین فائر ہوئے تھے مگر ایس ٹی ایف والوں نے ان پر گولیوں کی برسات کردی تھی۔

کانچ کی چند کھڑکیاں جو اس وقت تک روشن تھیں' اچانک تاریک ہو گئیں مگر لینڈ روور کی روشنی میں سب کچھ اندھیرے میں نہ ڈوب سکا۔ حامد کے آدمیوں کے ہتھیار ایک مرتبہ پھر گنگنا اٹھے تھے۔

وہ سب بہت تیزی سے ہوتا چلا جارہا تھا مگر سلطان شاہ کو


Downloaded from https://paksociety.com

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یکایک سست ہو گئی ہو۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ نیچے گرین فارم کا منظر کردینے والا ماحول مگر کرشن کمار کی وجہ سے اس وقت سب کچھ نہایت بھیانک ہو چلا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اندر والوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو زمین انسانی خون سے ضرور رنگی جائے گی۔

اندر سے یکے بعد دیگرے تین رائفلیں چلیں اور شعلے مختلف سمتوں میں اڑ کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ ایس ٹی ایف کی طرف سے طاقت کے بے رحمانہ اظہار نے انہیں حواس باختہ کردیا تھا۔ وہ اپنے محدود میگزین کا خیال کیے بغیر بے مقصد فائرنگ پر اتر آئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح اپنے کارتوس ضائع کرتے رہتے تو ان کی رائفلیں محض آہنی لاٹھیوں میں تبدیل ہو کر رہ جاتیں۔

"وہ لوگ بھی کانیج سے نکل کر باغ میں گھس گئے تو گھور اندھیرے میں انہیں تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" سلطان شاہ تشویش سے بولا۔

"شاید وہ سب مسلح نہیں ہیں۔ ابھی تک صرف تین رائفلیں چلی ہیں اور کرشن کمار کے گارڈ بھی تین ہی ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ یہاں کوئی ایسا بھاری حملہ ہو سکتا ہے۔ اپنے پچیس پچاس کارتوس ضائع کرنے کے بعد وہ نہتے رہ جائیں گے۔ ان حالات میں وہ باغ میں گھسنے اور چھپنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے، یک جا رہ کر مزاحمت کریں گے۔" اول خان نے وضاحت کی۔ "میری کوشش یہ ہے کہ وہ مشتعل ہو کر اندھیرے، اندھیرے اپنا میگزین پھونک ڈالیں۔"

سلطان شاہ کھیل کو سمجھنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر ڈیرے سے اٹھ گیا۔ یکساں روشنی میں تبدیلیاں ہوئیں اور باغ کی فارمیشن والوں نے فائرنگ شروع کردی۔ اسی لمحے حامد کے آدمیوں نے برسٹ فائر کرنے شروع کردیے۔

سلطان شاہ نے لینڈ روور کو زوایئے سے قدرے آگے بڑھایا اور ترچھا کر کے اس طرح روک دیا کہ پورا کانیج ہیڈ لیمپس کی زد میں آگیا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ باغ میں گھسنے والے چاروں آدمی پیش قدمی کرتے ہوئے گاڑی سے کافی آگے نکل چکے تھے۔

ایس ٹی ایف کی دھواں دھار فائرنگ میں دشمنوں نے پھر اپنے تین کارتوس ضائع کیے۔ سلطان شاہ ان کے کیے ہوئے ہر فائر کو گن رہا تھا۔ وہ لوگ اس وقت تک نو فائر کر چکے تھے۔

"ہم رک چکے ہیں سر۔" آپریٹس پر حامد کی آواز آئی "دو منٹ پورے ہو چکے ہیں۔ اب کیا حکم ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو پھیلا کر اندر گھسو۔ جب تک کوئی شکار نشانے پر نہ آجائے، فائر نہ کرو۔ ہماری خاموشی سے وحشت زدہ ہو کر وہ اپنا میگزین برباد کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ سب کو بریف کردو کہ گوروں پر ڈائریکٹ فائر نہیں ہوگا۔"

"ان میں کوئی سامنے آجائے یا مقابلے پر تل جائے تو کیا کرنا ہوگا؟"

"مجبوری میں ہر دفاعی قدم اٹھانے کی آزادی ہے۔ میں یہاں زیادہ خوں ریزی نہیں چاہتا۔ مجرموں کے ساتھ کئی بے گناہ مزدور اور مالی بھی یہاں رہ رہے ہوں گے۔ ان میں سے کسی کو گزند نہیں پہنچنا چاہیے۔"

اول خان نے جوں ہی اپنی بات ختم کی، سلطان شاہ اس سے مخاطب ہو گیا "تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ باغ بہت بڑا ہے۔ یہاں کافی مزدور رہتے ہوں گے اور ان میں سے کوئی تمہارا اعلان نہیں سمجھ سکا ہوگا۔ یہاں کرشن کمار اور دونوں امریکیوں کے سوا شاید ہی کوئی انگریزی سے واقف ہو۔ تمہیں اپنا اعلان اردو میں بھی دہرانا چاہیے۔"

وہ نکتہ اول خان کی کھوپڑی میں سما گیا۔ بھیانک موت کے تصور سے سہمے ہوئے مزدوروں کو امان کا یقین دلا کر تین مسلح محافظوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا جا سکتا تھا۔ سلطان شاہ کی تجویز اگر سود مند نہ ہوتی تب بھی بے ضرر ضرور تھی۔

اول خان نے مائیکرو فون اٹھا لیا اور میگا فون پر بولنا شروع کردیا "ہمیں معلوم ہے کہ اندر بہت سے معصوم اور بے گناہ مزدور اور مالی پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اپنی پوری طاقت استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اگر تینوں گارڈ اپنی رائفلیں پھینک دیں اور سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آئیں تو ہم فائرنگ روک دیں گے۔ ہمارا اصل معاملہ کرشن کمار سے ہے جس کی حفاظت کے لیے یہاں تین گارڈ بٹھائے گئے ہیں۔ یہ اعلان پہلے انگریزی میں کیا گیا تھا۔ اب اردو میں بتایا جا رہا ہے۔ یہ مہلت اگلے پانچ منٹ میں ختم ہو جائے گا اور ہمارے دشمن کے ساتھ بے گناہ بھی مفت میں مارے جائیں گے۔"

گاڑی کے ہیڈ لیمپس جلے ہوئے چھوڑ کر انجن بند کردیا گیا۔ سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے خود کار رائفل اور اس کے چھ بھرے ہوئے میگزین کا پیکٹ لیا اور اول خان کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا۔

ایس ٹی ایف والوں کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ


Downloaded from https://paksociety.com

موقوف ہوچکا تھا' گاڑی کا انجن بھی خاموش ہوگیا تھا۔ اس سناٹے میں کانیج کی طرف سے شور وغل کی کچھ آوازیں سنائی دیں' ایک رائفل چلی' اسی کے ساتھ فضا ایک کربناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ اس کے فوراً بعد مگر آگے پیچھے دو اور فائر ہوئے۔ مزید کوئی چیخ نہیں ابھری مگر شور تیز ہوگیا۔

سلطان شاہ اور اول خان گاڑی سے اتر کر درختوں اور پودوں کی آڑ لیتے ہوئے اور ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد سے بچتے ہوئے بہت تیزی سے کانیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند ثانیوں بعد اسی شور وغل کے درمیان ماؤزر کے دو راؤنڈ فائر ہوئے۔ کرشن کمار ہمارے گھر میں ویرا سے کراٹے کا ہاتھ کھانے کے بعد ماؤزر ہی چھوڑ کر بھاگا تھا۔ شاید وہ اس کا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ ان دونوں کا شبہ بس لمحے بھر کے لیے برقرار رہا پھر اس کی تصدیق ہوگئی۔ کوئی شخص شور مچانے والوں پر حلق کے بل اونچی آواز میں برس رہا تھا۔ اس کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی۔

کرشن کمار کی وہ آواز انہوں نے اسپیکر فون پر سنی ہوئی تھی۔ اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کی آواز اچانک چیخ میں تبدیل ہوگئی۔ سلطان شاہ نے اندازہ لگایا کہ کوئی مشتعل مزدور اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

بہت سے لوگ ایک ہجوم کی صورت میں کانیج کے ایک پہلو سے نمودار ہوئے۔ اس وقت تک وہ دونوں بہت قریب پہنچ چکے تھے اور درختوں کے تنوں کی اوٹ میں بالکل تیار کھڑے ہوئے تھے۔

سامنے آنے پر پتا چلا کہ مقامی مزدوروں نے ٹولیوں کی صورت میں کچھ لوگوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سامنے آکر اپنے اپنے لائے ہوئے آدمی کو زمین پر ڈال کر ہاتھ اوپر اٹھاتے رہے۔

صورتِ حال واضح ہوچکی تھی۔ اول خان نے اشارہ کیا اور وہ دونوں درختوں کے تنوں کے پیچھے سے نکل کر بہت تیزی سے لینڈ روور سے پڑنے والی روشنی کی سیدھ میں آگئے تاکہ ایس ٹی ایف والوں کو انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ انہیں احساس تھا کہ اس مرحلے پر ان سے ذرا بھی چوک ہوئی تو وہ اپنوں کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔ غنیمت ہوا کہ ان کی پھرتی ان کے کام آئی اور ان ڈرامائی لمحات میں کوئی المناک سانحہ رونما نہ ہوا۔

ان کو دیکھتے اور پھر پہچانتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز بہت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلکے اور درمیانی درجے کے دس خود کار آتشیں ہتھیاروں کی نالیں خوف زدہ مزدوروں پر تن گئیں۔ امان پانے کے بجائے خود کو ہتھیاروں کی زد پا کر ان سب کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے۔

"کسی کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے' آگے بڑھ کر انہیں یقین دہانی کرائی۔ ہم اپنا اطمینان کرلیں پھر سب بے گناہوں کو آزادی مل جائے گی۔"

گرین فارم میں رہنے والے مزدور پانچ افراد کو ڈنڈا ڈولی کرکے لائے تھے۔ ان میں سے دو شدید زخمی اور بے ہوش تھے۔ تین کے چہروں وغیرہ پر معمولی خراشیں تھیں مگر وہ ہوش میں تھے اور سب الگ الگ پہچانے جارہے تھے۔

قدرے چست وردی میں ملبوس شہری سیاہ کار کا شوفر تھا۔ دو گارڈز بے ہوش تھے' تیسرا ہوش میں تھا۔ پانچواں کرشن کمار تھا جس کے ہونٹوں کے بائیں گوشے پھٹے ہوئے تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اپنی گن کی نال کرشن کمار کی کھوپڑی پر رکھ دی اور پلٹ کر اپنے آدمیوں سے بولا "گنز ڈاؤن۔"

ہتھیاروں کی تنی ہوئی نالیں بہ یک وقت اس زمین کی طرف جھک گئیں جس کی سلامتی اور تحفظ کے لیے وہ سب اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرکے صحراؤں اور ویرانوں کی سختیاں جھیلتے پھرتے تھے۔

کرشن کمار کی گوری رنگت دہشت سے زرد پڑی ہوئی تھی' موت کے خوف سے آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوگئے تھے۔ مزدوروں کی ڈنڈا ڈولی سے چھٹکارا پانے کے بعد اسے اتنی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوپاتا۔ اول خان کی معاملہ فہمی اور پھرتی کی وجہ سے وہ جہاں تھا' وہیں پڑا رہ گیا تھا۔

"مم... مجھے گولی نہ مارنا۔" اپنی کھوپڑی پر آہنی نال کا ٹھنڈا لمس اور دباؤ محسوس کرتے ہی کرشن کمار کسی نیولے کی طرح بلبلا اٹھا۔ "تم مجھ سے جو پوچھو گے' اس کا جواب مل جائے گا۔"

اول خان نے اس کی بات سنی اَن سنی کردی اور کھڑے ہوئے افراد کی بھیڑ پر نظر دوڑائیں۔ وہ سب معصوم اور بے خطا چہرہ تھے۔ ان میں دونوں گوروں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"تم سب آزاد ہو مگر ہمارے جانے تک مہربانی کرکے یہیں رکو گے۔" اول خان نے بہت حلاوت سے کہا "ابھی ہمیں دو گوروں کی تلاش ہے جو اس گاڑی میں یہاں آئے



Downloaded from https://paksociety.com

تھے۔"

"مجھے معاف کردو!" ہلکی نیلی وردی والا گڑگڑایا "میں گوروں کی گاڑی کا شوفر ہوں۔ غریب اور بال بچوں والا آدمی ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ جہاں کہتے ہیں' جانا پڑتا ہے۔"

مزدوروں میں سے ایک محنتی سا آدمی ہمت کرکے آگے بڑھ آیا اور ڈرائیور سے مخاطب ہوکر بولا "غریب آدمی ہے تو بابا ہم غریبوں سے کیوں لڑتا تھا؟ کیوں بولتا تھا کہ مار مت مانو' لڑائی کرکے مرو۔ مارمانی تو دشمن پھر بھی مار ڈالے گا۔"

"توبہ' توبہ..... میری توبہ!" ڈرائیور خوف زدہ اور بدحواسی انداز میں اپنی زبان سے کچی زمین چاٹ چاٹ کر کہنے لگا "مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ اتنے شریف لوگ ہیں کہ اپنی بات پر قائم رہیں گے۔ مجھے مروادیا... ان حرامی گوروں نے مروادیا۔" بولتے بولتے اس نے قدرے بلند آواز میں رونا شروع کردیا کہ سلطان شاہ اس پر برس پڑا۔

وہ سہم کر فوراً ہی خاموش ہوگیا مگر اس کی پھٹی پھٹی اور رحم طلب نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"دو آدمی اندر جاکر گوروں کو تلاش کریں۔" اول خان نے سب کو سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا "ان کے ہاتھ آئے بغیر ہمارا کام ادھورا رہے گا۔"

"اندر اندھیرا کیوں ہے؟ یہاں کے سوئچ کہاں ہیں؟" سلطان شاہ نے کسی خاص شخص سے مخاطب ہوئے بغیر پوچھا۔

"ادھر بجلی نہیں ہے۔" اسی محنتی مزدور نے جواب دیا "مٹی چاٹنے والے نے پیچھے کا جنریٹر بند کردیا تھا۔ ٹھہرو! میں اسے چلا کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک اور آدمی کو ساتھ لیا اور کسی سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر پورے اعتماد اور بردباری سے پیچھے چلا گیا۔

اس اثنا میں حامد اپنے ایک ماتحت کے ساتھ کاٹیج کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ... وہ دونوں بڑے کمرے میں پلنگ کے نیچے گھسے ہوئے ہیں۔" شوفر نے ہکلاتے ہوئے' پھنسی پھنسی آواز میں انکشاف کیا "میں نے ان ہی کے کہنے پر جنریٹر بند کیا تھا۔"

سلطان شاہ اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اسے وہ شخص بہت گھناؤنے کردار کا مالک نظر آرہا تھا۔

گوروں کے سوا سب آدمی سامنے آچکے تھے مگر کوئی ہتھیار برآمد نہیں ہوا تھا۔ جنریٹر چلانے والے کے پیچھے ایس ٹی ایف کا ایک آدمی کاٹیج کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا۔ تھوڑے انتظار کے بعد کمزور آواز والا ایک انجن چلنے کا شور سنائی دیا اور کاٹیج کی کئی کھڑکیاں روشن ہوگئیں۔ جنریٹر چلانے کے بعد وہ تینوں ایک ساتھ واپس آئے تو ان کے ساتھ وہ ہتھیار بھی تھے جن کی سب کو تلاش تھی۔

زمین پر پڑے ہوئے قیدیوں کی طرح ان کی تعداد بھی پانچ تھی۔ تین گیسان ساخت کی رائفلیں یقینی طور پر گارڈز کی تھیں۔ ماؤزر کرشن کمار کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ پستول کا جائزہ لینے کے بعد سلطان شاہ نے شوفر کو گھورتے ہوئے پوچھا "اس کا میگزین پورا ہے۔ یہ پستول کس کا ہے؟" اپنا سوال پوچھ کر وہ پستول کی نال سونگھنے لگا جس میں بارود کی بو نہیں تھی۔

"یہ میرا ہے۔" شوفر کے پاس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا "یہ گوروں نے دیا ہوا ہے۔ میرے پاس ان کا اتھارٹی لیٹر بھی ہے۔ تم چاہو تو میں گاڑی میں سے نکال کر دکھا سکتا ہوں۔"

"گورے تم پر بہت مہربان معلوم ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا اور ذرا ان کے نام بھی بتاڈالو۔ تم ان کے پرانے اور پکے نمک خوار معلوم ہوتے ہو۔"

وہ سلطان شاہ کے طنز کو نہ سمجھ سکا اور اپنی رو میں بولا۔ "ہاں جی' میں سات سال سے امریکیوں کی ڈیوٹی کررہا ہوں۔ ڈیوڈ صاحب تو کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہ رہ کر آدھا امریکی ہوگیا ہوں۔ دوسرے کا نام جمی ہے۔"

اسی وقت کاٹیج سے مزاحمت اور چیخ وپکار کی آواز آنے لگیں۔ غالباً حامد نے اندر جاتے جاتے شوفر کے الفاظ سن لیے تھے اور اندر روشنی ہوجانے کے سبب فوراً ہی پلنگ کے نیچے چھپے ہوئے امریکیوں تک پہنچ گیا تھا۔

سب کی نگاہیں کاٹیج کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اندرونی حصے سے وہ شور داد وفریاد اور گالیوں کا طوفان دھیرے دھیرے قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ پہلے ایک امریکی کسی سے دھکا کھا کر باہر آیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ دھکے کے زور میں وہ جہاں تک آئے' آگئے اور اڑیل ٹٹوؤں کی طرح وہیں جم کر کھڑے ہوگئے۔ وہ گردن گھما کر اپنے پیچھے آنے والے حامد اور اس کے ساتھی کو اونچی آوازوں میں مادرزاد گالیاں اور دھمکیاں دے رہے تھے۔

حامد نے کینچے سروالے کا بازو پکڑ کر اسے مزید آگے دھکا دیا۔ دوسرے کو بھی اسی طرح دھکیلنا پڑا۔ کشاں کشاں ان دونوں کو اول خان کے روبہ رو پہنچادیا گیا۔ اس وقت انہوں نے پہلی مرتبہ باہر کے منظر کا جائزہ لیا اور مسلح افراد کا گھیراؤ دیکھ کر ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ بار بار ادھر


Downloaded from https://paksociety.com

اُدھر دیکھ رہے تھے۔

گنجے امریکی نے جب زمین پر پڑے ہوئے شوفر کو دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ چل پڑی "سر.....! کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ یہ سارے مزدور ناکارہ اور بلاڈی ایڈیٹ ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ مقابلہ ہونے دیں لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ باری باری ہم پر ٹوٹ پڑے۔" شوفر نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اپنا مافی الضمیر ان دونوں پر واضح کردیا۔

وہ انتہائی خبیث شخص تھا۔ ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کررہا تھا۔ ایک طرف اول خان اور اس کے آدمیوں کی تعریف تھی تو دوسری طرف وہ اپنی مزاحمانہ کارکردگی بیان کرکے ان سے گویا داد کا خواہاں تھا۔

"ہمیں غیر ملکی سمجھ کر تم ظلم نہیں کرسکتے۔" بھورے بالوں والا دراز قامت امریکی گرجنے لگا "ہم زندے دار سرکاری اہلکار ہیں۔ ہمیں سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ ہم تم سب کی ایسی کی تیسی کرادیں گے....."

"ہوش میں رہو!" اول خان نے اسے لتاڑا "تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تو آپے سے باہر ہونے کی کوشش مت کرو....."

"یہ بتاؤ کہ تم میں سے ڈینی کون ہے!" گنجے نے اول خان کی بات کاٹ کر بے چینی سے سوال کیا۔

"حیرت ہے کہ تم اپنی روحوں پر سوار آسیب کو نہیں پہچانتے۔ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا ڈرائیور کیا آدمی ہے۔" اول خان نے کوئی بات ذہن میں آتے ہی یکایک پینترا بدل لیا۔

"ہم سے غرض نہیں تو ہمارے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں ہورہی ہے؟" گنجے نے حیرت اور ناگواری سے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کرشن کمار کی پناہ گاہ سے برآمد ہوئے ہو اور یہ خبیث آدمی تمہارا ڈرائیور ہے۔"

وہ دونوں چکرا کر رہ گئے۔ فوری طور پر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور پھر دراز قامت امریکی نے کہا "ہم یہاں اجنبی ہیں۔ شوفر ہی تفریح کے لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ یہ ہمارا خاص آدمی ہے اور ہم اس پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ اگر تم کو اس سے کوئی پرخاش ہے تو تم بے شک اسے روک لو۔ ہم مقامیوں کے کسی جھگڑے میں فریق بننا پسند نہیں کرتے۔ ہمیں واپس جانے دو۔"

شوفر وہ ساری گفتگو بہت غور اور سراسیمگی سے سن رہا

**********

## خودکار

اسٹاک ایکس چینج میں نیا خودکار نظام نصب کیا گیا تھا جس پر فون کرکے کسی بھی کمپنی کے شیئرز کی تازہ ترین قیمت معلوم کی جاسکتی تھی۔ ایک صاحب نے اس سسٹم کا نمبر ڈائل کیا تو فوراً ہی ایک ریکارڈ شدہ آواز سنائی دی "آپ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

جواب دینے سے پہلے ان صاحب کو چھینک آگئی۔ فوراً ہی ریکارڈ شدہ آواز ابھری "ڈسپرین بنانے والی کمپنی کے شیئرز کی قیمت چھ پیسے بڑھ گئی ہے۔"

**********

تھا۔ الفاظ اور فقرے شاید اس کے پلّے نہ پڑ رہے ہوں مگر وہ گفتگو کا پورا پورا مفہوم ضرور سمجھ رہا تھا کیونکہ باتوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بھی تیزی سے بدل رہے تھے۔ اپنے بارے میں دراز قامت کا خودغرضانہ فیصلہ سنتے ہی وہ احتجاجی آواز میں چیخ پڑا "مسٹر ڈیوڈ! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ میں ان لوگوں کے سامنے تمہاری ساری پول کھول دوں گا۔"

"شٹ اَپ' یُو بلیک ڈرٹی سوائن!" ڈیوڈ دانت پیس کر اس پر حقارت سے غرایا "یہاں تمہارے جھوٹ پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔"

"جھوٹ؟" شوفر کی آواز رہانسی ہوگئی "آج تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ یہاں آنے تک میں تمہارا سب سے چہیتا پاکستانی تھا جسے تم امریکا بلاکر انعام میں ایک بیوک کار دینا چاہتے تھے۔ میں نے تمہارے اشارے پر دو خون کیے۔ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے تمہارا جائز اور ناجائز حکم مانا اور اب تم بیچ منجدھار میں مجھے اپنی کشتی سے دھکا دے رہے ہو۔"

"تم بولتے رہو' یہاں تمہاری بات کوئی نہیں سنے گا۔" گنجے جمی نے بے پروائی سے کہا۔

اول خان وہاں مزید رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شدید فائرنگ کی آوازوں کے نتیجے میں گوٹھ کی آبادی میں اضطراب پھیلنا فطری تھا۔ باغوں میں ان کے دوست اور رشتے دار کام کرتے تھے۔ ان کے تحفظ کے لیے وہ جتھوں کی صورت میں باغات کا رخ کرسکتے تھے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے وہ اس

Downloaded from https://paksociety.com

علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ اصل مشن مکمل ہوتے ہی اسے دوسری فکروں نے آن گھیرا تھا۔

شوفر کے بارے میں اس کی محنت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ اس بدنصیب نے اپنی زبان سے دو افراد کے قتل کا اعتراف کرلیا تھا' ڈیوڈ اور جمی کے لیے اول خان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ اس کی نظروں میں وہ تینوں یکساں سلوک کے حق دار تھے۔ گوروں کے انجام کے بارے میں اس نے اسی وقت فیصلہ کرلیا جب اس نے حامد کو انہیں زخمی نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اس نے سلطان شاہ اور حامد کو قریب بلا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اول خان کی تجویز میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اس پر عمل درآمد کا فیصلہ ہوتے ہی مزدوروں کو فوری طور پر باغ چھوڑ کر اگلی صبح تک لیے اپنے اپنے گھروں کو جانے اجازت دے دی گئی۔ انہیں امان مل گئی تھی لیکن وہاں جو خوفناک فائرنگ ہوئی تھی' اس کی دہشت مزدوروں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اجازت ملتے ہی سب تیزی سے اپنے اپنے راستے پر ہولیے۔

اس کھیل کے دوران میں اول خان کا عملہ اپنے دوسرے کاموں سے غافل نہیں رہا تھا۔ دور کھڑی ہوئی گاڑیاں کانیج تک لائی جاچکی تھیں۔ میدان صاف ہوتے ہی حامد نے کسرتی جسم والے ایک شخص کے ساتھ مل کر اپنا کام شروع کردیا۔

گرین فارم میں بلاشبہ گولیوں کے بے شمار راؤنڈ فائر کیے گئے تھے لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس میں صرف ایک مزدور کا بازو زخمی ہوا تھا۔ آپس کے تصادم میں گارڈ کے فائر سے زخمی ہونے والے کی دلدوز چیخ محض اس کے خوف کا نتیجہ تھی ورنہ جلد کو چیرتا ہوا زخم کاری نہیں تھا۔

جو کام ایس ایل ایف کے اہلکاروں کی دھواں دھار فائرنگ سے نہیں ہوسکا تھا' اسے حامد اور اس کے ساتھی اپنے دست وبازو کی قوت سے انجام دے رہا تھا۔ پہلے مرحلے میں ان دونوں نے تیسرے گارڈ اور دونوں امریکیوں کو چشم زدن میں کرائے کے ہاتھ دکھا کر بے ہوش کردیا۔ گارڈز ہمارے لیے بے مصرف تھے۔ انہیں وہیں چھوڑ دیا گیا۔ شوفر سمجھا کہ اگلی باری اس کی ہوگی۔ وہ کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح شور مچانے لگا۔

سلطان شاہ نے اس کی کمر پر لات رسید کی اور کہا "ڈکرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم کو اپنے آقاؤں کو واپس لے جانا ہے۔"

وہ نوید سن کر شوفر کی جان میں جان آئی۔ حامد ڈیوڈ کو سیاہ کار کی پسنجر سیٹ پر اور اس کا ساتھی بے ہوش جمی کو عقبی نشست پر ڈال رہا تھا۔ اس کار کو درمیان میں لے کر ہمارا کارواں تیزی سے گرین فارم سے نکلتا چلا گیا۔ گاڑیاں وہاں سے جانے والے مزدوروں کے قریب سے گزریں تو انہوں نے پُرجوش انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر' اونچی آوازوں کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔ ذرا سی دیر میں باغات پیچھے رہ گئے۔ کچے کا سفر شروع ہوگیا۔

اول خان نے اپنے فیصلے کے نفاذ کے لیے خشک برساتی نالے کے قریب ایک ڈھلان کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ اس کے آثار نظر آتے ہی اول خان نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور اس نے لینڈ روور کی رفتار کم کردی۔

ڈھلان سے مناسب فاصلے پر سلطان شاہ نے جیپ روک دی۔ اس راستے کے بائیں جانب ایک گہرا خطرناک کھڈ تھا۔ اگلی گاڑی سے اول خان نیچے اترا' آخری گاڑی سے حامد اپنے ساتھی کے ہمراہ برآمد ہوا اور وہ تینوں لپک کر سیاہ کار کے قریب پہنچ گئے۔ شوفر راستے کی گرد سے بچنے کے لیے اپنی کھڑکی کا شیشہ چڑھائے بیٹھا تھا۔ گاڑیاں رک چکی تھیں مگر ٹائروں کا اڑایا ہوا گرد وغبار کا بادل فضا میں منڈلا رہا تھا۔ حامد نے شوفر کے قریب پہنچتے ہی اس کا دراوزہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔

"پائیدان سے پیکٹ اٹھادو۔" حامد نے پوری سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیور سے کہا۔

وہ اپنے قدموں میں پیکٹ ٹٹولنے کے لیے بے ساختہ اسٹیئرنگ پر جھکتا چلا گیا۔ حامد نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ہیڈ ریسٹ اور کھوپڑی کے درمیان مناسب فاصلہ پیدا ہوتے ہی اس نے ڈرائیور کی گدی پر کھڑی ہتھیلی کا ایک بھرپور تلوار کیا۔ چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ قاتل شوفر کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹا' اس نے پورے وجود کی جھرجھری کے ساتھ ایک ہلکی سی ہچکی لی اور اس کا سر بے جان ہوکر اسٹیئرنگ وہیل سے جا ٹکا' دونوں ہاتھ پائیدان پر جھولتے رہ گئے۔ حامد نے دوبارہ دروازہ بند کردیا۔

ڈرائیور پوری طرح ہوش میں تھا اس لیے سب سے پہلے اسے ٹھکانے لگایا گیا۔ دونوں امریکی بے ہوش تھے۔ ان کے سر آگے جھکا کر خاموشی اور سرد مہری کے ساتھ ان کی گردنیں بھی اسی طرح توڑ دی گئیں۔ اس اہتمام کے نتیجے میں میڈیکل رپورٹ ایک ہی کہانی سنا سکتی تھی کہ اچانک بریک لگانے یا سامنے سے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم

Downloaded from https://paksociety.com

کے نتیجے میں ان تینوں کی گردنیں ٹوٹیں اور وہ اسی لمحے واصل جہنم ہوگئے۔

اول خان نے سیاہ کار کا ہینڈ بریک چھوڑا اور اگنیشن میں لگی ہوئی چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ وہ گاڑی ڈھلان سے ذرا پہلے کھائی کے قریب رکی تھی پھر بھی حامد نے احتیاطاً اس کے اگلے ٹائروں کے آگے پتھر لگادیے تاکہ گاڑی آگے نہ لڑھک سکے پھر وہ الگ ہوگیا۔

اول خان کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے سلطان شاہ تیسری کوشش میں لینڈ روور کو مطلوبہ پوزیشن میں لانے میں کامیاب ہوگیا۔ اول خان نے آخری بار اسے ریورس میں بلا کر آخری مرحلے پر روک دیا۔ سلطان شاہ گاڑی کو دوبارہ آگے لے گیا۔ اس دوران میں پچھلی لینڈ روور کو سیاہ کار سے الگ اول خان کی گاڑی سے بھی آگے نکال لیا گیا تاکہ وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار نہ ہوسکے۔

پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اول خان لپک کر محفوظ فاصلے پر جاچکا تھا۔ اس بار سلطان شاہ کی لدی ہوئی لینڈ روور بہت تیزی سے غراتی ہوئی پیچھے کی طرف آئی۔ اس کا بایاں بمپر پُرشور آواز کے ساتھ سیاہ کار کے داہنے ہیڈ لیمپ اور گرل سے ٹکرایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیاہ کار تین لاشوں کے ساتھ مہیب دھماکے پیدا کرتے ہوئے گہرے کھڈ میں جاگری۔

سیاہ کار کی پیٹرول کی ٹنکی پھٹتے ہی بھن کی ایک آواز آئی اور چٹانی پتھروں پر آہنی باڈی کی رگڑ سے پیدا ہونے والی چنگاری نے شعلوں میں تبدیل ہوکر کھائی کے ساتھ قرب وجوار کے علاقے کو بھی روشن کردیا۔

اس وقت صرف اول خان باہر تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

اول خان کی جیپ آگے نکلتے ہی حامد والی گاڑی بھی برق رفتاری سے سرپرائی دے کی طرف دوڑنے لگی۔

دو انتہائی موذی دشمنوں کے ساتھ ایک مقامی قاتل کو کامیابی سے ٹھکانے لگایا جاچکا تھا۔ کرشن کمار بے ہوشی کی حالت میں اول خان کی گاڑی کے پچھلے حصے میں پڑا ہوا تھا۔ آئی بی والوں کی پوزیشن مخدوش کیے بغیر اسٹیشن فور کے سربراہ نے اپنے مقاصد حاصل کرلیے تھے۔

○☆○

گرین فارم کی حدود میں رائفل کا پہلا فائر ہوتے ہی مجھے آئی بی والوں کے ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو سے علم ہوگیا تھا کہ اول خان کی پارٹی منزل مقصود پر پہنچ کر اپنا آپریشن کرچکی تھی۔ مہم جوئی کا آغاز ہوتے ہی کے ون کے آدمی نے گرین فارم سے واپس دوڑ لگادی تھی۔ میں نے وقت کی کمی کی وجہ سے اس مہم کے بارے میں براہِ راست جلال سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی لیکن کے ون کی ہرات اس قدر واضح تھی کہ ہمیں فیصلہ کرنے ہمیں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

آئی بی والوں کی پالیسی کے مطابق ان کے کسی بھی آدمی کا گرین فارم کے قریب وجوار میں پایا جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کے ون کا آدمی مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ دو لینڈ روورز کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہاں کوئی بڑی کارروائی ہونے والی ہے۔ ایسے میں وہ کسی بھی فریق کی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن کر زخمی ہوجاتا تو اس کے لیے اپنے دوسرے ساتھیوں تک پہنچنا بھی دشوار ہوجاتا۔

وہ لوگ گرین فارم سے بہت دور تھے اور ان کا تیسرا ساتھی بھی وہاں سے لوٹ رہا تھا۔ وہ لوگ وقفے وقفے سے جو رپورٹیں دے رہے تھے، ان سے مجھے صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ مقابلے میں کس فریق کا پلہ بھاری تھا۔ ویرانے میں ہونے والی زبردست فائرنگ کی گونج، رات سناٹے میں گوٹھ تک سنائی دے رہی تھی اور کے ون کے ساتھی اپنے تجربے کی بنا پر اسے بتا رہے تھے کہ مقابلے میں کس کس نوعیت کے ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔

پھر یہ خبر بھی مل گئی کہ دونوں گاڑیاں تیزی کے ساتھ کراچی لوٹ رہی تھیں۔ میں نے کئی بار اول خان کے موبائل فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ ہر بار ریورٹنگ سنائی دے رہی تھی کہ مطلوبہ فون بند تھا۔ تھک ہار کر میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔

آدھی رات کے بعد مجھے اول خان کا پہلا پیغام وصول ہوا۔ وہ کرشن کمار کو لے کر کامیابی سے اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا اور مجھے وہاں بلا رہا تھا۔

کرشن کمار کا خطرہ جڑ سے ختم ہوچکا تھا۔ دونوں عورتیں گھر کو چھوڑ کر میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن اس کے خلاف غزالہ اور ویرا کی نفرت اس قدر گہری تھی کہ وہ دونوں پہلی فرصت میں اسے اس کی جسارتوں کا مزا چکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ان کے اصرار کے پیش نظر مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ذرا سی دیر میں تیار ہوکر ہم تینوں اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

**انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے**


Downloaded from https://paksociety.com

تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اولی خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اولی خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اولی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے اپنی تو تفصیلات کے بجائے بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھمکی راج سے بھی متعارف کرایا۔ بخشی کا رجل' جمال دستی کافی ذہین جانا جاتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر تعین آگیا۔ اولی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دبئی فرار ہوگیا۔ بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اکسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں وہ کرایہ ان کے خلاف سازشوں میں معروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اولی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اس دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیٹی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے ظہیر نامی شخص کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خود کشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد مین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منفور نظر طوائف کو بھگا کر پنجاب لے گیا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعدد اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آپریشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آپریشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوپ رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے یوپ رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوپ رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر وہ اپنے حلیے' حیلہ و مذہبی اور اسے ملنے والے عجیب و ملن تکنیکی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں یوپ رائیل نے اپنی گھوٹالا سی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا روانہ ہوگیا۔ اکرم الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فوروٹ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی پاپندیدہ مگر میں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی سے متصرف ہونے کے بعد ہم نے فائل کا مطالعہ کیا۔ اکرم الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام فنگر ٹیف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر ہوا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے ہنیل چوہدری کے حوالے سے ملانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد فنگر ٹیف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد فنگر ٹیف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد فنگر ٹیف نے ہماری تحویل میں خود کشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسیح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچ رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر راکٹ لانچر سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں ہمارا ڈرائیور اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے گھر کا سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر مٹر گشت کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور وہ ہمارے یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر وہ ہمارے ہی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنے کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ [illegible] گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا پورا ریکارڈ مجدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم اس کے گھر پہنچے' اس نے بتایا کہ وہ خود اپنی کمپنی کی کار کی گمشدگی سے پریشان ہے تاہم اس نے یہ بھی کہا کہ اس معاملے میں اس کا بھائی روی زیادہ بہتر طور پر معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اپنے گھر کے سامنے ایس پی ایف کی گاڑی کو دیکھ کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم ایک مرتبہ پھر ناامید ہوئے تھے۔ اس وقت اس کی ہونہار سال اور خوب رو بیوی ماروی نے اپنی انا کی بلندی کی خاطر مجھ سے روی کی زندگی اور اپنے ساتھ چند خوش گوار لمحات گزارنے کے عوض ہمیں کرشن کمار کا ٹھکانا بتانے کی پیشکش کی۔ تھوڑے سے پس و پیش کے بعد بھی یہ سودا کرنا پڑا۔ اس نے بتایا کہ کرشن کمار کراچی کے مضافاتی علاقے سمین گوٹھ کے گرین فارم میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق آئی بی والوں نے بھی کردی۔ فارم میں دو امریکیوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے وہاں کار روائی کا فیصلہ کیا اور فارم میں کام کرنے والے محنت کشوں کی مدد سے ایک مختصر مقابلے کے بعد وہ سب ہمارے ہاتھ آگئے۔ دونوں امریکیوں اور ان کے ڈرائیور کو موقع پر ہی ختم واصل کردیا گیا اور کرشن کمار کو تحویل میں لے کر اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اس خبر نے ویرا اور غزالہ کو بے چین کردیا۔ یہ وہ اس سے مل کر اسے اس کی جارحانہ کی سزا دینا چاہتی تھیں۔ ہم اسٹیشن فور روانہ ہوگئے۔

اب آپ مزید دلچسپ واقعات ملاحظہ کیجیے

کرشن کمار ہوش میں آچکا تھا۔ اس وقت اس کے گورے چٹے چہرے پر یرقان کی سی زردی چھائی ہوئی تھی۔ گرین فارم سے اسے پکڑنے میں طاقت کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔ بس اس کی ایک رگ پر نپا تلا وار کرکے اس کے دماغ کو اندھیروں کی دھند میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اس بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد اس نے خود کو بالکل مختلف صورتِ حال سے دوچار پایا تھا۔ اس تبدیلی پر اس کے پورے وجود سے تشویش اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے پھٹے [illegible] خشک کپڑے بتا رہے تھے کہ وہ کافی [illegible] چکی تھیں۔

وہ ایک تیز روشن کمرے کے وسط میں آہنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی باچھوں پر جمے ہوئے خون پر پہلی نگاہ پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی نیولے کا انسانی روپ رہا ہو اور تھوڑی ہی دیر پہلے کسی ناگ کا پھن چبا کر بیٹھا ہو۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے' آگے جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس کی تپسس نگاہیں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور آپس میں پھنسی ہوئی انگلیاں مضطرب انداز میں [illegible] لگیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان سب سے آگے تھا' اس کے پیچھے غزالہ اور ویرا تھیں۔ آخر میں' میں سلطان شاہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں عورتوں پر نگاہ پڑتے ہی کرشن کمار کی آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔

"سفید نیولے!" ویرا کے ہونٹوں سے قہر میں ڈوبی ہوئی تیز آواز ابھری "تیری رسّی بہت دراز رہی۔ آخر کار آج تو ہمارے جال میں آ ہی گیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہاں تجھے بچانے کے لیے کون آتا ہے!"

"نہیں' تم میرے قریب نہیں آؤ گی۔" ویرا کے خطرناک تیور بھانپ کر کرشن کمار نے بہت پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ویرا ہوا میں اڑتی ہوئی' اپنے جوتوں سے اس کے چہرے پر کاری ضرب لگائے گی۔ اس نے جگہ چھوڑنے کے ساتھ' نیچے جھک کر اپنے چہرے کو ویرا کی زد سے بچانے کی اضطراری کوشش کی مگر ویرا ان فنون میں پوری طرح طاق تھی۔ اس نے کرشن کمار کے قدموں کی حرکت دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ کدھر جائے گا اور کس طرح جھکائی دے کر اس کے وار کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت ویرا سے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو نہ صرف اس کا وار خالی جاتا بلکہ وہ فضا میں کئی فٹ کی بلندی سے' پشت کے بل فرش پر گرتی اور اپنی کوئی نہ کوئی نازک ہڈی تڑوا بیٹھتی۔ اس نے فضا میں اڑتے ہوئے' اپنے لچکیلے بدن کو جنبش دی اور پھر اس کی دونوں لاتیں پوری قوت سے' کرشن کمار کے جھکے ہوئے چہرے سے جا ٹکرائیں۔

کرشن کمار ایک بے ساختہ چیخ مار کر کئی فٹ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ویرا نے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر فضا میں الٹی قلا بازی کھائی اور اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی۔

ویرا کے چرمی جوتوں کی ایڑیاں زیادہ اونچی نہیں تھیں مگر وہ بہرحال زنانہ جوتے تھے۔ پہلے ہی وار میں کرشن کمار کا پورا چہرہ خون اگلتی ہوئی لکیروں سے داغ دار ہو گیا۔

وہ خاصے توقف کے بعد خاموشی سے اٹھا ہی تھا کہ غزالہ نے بڑھ کر اس کے گھٹنوں کے پیچھے پوری قوت سے لات رسید کی۔ اس کے گھٹنے دہرے ہو گئے اور پشت کے نچلے حصے کے بل اچانک فرش پر آ رہا اور پھر ماہیٔ بے آب کی طرح' فرش پر ہی تڑپتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر جمے ہوئے تھے۔ اس کے خون آلود چہرے پر نظر آنے والی کرب ناک علامتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے لیے غزالہ کا وار زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی کے کسی مہرے نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

"ہمالا کی بلندیوں سے بحیرہ عرب کی گہرائیوں تک اکھنڈ بھارت بنے گا اور وہ دن دیکھنے کے لیے ہم زندہ نہیں رہیں گے!" ویرا نے سفید نیولے کی نقل اتارتے ہوئے زہریلے لہجے میں اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔

"چوہوں کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

کرشن کمار نے فرش پر پہلو بدلتے ہوئے' اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "تم رہو یا نہ رہو' میں رہوں یا نہ رہوں' وقت اور تاریخ کا بے رحم پہیہ اپنا سفر اپنی رفتار سے جاری رکھے گا۔ اس کے راستے میں آنے والے پیوندِ خاک ہوتے چلے جائیں گے۔ تم میری بات اپنے ذہنوں میں یا کہیں اور لکھ کر رکھ لو۔"

وہ چند لمحوں میں بری طرح پٹ چکا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے لیکن اپنے مشن کے بارے میں اس گرگ باراں دیدہ کا ذہن خطرناک حد تک صاف تھا۔ وہ اس حالت میں بھی اپنے عزائم کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا تھا۔

اول خان کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے اور وہ غرایا "کتے کے بچے! گرین فارم پر اور پھر یہاں بھی تو اپنی زندگی کی امان چاہ رہا تھا۔ ہمارے ہر سوال کا جواب دینے پر آمادہ تھا۔ اب چار آدمیوں کے سامنے آنکھیں دکھا رہا ہے۔"

کرشن کمار نے اپنے دونوں ہاتھوں اور کہنیوں کا سہارا دے کر اپنی پشت کے مضروب حصے کو فرش سے قدرے اوپر اٹھایا پھر اس کے خون میں بھیگے ہوئے ہونٹوں پر ایک کرب آلود مگر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی "اس وقت تک مجھے اپنی قسمت کے بارے میں تھوڑی سی خوش فہمی تھی۔ اب میں تم سب کو پہچان چکا ہوں۔"

"تم زندگی کے طلب گار ہو' ہم معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "اپنی زبان کھول کر تم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہو۔ تمہیں ہر طرح سے امان دی جائے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ میں بولوں یا خاموش رہوں' اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تبدیلی آ جائے گی!" سلطان شاہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری بات پر اسی وقت اعتبار کروں گا جب تم ڈیوڈ اور جمی کو میرے سامنے لے آؤ گے۔ میری طرح وہ بھی تمہاری جان کے دشمن تھے اگر وہ زندہ ہیں


Downloaded From https://paksociety.com

تو شاید میں بھی زندہ رہ سکوں۔"

"ہمیں ان سے جو کچھ اگلوانا تھا' وہ گرین فارم میں اگلوالیا تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "وہ دونوں ایف بی آئی کے ایجنٹ تھے۔ ہم اس وقت دو محاذوں پر لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کو اسی ویرانے میں چھوڑ دیا گیا۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا' ڈینی اور ویرا کے اصل دشمن وہی تھے۔ میں تو اتحاد کی رقم لے کر ان کا انفارمر بننا چاہ رہا تھا۔ اب تک تم بھی جان چکے ہوگے کہ وہ سارے معاملات طے کرنے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔"

"ان سے تم موبائل فون پر سب معاملات طے کرسکتے تھے۔ اس کے لیے انہیں میمن گوٹھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟" اس بار سلطان شاہ اس سے بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"وہ را کے ایجنٹ سے نہیں' آئی انفارمر سے ملنے آئے تھے۔" اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ فخر کے اظہار کے جذبے پر قابو نہ پاسکا۔ "پیشگی رقم لے کر ایک انفارمر سے مذاکرات کرنے آئے تھے۔ رقم فون کے ریسیور سے باہر نہیں آسکتی تھی اس لیے مجھے ان کو گرین فارم بلانا پڑا اور تم لوگ ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔"

"وہ دونوں ہماری تحویل میں نہیں ہیں۔" میں نے فرش پر پڑے ہوئے سفید نیولے کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس ہماری کہی ہوئی ہر بات پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"وہ نہیں ہیں تو مراد ظریف ہی کو لے آؤ۔ اسے تم لوگوں نے اغوا کیا تھا۔" اس نے مطالبہ کیا۔

"تم اپنی اور صرف اپنی بات کرو۔" میں نے درشتی سے کہا۔ "ہمارا ہوا دشمن زندگی کی بھیک مانگ سکتا ہے۔ اس کے سوا اسے کوئی اور حق حاصل نہیں ہوتا۔ تم کھیل کا یہ اصول نہیں جانتے تو بدترین موت کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"ہر بات چھپانے پر تلے ہوئے ہو تو مجھے صرف ایک بات بتا دو۔ صرف ایک بات!" وہ قدرے توقف کے بعد گڑگڑایا۔

"جلدی پوچھ ڈالو مگر ضروری نہیں کہ تمہیں اس کا جواب بھی دیا جائے۔" میں نے کہا۔

"تم گرین فارم میری تلاش میں آئے تھے یا امریکیوں کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے؟"

"ہمیں صرف اور صرف تمہاری تلاش تھی۔ آج کل امریکیوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"تمہیں میمن گوٹھ کا سراغ کیسے ملا؟" اس نے کراہتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا "تمہیں صرف ایک سوال کی اجازت دی گئی تھی۔"

"نہیں... تمہیں اس سوال کا جواب بھی ملنا چاہیے۔ تمہارے ٹھکانے کی نشان دہی ایک ایسی ہندو عورت نے کی تھی جسے مسلمان مرد بہت پسند ہیں۔" میں نے اس کے وجود میں بغض و حسد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے کہا۔

وہ کتنا ہی گھاگ' مضبوط اور اپنے مشن سے مخلص رہا ہو مگر آخر کار ایک انسان بلکہ جنونی ہندو تھا۔ میرے الفاظ سنتے ہی اس کی آنکھوں میں خون سا اتر آیا اور وہ اپنی بے ساختہ کراہوں کو ضبط کرکے غصے اور بے بسی سے بولا "یہ وہی کنجری ماروتی ہوگی' اسی کو مسلمان مرد بہت مرغوب ہیں۔ اس نے اپنی ضرورت کی حد تک روی کو بھی مسلمان بنایا ہوا ہے۔ روی پر اعتماد کرتے ہوئے میں یہ نکتہ بالکل بھول گیا تھا کہ وہ ماروتی کا زن مرید شوہر ہے اور راز کی ہر بات اسے ضرور بتا دیتا ہے۔"

"مگر ماروتی اتنی شوہر پرست نہیں ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں اسے ایک اور چرکا لگایا "وہ اپنے رازوں میں روی کو شریک نہیں کرتی۔" ویرا نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر مجھے آنکھ ماری اور پھر اپنی بات جاری رکھی "ڈینی نے اسے اچھی طرح پرکھا اور برتا ہے۔ تم چاہو تو اس سے ماروتی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہو۔ تم اس لے دے دیدہ نیولے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ تم لوگوں کے ہاتھوں سے بچ گیا تو اسے ایسی موت ماروں گا کہ آئندہ ہماری کوئی عورت کسی مسلمان مرد کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کانپ اٹھے گی۔" وہ غصے اور جنون میں چند لمحوں کے لیے اپنی تکلیف کو بھول گیا۔

"ایسی ناممکن باتیں سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔" ویرا بولی۔

"جو بات مجھے پہلے سے معلوم ہے اسے بار بار دہرا کر مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ تم مجھے مار دو' میں دوسرے جنم میں تم سے انتقام لوں گا۔"

"دوسرا جنم!" ویرا نے استہزائیہ قہقہہ لگایا "آواگون کے نظریے میں ذرا سی بھی جان ہے تو تم اپنے اگلے جنم میں ٹچکاریاں مارتی ہوئی چھچھوندر یا نیولے کے روپ میں

Downloaded from https://paksociety.com

ا ہو گے۔ تمہیں دم سے پھرا کر فرش پر مار دیا جائے گا۔"

"مجھے ایک گلاس پانی دے دو۔" کرشن کمار نے فرش سے اٹھنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد فریاد کی۔

"اس کے حلق میں اس سمندر کا کھارا پانی اتارنا چاہیے جہاں اس کے اکھنڈ بھارت کی دوسری سرحد ختم ہوتی ہے۔" ویرا نے یکایک گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے تجویز پیش کی پھر کہا "اب تم سب باہر چلے جاؤ۔"

"کہاں؟" سلطان شاہ ویرا کی اس انوکھی ہدایت پر حیران ہو کر بولا۔

"کہیں بھی۔" ویرا نے کہا "کچھ دیر کے لیے تم چاروں کہیں بھی چلے جاؤ۔ میں تخلیے میں اس سفید نیولے سے اپنا حساب بے باق کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس کے لیے ہمیں کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' اس پر عمل کرو۔" ویرا براہِ راست اسی سے مخاطب ہو کر سختی سے بولی "یہ ہندو ہے اور میں لبرل کرسچین۔ یہ میرا مجرم ہے۔ اس نے میرے گھر میں گھس کر میری توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس سے جو انتقام لوں گی' وہ شاید تمہاری طبیعتوں کو مکدر کردے۔ تم چاروں مسلمان ہو' خاموشی سے باہر چلے جاؤ۔"

پتا نہیں وہ کیا کہنا اور کر گزرنا چاہ رہی تھی۔ اس کا لب ولہجہ یکایک اتنا تند ہو گیا تھا کہ میں مذاہب کے حوالے سے اس سے کوئی سوال نہیں کر سکا۔ اس کا کوئی ٹیڑھا جواب ہمارے درمیان بدمزگی پیدا کر سکتا تھا۔

"کچھ معلوم تو ہو کہ تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہ رہی ہو!" اول خان نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"واپس آؤ گے تو تمہیں خود علم ہو جائے گا۔" ویرا نے ترشی سے کہا "اب وقت برباد نہ کرو۔"

ویرا کے ذہن میں یقیناً کوئی شیطانی خیال سما چکا تھا۔ اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اور پھر ہم چاروں سر جھکا کر وہاں سے نکل گئے مگر اس گارڈ روم سے زیادہ دور نہیں گئے۔

"اس وقت وہ زخمی اور بے بس ہے' اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" اول خان نے قدرے بلند آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھایا۔

اچانک کمرے سے ایسی آوازیں ابھرنے لگیں جیسے کرشن کمار کے پیٹ میں شدید مروڑ اٹھ رہے ہوں۔ اسے زور سے ابکائی آ رہی ہو۔

"میں اپنے دشمن کو کبھی پیاسا نہیں مارتی۔" وہ ویرا کی غراتی ہوئی' وحشیانہ سرگوشی تھی۔ شاید جوشِ انتقام میں اسے اندازہ نہیں رہا تھا کہ اس کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

پھر اندر سے اٹھا پٹخ اور ہڑبونگ کی آوازیں آئیں جو کرشن کمار کی ایک بے ساختہ اور لرزہ خیز چیخ میں بدل گئی۔

چند ثانیوں بعد ویرا کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے دونوں ہاتھ خون آلود تھے' داہنے ہاتھ میں خون سے لتھڑا ہوا چاقو تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے ہاتھ اور چاقو کا پھل یوں صاف کرتی ہوئی برآمد ہوئی تھی جیسے وہ بہت گندا خون ہو۔

کرشن کمار کی گالیاں اور چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ فرش پر اس کے بدن کے اچھلنے اور گرنے کی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا کی دی ہوئی نئی سزا نے اسے ٹوٹی ہوئی کمر کا درد بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اب وہ تڑپ تڑپ کر تھوڑی دیر میں خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔" ویرا نے سرد اور سپاٹ آواز میں اعلان کیا۔

رات کے گھور اندھیرے اور گہرے سناٹے میں دور دور تک گونجتی ہوئی ان چیخوں میں چند منٹ بعد ہی نقاہت غالب

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
ایک کیمیاگر کی داستانِ شوق
جو مقصد کی تلاش میں دربدر پھرتا رہا
مقدور
مصنف
اقلیم علیم
داد
صفدر علی
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہمیں خط لکھیں
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱




Downloaded from https://paksociety.com

آنے لگی۔ ہم پانچوں گارڈ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی کے انعکاس میں' تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے رہے۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اچھی طرح صاف کرکے چاقو بند کیا اور اپنے بیگ کی اگلی جیب میں ڈال لیا۔ خون آلود دوپٹا اس نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔

میں آہستگی سے گارڈ روم کی طرف بڑھا تو ویرا نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

کمرے کے فرش پر کرشن کمار کسی گٹھڑی کی طرح سمٹا ہوا پڑا تھا۔ اس کے گھٹنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے' ہاتھ ان کے درمیان تھے اور چہرہ گھٹنوں میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی' حلق سے خود کار انداز میں نقاہت زدہ کراہیں آزاد ہو رہی تھیں اور اس کے جسم کے گرد' دور تک خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جسم سے بہت تیزی کے ساتھ خون بہنے کی وجہ سے وہ کسی بھی لمحے زندگی کی ہر کشمکش اور باز پرس کے جھمیلوں سے آزاد ہونے والا تھا۔ اس کے بدن کی مڑی تڑی ہوئی حالت دیکھنے کے بعد میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ویرا نے اپنے تیز دھار چاقو سے اس کے جسم کے کس حصے کو نشانہ بنایا ہوگا۔

ویرا نے کرشن کمار کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے درندگی کی انتہا کردی تھی۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ مرجانے کے بعد ہر شخص محض ایک لاش ہوتا ہے اور کوئی لاش دوسروں کو اپنے آخری لمحوں کی کہانی سنانے کے قابل نہیں رہتی جسے سن کر دوسرے عبرت حاصل کرسکیں۔

فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چہیتوں کے علاوہ کرشن کمار کے بقیہ ساتھی ایک ایک کرکے منظرِ عام سے ہمیشہ کے لیے غائب ہوتے چلے آئے تھے۔ ان میں اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد تیسرا اہم شکار مراد ظریف تھا لیکن کرشن کمار کی موت کا منظرِ عام پر آنا ضروری تھا۔

وہ مستند طور پر را کے کمانڈو گروپ سے وابستہ تھا۔ صحرائے تھر کی ریگستانی بستیوں میں شاید اس نے کچھ نیک نامی کمائی ہو ورنہ اس کی تخریبی سرگرمیاں کھلے راز کی طرح تھیں۔ سرحدی علاقے میں مسلح جتھوں کے لیے تربیتی کیمپ کا معاملہ علاقے کے باسیوں سے کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میجر بخشی اور اس کے ساتھیوں کی طرح کسی سفارتی آڑ یا تحفظ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین پر موجود نہیں تھا۔ وہ دہشت گردی' تخریب کاری اور سازشی مقاصد کے لیے خفیہ طور پر پاکستان آیا تھا۔

اس کی لاش کی تشہیر پر راوالے محض انگاروں پر لوٹ کر رہ جاتے' ان کی حکومت سرکاری سطح پر احتجاج کا ایک لفظ بھی بلند نہیں کرسکتی تھی۔

"وہ مرنے میں کتنا وقت لے گا۔" میرے قریب پہنچنے پر سلطان شاہ نے بے رحمی سے پوچھا۔

"اسے مرا ہوا ہی سمجھو۔ اس کا انجام یہی ہونا تھا لیکن ویرا نے اس کام میں کچھ زیادہ ہی تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "وہ اپنی ہٹ دھرمی کے باوجود باتوں ہی باتوں میں بہت کچھ اگلتا جارہا تھا۔"

"یہاں تک جو کچھ ہونا تھا' ہوتا چلا گیا۔" اول خان نے زبان کھولی "اس کے مرنے کے بعد جو دشواریاں کھڑی ہوں گی' ان کو سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوگا۔"

"کرشن کی موت سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوگی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "اصل معاملہ ڈیوڈ اور جمی کا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ ان کی موت پر امریکی کس ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔"

"ہمیں سر جوڑ کر ان پہلوؤں پر غور کرلینا چاہیے۔" اول خان نے قدرے تشویش سے رائے دی "میرا خیال ہے کہ کرشن کمار کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیے دیتا ہوں تاکہ ہم دفتر میں بیٹھ کر سارے پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں۔"

"دفتر نہیں' اب گھر چلنا چاہیے۔" ویرا نے کہا۔ "میرے ہاتھ ابھی تک اس کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ میں جب تک گھر جاکر اس گند سے نجات حاصل نہیں کرلوں گی' مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

"اسٹیشن فورپر غسل خانوں کی سہولت موجود ہے۔ تم کئی دن یہاں رہ چکی ہو۔" اول خان نے اسے یاد دلایا۔

"مجبوری ہو تو بہت کچھ چل جاتا ہے' اس وقت گھر جانا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔"

"کرشن کمار تمہارا اکلوتا قیدی تھا۔" میں نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اس کے مرجانے کے بعد یہاں ایسا کون سا اہم کام باقی رہ جائے گا جس کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہو؟"

اول خان لاجواب ہوگیا۔ اپنا کام پورا کرلینے کے بعد اسے بھی اپنے گھر جانا تھا۔ بہتر یہ تھا کہ ہم راستے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے اپنے گھر چلتے اور اول خان تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد اپنے گھر چلا جاتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہم اپنی گاڑی سے وہاں پہنچے تھے۔ اول خان کو اپنی سرکاری لینڈ روور سے گھر لوٹنا تھا۔ میمن گوٹھ کی مہم میں اس نے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ یوں وہ دونوں ہی ان واقعات کے عینی شاہد تھے۔ طے یہ ہوا کہ سلطان شاہ ہماری گاڑی میں دونوں عورتوں کو لے جائے گا' میں اول خان کے ساتھ وہ سفر طے کروں گا۔

حامد اپنے چند آدمیوں کے ساتھ قریب ہی موجود تھا۔ اول خان نے اسے بلا کر کرشن کمار کے بارے میں مختصر سی ہدایات دیں۔ ان لوگوں کو اس کی موت کے بعد ہماری آخری ہدایات کا انتظار کرنا تھا اور پھر ان ہی کے مطابق اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ مجھے درمیان کی بہت سی باتوں کا علم نہیں تھا مگر پھر بھی میں اپنا ذہن بنا چکا تھا کہ کرشن کمار کی لاش کا میجر بخشی کے گھر کے آس پاس پایا جانا ہمارے وسیع تر مفاد میں ہو سکتا تھا۔ وہ لاش بھارتی قونصل خانے میں موجود را کے ایجنٹوں کے لیے موثر پیغام ثابت ہو سکتی تھی۔

واپسی کے سفر میں اول خان نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی بے جا ضد کی وجہ سے میں اس مہم میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لیے اس کی کہی ہوئی ہر بات کو ذہن نشین کرتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میرے ذہن میں سوالات جمع ہو چکے تھے۔

"کیا تمہیں کرشن کمار کی اس بات پر یقین آگیا ہے کہ جمی اور ڈیوڈ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ اپنی دانست میں ایک خفیہ مخبر سے ملاقات کے لیے میمن گوٹھ پہنچے تھے؟" میں نے پہلا سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔" وہ ذہنی طور پر میرے اس سوال کے لیے تیار تھا "اگر کرشن کمار کے اس موقف کو رد کر دیں تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان دونوں نے اتنی رات گئے کراچی سے نکل کر میمن گوٹھ جانے کا خطرہ کیوں مول لیا؟ انہیں علم ہوتا کہ وہ را کے ایجنٹ سے کوئی سودے بازی کر رہے ہیں تو وہ کسی بھی طرح دباؤ ڈال کر اسے اپنے کسی ٹھکانے پر آنے پر مجبور کر دیتے۔"

"کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی کہ وہ ایک اجنبی مخبر کی فون کال پر اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر میمن گوٹھ کی طرف دوڑ پڑے؟ آج بھی انہیں سرکاری طور پر بہت محتاط نقل و حرکت کی ہدایات ملی ہوئی ہیں۔"

"بات عجیب ضرور ہے مگر ناقابل فہم نہیں ہے۔" اول خان نے جواب دیا "تمہارے پہنچنے سے پہلے بھی ہم کرشن کمار سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ تمہاری اور رویرا کی ذات میں امریکیوں کی گہری دلچسپی کا کمال تھا کہ وہ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر وہاں پہنچ گئے۔ پے در پے منہ کی کھانے کے بعد اگر وہ بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ تم دونوں کو یا تم میں سے کسی ایک کو پکڑ کر پاکستان سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تو اندازہ لگاؤ کہ کیا پوزیشن ہوتی! بس یہی خوش گمانی انہیں لے ڈوبی۔"

"کراچی کی حدود سے نکل کر وہ سیدھے گرین فارم کیسے پہنچ گئے؟" میں صورت حال سے مطمئن نہیں تھا۔

"یہ کارنامہ ان کے خبیث شوفر کا تھا جو بعد میں دو افراد کے قتل کا اقبالی مجرم ثابت ہوا۔ وہ کراچی کے مضافاتی علاقوں سے بڑی حد تک واقف تھا۔ فون پر ڈیوڈ سے بات ہونے کے بعد کرشن کمار نے شوفر کو گرین فارم پہنچنے کا راستہ سمجھایا تھا۔"

"ڈیوڈ سے پہلے کرشن کمار نے ہمیں بھی فون کیا تھا۔ وہ موبائل فون استعمال کر رہا ہو گا۔"

"ہاں' اور ان دونوں کے پاس بھی اپنے اپنے موبائل فون تھے۔" اول خان بتانے لگا "اپنی دانست میں وہ پوری تیاری کے ساتھ گرین فارم پہنچے تھے وہاں پہلا فائر ہوتے ہی انہوں نے کراچی میں اپنے بڑوں کو حالات بگڑنے کی خبر دے دی تھی۔ میرے ذہن میں یہ خطرہ شروع سے موجود تھا۔ ان دونوں کے پاس فون نہ ہوتا تب بھی مجھے معلوم تھا کہ کرشن کمار کے پاس فون کی سہولت موجود ہے۔ میں نے ابتدا سے ہی طے کر لیا تھا کہ تصادم کا آغاز ہونے کے بعد جلد از جلد بساط لپیٹنے کی کوشش کی جائے گی اور ہم اس میں کامیاب بھی رہے۔"

اول خان اپنی کامیابی پر کسی حد تک نازاں تھا مگر اس بات نے مجھے فکر مند کر دیا کہ ڈیوڈ اور جمی اپنے بڑوں کو گڑبڑ سے باخبر کر چکے تھے۔ دونوں امریکیوں میں سے کسی نے اس امر کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ کراچی میں کسی سے رابطہ کر چکے تھے مگر کرشن کمار نے اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں پہنچنے کے بعد دھمکی دینے والے انداز میں انکشاف کیا تھا کہ امریکی اپنے افسران بالا کو اعتماد میں لے چکے تھے اور ان کے حمایتی پولیس فورس کی مدد سے کسی بھی لمحے حالات کا پانسا اپنے حق میں پلٹ سکتے تھے۔

وہ خبر باہر نکل ہی گئی تھی تو امریکیوں کی حادثے میں ہلاکت کا ڈراما بہت کمزور ہو سکتا تھا۔ فارم کے ملازمین بہت آسانی سے اگل دیتے کہ وہاں کیا واقعات رونما ہوئے تھے۔ امریکیوں سے ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی ہو گی اس لیے

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ تینوں گارڈز سے بھی اس بارے میں کسی اہم انکشاف کی توقع نہیں تھی۔

اول خان کو یہ یاد نہیں تھا کہ تیسرے گارڈ کو پہلے بے ہوش کیا گیا تھا یا اس سے پہلے امریکیوں کی باری آئی تھی۔ اگر اس اہم نکتے کو نظرانداز کردیا جاتا تھا تو کہانی میں جان پڑسکتی تھی۔

ان تمام واقعات میں دو باتیں بہت بہتر ہوئی تھیں۔ امریکیوں کو ایسے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا کہ ان کے جسموں پر تشدد کی کوئی علامت نظر آتی اور دوسری بات یہ تھی کہ دور دور سے فائرنگ کا تبادلہ ہونے کے سبب کوئی گولی کانچ کے باہر کھڑی ہوئی امریکیوں کی گاڑی میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ماہرین بھی جلی ہوئی کار کے ڈھانچے کا معائنہ کرکے گولی کا کوئی سوراخ دریافت نہیں کرسکتے تھے۔

اگر وہ تینوں نکتے درست تھے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ نامعلوم افراد سے تصادم شروع ہونے کے بعد، کوئی نقصان اٹھانے سے پہلے، امریکیوں کو گرین فارم سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ کچا راستہ ڈرائیور کے لیے اجنبی تھا۔ اپنے آقاؤں کو اصل خطرے سے بچالے جانے کے بعد وہ دہشت اور گھبراہٹ کے باعث اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا اور کچے راستے پر سامنے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم کے نتیجے میں امریکیوں کی گاڑی اپنے تینوں مسافروں سمیت کھائی میں گر کر جل اٹھی۔

تصادم کے بارے میں ایس ٹی ایف سمیت کسی ایجنسی کو کوئی ذمّے داری لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ زرعی زمینوں اور فارموں پر پرانی رنجشوں کی بنا پر ایسے جھگڑے ہوتے ہی رہتے تھے۔ اس "افسوس ناک" واقعے کو بھی ایسی ہی کسی شرپسندی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا تھا۔

یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کراچی کے گردونواح میں ان دنوں بدقسمتی نے امریکیوں کا گھر دیکھ لیا ہو۔ باب رافیل کے واقعے کی گرد پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ گرین فارم کا قضیہ سامنے آگیا تھا۔

امریکیوں کے لیے یہ وضاحت کسی بھی طرح آسان ثابت نہ ہوتی کہ سخت احتیاطی ہدایات کے باوجود دو امریکی اہلکار رات کی تاریکی میں اس ویرانے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔

باب رافیل خوش نصیب تھا کہ کراچی کے ایک بھرے پرے ہوٹل میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود مناسب سزا سے بچ گیا تھا اور اعلیٰ ترین امریکی سطح سے صدارتی معذرت یا مداخلت کے بعد رہا ہوکر اپنے ملک واپس بھیج دیا گیا تھا جبکہ ڈیوڈ اور جمی کو کوئی چھتری میسر نہیں آسکی تھی۔ وہ دونوں پکڑے گئے اور ذرا سی دیر میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچادیے گئے۔

پیشگی اطلاع دیے بغیر ایسے ویرانوں میں پراسرار سرگرمیوں کے لیے بھٹکنے والے سفارتی ملازمین کے تحفظ کے بارے میں کسی بھی پیمانے سے مقامی حکومت کو ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

گھر پہنچنے تک، گرین فارم پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں میرا ذہن بالکل صاف ہوچکا تھا۔ مجھ سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد اول خان خود کو ہلکا اور پراعتماد محسوس کررہا تھا۔ ایسی باتوں کے اعتراف میں وہ ہمیشہ سے فراخ دل رہا تھا۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گھر پہنچیں تو علم ہوا کہ راستے میں تبادلہ خیال کے دوران میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہوچکا تھا۔ غزالہ کی تمام تر مصالحانہ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے منہ پھولے ہوئے تھے۔

ایک دوسرے سے ناراض بلکہ برہم نظر آنے کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے اپنے کمرے کا رخ نہیں کیا۔ ہم پانچوں ہی ڈرائنگ روم میں جابیٹھے اور اول خان نے حسب معمول فوراً چائے کی فرمائش کردی۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اتنے صاف کرلیے تھے کہ اسے ہاتھ دھونے بھی یاد نہیں رہے تھے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ سب کو صرف تمہاری بنائی ہوئی چائے پسند آتی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر غزالہ سے کہا "یہ فرض تم ہی کو انجام دینا ہوگا۔" غزالہ کوئی اعتراض کیے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں کا مقدر یاور رہا اور ان کی پوری مہم بہت کامیاب رہی۔" ویرا سگریٹ سلگانے کے بعد بولی "لیکن یہ فیصلہ بہت غلط تھا کہ ہم میں سے صرف سلطان شاہ کو اول خان کے ساتھ بھیجا گیا۔"

"صرف اس لیے کہ تم بلاوجہ مجھ سے حسد کرتی ہو۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں کے درمیان موسم کچھ ناساز نظر آرہا ہے۔" اول خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہاری کامیابی سے سلطان شاہ کا دماغ خراب ہوچکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔" ویرا برا

Downloaded from https://paksociety.com

سامنہ بنا کر بولی "تم اور تمہارے آدمی گرین فارم پر جھک مارتے رہے تھے....."

"یہ بالکل غلط ہے' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے احتجاج کیا "تم چاہو تو غزالہ کو بلا کر اس سے تصدیق کرسکتے ہو کہ ویرا غلط بیانی سے کام لے رہی ہے۔"

"تم نے یہ الفاظ نہیں کہے لیکن تمہارا رویہ یہی ظاہر کررہا تھا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم دونوں نے ہر قدم باہمی مشورے سے اٹھایا تھا۔" اول خان نے ان کی بحث میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی "وہاں ہر شخص اپنا اپنا کام کررہا تھا۔ اگر سلطان شاہ اپنی کارکردگی پر خوش ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے۔"

"تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے' کرشن کمار کو تم نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل' بالکل۔" سلطان شاہ نے پر زور انداز میں سر ہلا کر میری تائید کی "وہ قریب المرگ قیدی ہی سہی مگر اس پر آخری کاری وار ویرا نے کیا ہے۔ مرے ہوئے شیر کی گردن پر پاؤں رکھ کر تصویر بنوانے کا حق اسی کا بنتا ہے۔"

ویرا نے چند ثانیوں کے لیے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا پھر بے بسی سے مجھ سے بولی "یہ مسلسل اس قسم کی بکواس کرکے میرا خون سلگا رہا ہے۔ اس سے کہو کہ شرافت سے بات کرے ورنہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔"

"کمرے میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اپنا خون سلگوانے کے لیے تم وہاں بھی پہنچ جاؤ گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ آدھی رات کے بعد کس کی کال آگئی تھی۔ اول خان بھی اس بے وقت کال پر حیران نظر آرہا تھا۔ میں نے دوسری گھنٹی پر اسپیکر فون آن کردیا۔

فون پر جلال کی آواز سن کر مجھے خیال آیا کہ اپنی مصروفیات میں الجھ کر ہم اسے بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ حد یہ تھی کہ گرین فارم پر خاموشی سے چڑھائی کرنے کے سلسلے میں' میں نے صرف ون سے مشورے پر اکتفا کیا تھا۔ جلال سے اس کی توثیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وقت کی کمی کے سبب مجھے وہ فیصلہ کرنا پڑا تھا مگر میں چاہتا تو بعد میں اسے اعتماد میں لے سکتا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں پچھلے چند گھنٹوں کی مختصر سی فلم چلنے لگی اور میں اس کے کسی متوقع شکوے کا جواب سوچتا ہوا فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"سنا ہے کہ تم نے اپنے شکار پر کامیابی سے ہاتھ ڈال دیا ہے؟" میری آواز سنتے ہی جلال کی طرف سے سوال کیا گیا۔

"یہ کارنامہ اول خان اور سلطان شاہ نے سرانجام دیا ہے۔ اس بارے میں میرا کے ون سے رابطہ رہا تھا....."

"مجھے رپورٹ مل گئی تھی۔" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "میرے آدمی اس معاملے سے دور رہنے پر مجبور تھے' ہم کسی واضح پالیسی کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ تم نے بروقت اور صحیح فیصلہ کیا۔ اگر کسی وجہ سے وہ دونوں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتے تو مجھے بڑا قلق ہوتا۔ ان لوگوں کی سرکوبی ان ہی کے ہتھکنڈوں سے کی جاسکتی ہے۔"

"تمہارے تینوں آدمی اب کہاں ہیں؟ ان کی اطلاعات کیا ہیں؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں ہیں۔ گرین فارم میں ہونے والے تصادم کے بعد ایک کھائی سے بھڑکنے والے بلند شعلوں نے انہیں وہاں رکنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس ویرانے میں آگ بجھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے اس لیے ابھی تک کوئی کار کے قریب نہیں جاسکا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے وہاں پہنچنے والی امدادی ٹیم کسی حادثے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بھی بے بس ہیں....."

"امدادی ٹیم؟" میں نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"کراچی میں مقیم امریکی قونصل جنرل نے پروٹوکول سے ہٹ کر براہ راست تھری کے گیریژن کمانڈر سے رابطہ کیا تھا کہ دو امریکی افسران راستہ بھٹک کر میمن گوٹھ کی طرف نکل گئے ہیں اور وہاں غنڈوں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں۔ ان کے لیے فوری مدد کی درخواست کی گئی تھی۔"

"اور وہاں سے امدادی ٹیم روانہ کردی گئی؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"صورت حال ہی کچھ ایسی تھی۔ ایک چھوٹے ہیلی کاپٹر میں تین مسلح آرمی کمانڈوز کے ساتھ قونصل خانے کا ایک سینیئر افسر بھی وہاں گیا ہے۔ دراصل وہ کوئی امدادی ٹیم نہیں ہے۔ وہ لوگ کسی مسلح مقابلے کی تیاری کے ساتھ گئے ہیں۔"

میں لمحہ بھر کے لیے اندر ہی اندر کانپ اٹھا۔ امریکی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہر حربہ آزمانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اگر ہیلی کاپٹر سے جانے والی ٹیم کچھ پہلے

Downloaded from https://paksociety.com

ان اطراف میں پہنچ جاتی تو زمین پر مصروفِ کار' اسپیشل ٹاسک فورس والوں پر مکمل بے خبری میں آسمان سے موت کی برسات ہوسکتی تھی۔ یہ بہت غنیمت ہوا کہ ہیلی کاپٹر پہنچنے سے پہلے وہ لوگ سرپائی وے پر کافی دور نکل چکے تھے۔

"آگ کے شعلے میلوں دور سے نظر آرہے تھے۔" جلال بتا رہا تھا "گرین فارم کی تلاش سے پہلے ان کی توجہ اسی طرف مرکوز ہوگئی اور پھر ہیلی کاپٹر پر کمانڈوز کے ساتھ موجود امریکی افسر نے کھائی میں جلتی ہوئی سیاہ کار پہچان لی۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی طاقت ور سرچ لائٹس نے پورا علاقہ منور کردیا تھا۔ وہ وہیں لینڈ کرگئے اور اب تک وہاں آگ سرد ہونے کے منتظر ہیں۔"

"تمہیں یہ سب اطلاعات کہاں سے ملی ہیں؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آگ دور تک دیکھی گئی تھی۔ میرے تینوں آدمی' مقامیوں میں مل کر جائے حادثہ پر موجود ہیں اور وقفے وقفے سے مجھے رپورٹ دے رہے ہیں۔ میری یہ چوتھی فون کال ہے۔ اسٹیشن فور سے معلوم ہوا کہ تم لوگ گھر کے لیے نکل چکے ہو۔ یہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ رابطے میں مسلسل ناکامی پر مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔"

"گھر پر کوئی نہیں تھا۔ ہم چند منٹ پہلے یہاں پہنچے ہیں۔" وضاحت کرکے میں نے اس سے پوچھا "کیا کے ون کا اپریٹس اتنا طاقت ور ہے کہ وہ اس پر تم سے اسلام آباد میں بھی رابطہ برقرار رکھے ہوئے ہے؟"

"اپریٹس کی اتنی رینج نہیں ہے۔ کے ون موبائل فون استعمال کررہا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان کی گاڑی کو حادثہ کیسے پیش آیا۔"

"ان سے گلو خلاصی کا کوئی دوسرا محفوظ راستہ نہیں تھا۔ ان کو زندہ گرفتار کرنا بے سود تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ ان لوگوں نے حادثے کے روپ میں اپنے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔"

"گاڑی میں کتنے افراد موجود تھے؟" جلال اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"صرف تین! دونوں امریکی اور ان کا مقامی ڈرائیور۔ دعا کرو کہ گرتی ہوئی کار ان تینوں کی چتا بن گئی ہو۔"

"ہاں!" اس کی آواز پُر تشویش ہوگئی "دھماکوں اور جھٹکوں سے دروازہ کھلنے کے باعث کوئی دور گر کر زندہ رہ گیا تو خاصی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں امریکی اس واقعے کی تفتیش میں بال کی کھال نکالیں گے۔"

"بے فکر رہو۔ کار کھائی میں گرانے سے پہلے تینوں کی گردنیں توڑ دی گئی تھیں۔ ہر کام صاف ستھرے طریقے سے ہوا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تصادم کے جھٹکے سے ان کی گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنائے گی۔ کار کی باڈی بھی شاید بالکل بے داغ نکلے گی۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ وہاں فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا تھا۔" جلال کی آواز میں حیرت تھی۔

گرین فارم اور اس کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کی کڑیوں سے وہ یکسر بے خبر تھا جبکہ اس علاقے میں ہونے والی تازہ ترین کارروائیوں کے بارے میں اس کے پاس بھرپور معلومات تھیں۔ ہماری وہ گفتگو دیر تک چلتی رہی۔ اس دوران میں غزالہ چائے تیار کرکے لے آئی۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اسے براہِ راست اول خان سے بات کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ اس وقت تک اسے یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ اول خان میرے ساتھ بیٹھا ہوا ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"ہاں جلال! میں بول رہا ہوں۔" میرے اشارے پر اول خان نے دھیرے سے کہا۔

"یہ پورا آپریشن تمہارا تھا۔ اس بارے میں تمہاری رپورٹ کیا ہوگی؟" دوسری طرف سے جلال کی آواز آئی۔

"جو کچھ ہوا' وہ رپورٹ کردیا جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف کی صرف ایک پالیسی ہے۔ دشمن کو تلاش کرکے ہر قیمت پر تہس نہس کرنا۔ پالیسی کی عارضی تبدیلیوں سے ہمارے اس مشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں جن کے بارے میں ڈینی نے تمہیں بتا دیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میمن گوٹھ اور گرین فارم کی نشان دہی کے سلسلے میں میرے آدمیوں کا ذکر آئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" اول خان نے بے فکری سے کہا۔ "یہ نشان دہی صرف تمہارے آدمیوں نے نہیں کی تھی۔ ڈینی نے ایک زنانہ ذریعہ بھی استعمال کیا تھا۔ دہری تصدیق کے بعد ہی ہم نے تیزی سے کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"زنانہ ذریعہ؟" وہ نئی اصطلاح جلال کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ہاں' ڈینی ایک خاتون پر کام کررہا تھا۔ اسی نے گرین فارم کے بارے میں بتایا تھا۔"

"بس تو تم اسی پر اکتفا کرنا۔" جلال کی آواز سے اطمینان مترشح تھا "میں سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کام تمہارا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اب اندازہ ہو رہا ہے کہ ڈینی نے بھی پس پردہ رہ کر بہت کچھ کیا ہے۔"

"ہم نے صرف ایکشن کیا ورنہ ساری محنت ڈینی کی ہے۔ اس نے خاصے پاپڑ بیلے ہیں۔"

"سراغ تم ہی سے ملا تھا۔" میں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اسپیکر فون پر جلال سے کہا "تم نے میرپور خاص کے رہنے والے ہندوؤں کی فرم موہن اینڈ موہن کا ذکر کیا تھا۔ کرشن کمار ان کے پاس نہیں تھا لیکن ان ہی کی مدد سے گرین فارم پہنچا تھا۔"

"میں ان لوگوں کو بھول گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لیمٹڈ کے دفتر، گودام اور گھر کو چیک کرنے کے بعد کلیر کردیا تھا۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ تم کام کے ہر اس نکتے کو پکڑ لیتے ہو جسے دوسرے نظر انداز کردیتے ہیں۔"

"ہماری اصل لڑائی کرشن کمار سے تھی۔ اس کے چکر میں ڈیوڈ اور جمی مفت میں مارے گئے۔" میں نے رسمًا کہا۔

"مجھے ان دونوں کے ڈرائیور کے بارے میں افسوس ہے۔ وہ بے چارہ بلاوجہ مارا گیا۔"

"اول خان میں ایک بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ بے گناہوں کا بے دریغ خون نہیں بہاتا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے ڈرائیور سے اگلوا لیا تھا کہ وہ اپنے گورے آقاؤں کے اشارے پر دو افراد کو قتل کرچکا تھا۔"

"تم نے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ اب میرے دل میں کوئی خلش نہیں ہے۔"

"الجھن کو پی جانے کے بجائے اس پر گفتگو ہمیشہ مفید رہتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب یہ خیال رکھنا کہ کرشن کمار اور امریکیوں کے درمیان کوئی تعلق سامنے نہ آسکے بلکہ کرشن کمار کی لاش غائب ہی ہوجائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ وہ ویسے بھی یہاں لاوارث تھا۔ ساری فکر مندی کے باوجود بھارتی اس کے لیے آواز نہیں اٹھا سکیں گے۔"

"اسی لیے اس کی لاش کا منظر عام پر آنا ضروری ہے۔ راوالے صرف تشدد اور خون ریزی کی زبان سمجھتے ہیں۔"

میں نے اسے کرشن کمار کی لاش کے بارے میں اپنی تجویز سے آگاہ کیا تو وہ خوش ہوگیا۔ اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ میجر بخشی کے گھر کے قرب وجوار سے راکے ایک سینیر کمانڈو کی لاش ملنے کے بعد اور کچھ ہو یا نہ ہو، بخشی کی آدھی جان ضرور نکل جائے گی۔

"کرشن کی دور رس سرگرمیوں کا جال سامنے آجانے کے بعد اب یہ بات کھل چکی ہے کہ راوالوں نے یہاں اپنی سرکاری سرگرمیاں بہت کم کردی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مختلف عہدوں کی آڑ میں ان کے سفارتی دفاتر میں کام کرنے والے ایجنٹ ہماری ایجنسیوں کی نگاہ میں ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "اب وہ براہِ راست، کرشن کمار جیسے آدمی یہاں بھیج رہے ہیں۔ تم موہن اینڈ موہن والوں پر اپنا کام جاری رکھو۔ ان کے ذریعے کچھ اور نام بھی سامنے آسکتے ہیں۔ کیا ان کے خاندان کی کوئی عورت کرشن کمار کے لیے کام کررہی تھی؟"

"کرشن کمار اس پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں کرتا رہا لیکن وہ اس سے متنفر تھی۔" میں نے تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے جواب دیا "یوں سمجھو کہ وہ اپنے گھر والوں کے سلوک کی وجہ سے خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح ہمارے دامن میں آگری۔ میں دیکھوں گا کہ وہ ہمارے لیے مزید کیا کچھ کرسکتی ہے۔ کرشن کمار کی نشان دہی کے صلے میں، میں اسے اور اس کے شوہر کو معافی دے چکا ہوں۔"

"تمہیں کوئی اخلاقی مجبوری درپیش ہے تو مجھے بریف کردو۔ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں گا۔ کسی کے خلاف کھلے شواہد سامنے آجائیں تو میرے آدمی اس کے لیے بہت سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

"ابھی یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ پہلے میں خود اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔"

مزید چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون کا وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ماردتی نے ڈینی کو نہیں چھوڑا تو جلال کے آدمی کس گنتی میں ہیں۔" فون بند ہوتے ہی ویرا نے اپنی زبان پر رکا ہوا زہریلا فقرہ ادا کرڈالا "چند ہی دنوں میں وہ اس مسلمان پسند عورت کے گن گاتے ہوئے نظر آئیں گے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہوٹل میں میرے اور اس کے درمیان گفتگو ایک حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔

"تمہیں بار بار یہ صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی کہانی سنا چکے ہو، میری اپنی ایک رائے ہے۔ حد کو چھوڑو اور یہ سوچو کہ اس نے تمہیں ملنے کے لیے ہوٹل آنے پر مجبور کردیا تھا۔ اب تم اپنی مرضی سے اس سے ملنے جاؤ گے تو اسے بہت خوشی ہوگی۔"

"میری رائے ہے کہ آپ ماروتی کو آئی بی والوں کے حوالے کردیں۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "کچھ ہو یا نہ ہو، جان ضرور نکل جائے گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایسی آزاد خیال عورتوں کے اسکینڈل بہت تیزی سے شہرت پاتے ہیں۔ نہ جانے روی کیسا آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے۔"

غزالہ کو اپنا ہم خیال پاکر ویرا کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ شوخی سے بولی "وہ خود روی ہے اس لیے اس نے سراپا بے راہ روی سے شادی کی ہوئی ہے۔ غزالہ نے اس کی صحیح تصویر کشی کی ہے۔"

"تم لوگ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہو۔ دماغوں کے ساتھ ساتھ تمہاری زبانیں بھی چل پڑی ہیں۔ مجھے اپنے گھر چلنا چاہیے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کرشن کمار کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس کے اٹھتے اٹھتے میں نے سوال کیا۔

"جب فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو اس پر جلد از جلد عمل ہو جانا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"آج کل موسم خاصا خوشگوار ہے۔ کیوں نہ اسے ایک دو دن کے لیے محفوظ کرلیا جائے؟"

"بے سود ہوگا۔ اس کی لاش دس دن بعد بھی دستیاب ہوگی تو پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کے موت کے صحیح وقت کا تعین کردے گی۔ اس وقت ہمارے دشمنوں کو یہ سوچنے کا موقع مل جائے گا کہ کرشن کمار کی لاش کو اتنی مدت تک کیوں چھپایا گیا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "حامد کو ہدایات دے دو۔ زیادہ دیر ہوگئی تو یہ خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہیں پاسکے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں گھر جاتے ہی اس سے بات کرلوں گا۔ ذرا سی دیر میں پولیس لاش تک پہنچ جائے گی۔"

سلطان شاہ ہمارے ساتھ تھا' باہر سے اول خان کو رخصت کرکے ہم دونوں اندر لوٹ آئے۔

ویرا اور غزالہ دبی دبی آوازوں میں کسی پرجوش بحث میں مصروف تھیں۔ ہمارے قدموں کی آہٹ سنتے ہی انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ماروتی ہی ان کا موضوع سخن ہوسکتی تھی مگر میں اس بارے میں کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر' اپنی خواب گاہ کی طرف ہولیا۔ میرے لباس تبدیل کرنے کے دوران ہی غزالہ بھی کمرے میں آگئی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بولٹ کرلیا تھا۔

میں بے پروائی سے بستر پر دراز ہوا تو وہ سنجیدگی سے میرے قریب آبیٹھی۔ میں نے اس کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے بہت آسودہ انداز میں اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی مہکتی ہوئی دراز زلفوں کو تھام کر اسے خود سے اور قریب کرلیا۔

"سچ سچ بتائیں کہ ویرا کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے!" غزالہ نے دھیمی آواز میں بہت نرمی سے پوچھا۔

"آج برسوں بعد تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟" میں نے حیرت سے سوال کر ڈالا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ مجھے اکثر اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔"

"ہمارے حساب سے تو وہ بالکل ہی گئی گزری لڑکی ہے لیکن مغربی تہذیب کے مطابق اسے صرف آزاد خیال اور بے پروا قرار دیا جاسکتا ہے۔" میں نے بہت محتاط الفاظ میں اپنی رائے دے دی۔

غزالہ نے میرے سینے سے سر اٹھائے بغیر خفگی سے میری طرف دیکھا اور گھنیری پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی "اس کے بارے میں آپ مجھے اتنا بتا چکے ہیں کہ میں اب کچھ اور جاننے کی خواہش نہیں رکھتی۔ میرا سوال صرف اتنا تھا کہ وہ ہم دونوں کے لیے کیا جذبات رکھتی ہے۔"

"ہمارے ساتھ وہ مخلص ہے۔ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم کرچکی ہے ورنہ اس چھت کے نیچے گزارہ نہ کرپاتی۔"

"میں بھی اکثر یہی محسوس کرتی ہوں لیکن کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ مجھے آپ کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے ہولے سے اس کے گال پر چپت لگائی اور کہا "یہ اس کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ اس کے مزاج میں اتنا تلون ہے کہ وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتی' ہر لمحے کوئی نہ کوئی تبدیلی چاہتی ہے۔ وہ ہمارے درمیان چھوٹی موٹی غلط فہمیاں پھیلا کر ہماری جھڑپوں سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے مگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

"شاید اس وقت بھی وہ یہی چاہ رہی تھی۔" غزالہ بھی میری ہنسی میں شامل ہوگئی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "صبح میں اس کی خبر لوں گا۔"

"آپ اس سے کوئی بات نہ کریں۔ بے چاری مایوس ہو کر اپنی اس تفریح کا سلسلہ ترک کردے گی۔ اس وقت وہ ماروتی کے بارے میں میرے کان بھر رہی تھی۔ وہ بولنا شروع کرتی ہے تو اس کی ہر بات سچ معلوم ہوتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ ہر جھوٹے کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے جھوٹ کو عارضی طور پر سچ بنا دیتا ہے مگر پھر یہ ملمع اتر جاتا ہے۔" میں نے ماروتی کا نام لیے بغیر ایک عام سی بات کہہ کر وہ موضوع وہیں ختم کرنا چاہا مگر غزالہ بہلاوے میں نہ آسکی۔

"یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے صرف چند باتیں طے کرنے کے لیے آپ کو ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں بلایا تھا!"

"خوب! تو اب تم بھی ویرا کی زبان بول رہی ہو!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اس سے پہلے ہی میری نرم گرفت سے پھسل کر نکل گئی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبارات میں زیادہ تفصیلات نہیں آسکی تھیں مگر دونوں خبریں بہت واضح تھیں۔

کرشن کمار کی لاش عضو بریدہ تھی۔ اسٹیشن فورپر اس کی جامہ تلاشی میں کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے اس کی شناخت ہوتی مگر حامد نے اس کی ایک جیب میں اس کے نام کا ایک کاغذ ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں اسے کرشن کمار سمجھ لیا گیا تھا۔ اخبار میں تصویر کی اشاعت کے ساتھ، لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔

پولیس نے اس قتل کو ابتدائی طور پر رقابت اور انتقام کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ لاش کی ادھڑی ہوئی حالت کے پیش نظر صرف وہی کہانی قرین قیاس ہوسکتی تھی۔ مقتول کے بارے میں مزید معلومات کے حصول کے لیے تفتیش جاری تھی۔

میمن گوٹھ والے واقعے کی خبریں قدرے تفصیلی، دلچسپ اور سنسنی خیز تھیں۔

کرشن کمار کی تلاش کی مہم میں وہ دونوں امریکی اچانک ہی راستے کے پتھروں کی طرح سامنے آئے تھے اور کسی تفصیلی چھان بین کے بغیر مار دیے گئے تھے۔ ان کے بارے میں اول خان نے کرشن کمار کے سامنے صرف اتنی قیاس آرائی کی تھی کہ اور وہ امریکا کی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے کارندے تھے۔ حقیقت بھی وہی نکلی تھی۔ جمی ایف بی آئی کا سینیر کلرک تھا، بھورے بالوں والا دراز قامت ڈیوڈ اس کا مددگار تھا۔ ان دونوں کے عہدوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا تعلق فیلڈ اسٹاف کے بجائے دفتری عملے سے تھا مگر وہ امریکا کا معاملہ تھا، وہاں عہدوں کی تقسیم کا کام بھی دنیا سے نرالا تھا۔ وہ دونوں جو کچھ بھی تھے، ایف بی آئی کے اہلکار ضرور تھے اور آنجہانی ہوچکے تھے۔

کار کھڈ میں گرنے کی وجہ سے تینوں جلے ہوئے ڈھانچے میں کافی ٹوٹ پھوٹ پائی گئی تھی۔ گاڑی میں لگنے والی آگ اس قدر ہولناک تھی کہ لاشیں بری طرح مسخ ہو کر رہ گئی تھیں۔ فوری طور پر یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ تینوں گاڑی کے آگ پکڑنے سے پہلے مر چکے تھے یا زندہ ہی جل گئے تھے۔

امریکی ذرائع نے اپنے معمول کے مطابق الزام تراشی کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں نے اپنے آخری پیغام میں بتایا تھا کہ وہ کسی دور افتادہ، میمن گوٹھ نامی مقام پر فائرنگ میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی موت کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گھیر کر مارا گیا تھا۔

ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا کہ پاکستان میں امریکیوں کی جان و مال کو لاحق، مفروضہ خطرات کی روشنی میں امریکی حکومت نے اپنے تمام ملازمین اور شہریوں کو اپنی آمدورفت لازمی ضروریات تک محدود رکھنے کی جو سخت ہدایات جاری کی ہوئی تھیں، ان کے ہوتے ہوئے ڈیوڈ اور جمی میمن گوٹھ میں کیا کر رہے تھے؟ کیا انہوں نے اپنے افسران بالا سے اس سفر کی اجازت لی تھی؟ وہ بھٹک کر اس علاقے میں پہنچے تھے تو ان کا اصل مقصد کہاں کا تھا؟ انہیں اس ویرانے میں کیسے پتا چلا کہ وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے؟

پچھلے واقعات کے مقابلے میں اس بار صرف ایک بات غنیمت تھی کہ ایف بی آئی والوں کی ہلاکت کے سلسلے میں مقامی حکومت یا اہلکاروں پر براہِ راست کوئی الزام نہیں لگایا گیا تھا۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آیا۔ اس کے پاس کچھ تازہ ترین خبریں تھیں۔

لاشیں بری طرح جل جانے کی وجہ سے ان تینوں کی موت کے اسباب کے تعین میں دشواری ہو رہی تھی۔ دوسری طرف امریکیوں نے اپنے تین افسروں کو سایوں کی طرح تفتیشی ٹیم کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ ان میں سے دو امریکی نژاد تھے جو بظاہر پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے ملازم تھے لیکن اپنے طور طریقوں سے پہنچے ہوئے سراغ رساں معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی پاکستانی نژاد امریکی فام جو ان کے لیے ترجمان کا کام کر رہا تھا۔ ان تینوں نے پچھلی رات گرین فارم میں اپنا کیمپ لگالیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

گرین فارم میں جو کچھ ہوا' اسے چھپانا ممکن نہیں تھا۔ وہاں کام کرنے والے مزدور اس بات کے عینی شاہد تھے کہ وہاں چھپے ہوئے شخص سے ملنے کے لیے دو امریکی فارم پر آئے تھے۔ اس کے بعد ہی کچھ لوگوں نے فارم کو گھیر کر اندر گھسنے کی کوشش کی جسے ناکام بنانے کے لیے گارڈز نے فائرنگ کی ابتدا کی اور پھر فضا بارود کی بو سے بھرتی چلی گئی۔

واقعات بہت بے رحمی سے کریدے جا رہے تھے اور آدھا دن گزرنے سے پہلے تفتیشی جماعت اور اس کے ساتھ لگے ہوئے امریکیوں کو بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ بس کرشن کمار کا نام پردے میں تھا۔ وہ گرین فارم کے مالک کا ذاتی دوست نہیں تھا' روی موہن کی سفارش پر وہاں پناہ لینے آیا تھا۔ اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے شیرو کا نام اختیار کیا تھا۔ فارم کے مالک نے انہیں وہی نام بتایا تھا۔

"حالات بہت تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔ اس رفتار پر مجھے تشویش ہو رہی ہے۔" اول خان سب کچھ بتانے کے بعد کہہ رہا تھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے کہا "پوشیدہ باتوں سے پردے اٹھنے کے ساتھ امریکی دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔"

"تم ہمیشہ دور کی باتیں سوچتے ہو' میں سامنے کی باتوں سے پریشان ہو رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم تو ہو کہ تم کس وجہ سے پریشان ہو رہے ہو۔ مجھے ایسی تیزی کی توقع نہیں تھی مگر یہ تیزی بھی پریشان کن نہیں ہے۔ مجھے اس میں ایک سنہری موقع نظر آ رہا ہے۔ تم یہ سمجھو کہ۔"

"شیرو یعنی کرشن کمار کا نام کھل چکا ہے۔" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اخباروں میں اس کی لاش کے کلوز اپ چھپ چکے ہیں۔ فارم کے مزدوروں نے تفتیشی افسروں کو کرشن کمار کا حلیہ بتایا ہوگا۔"

"سب کچھ درست ہے مگر اخبار کی تصویروں میں اس کا چہرہ لہولہان ہے۔ اس تصویر کو آسانی سے شیرو کے طور پر نہیں پہچانا جا سکے گا۔ اسٹیشن فورپر ویرا نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا تھا۔"

"یہ مفروضے کاغذ کی ناؤ ثابت ہوں گے۔ اب روی موہن کا نام ریکارڈ پر آ گیا ہے۔ کسی بھی لمحے اس پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس ابہام کی درمیانی کڑی ہے۔ اس کے ہاتھ آتے ہی سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ اس نے تو پہلی نظر میں کرشن کمار کی لاش کو شناخت کر لیا ہوگا۔ اس وقت میں اپنی


## مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

**روشنی کے مینار**

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**عظمت کے مینار**

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**ایمان کا سفر**

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے جن کی آپ کو تلاش ہے۔

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**کچرا گھر**

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**آدھا چہرہ**

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بگڑ رہے ہیں کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں

قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**کالی کہانیاں**

جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح طنز و مزاح، اسرار و خوف سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں

قیمت ۱۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**بنک ویلوٹ کی چوریاں**

مشہور چور بنک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں لے کر اس قدر معاوضے پر چھوڑتا ہے۔

قیمت جلد اول ۵۰، جلد دوم ۷۰ ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

**کتابیات پبلی کیشنز**

پوسٹ بکس ۲۳، سعید منشن، بلیو ویا اسٹریٹ، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱




Downloaded from https://paksociety.com

خواہش کے باوجود روی کو گرفتاری سے نہ بچا سکوں گا۔ تم نے اسے معافی دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ پولیس اس کے دروازے پر پہنچے گی تو ماروتی اودھم مچادے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے ملاقات کا کچا چٹھا کھول دے۔"

"ماروتی کے کردار سے ہم لوگ واقف ہیں۔ جگدیش موہن اسے دوسروں کے سامنے نہیں لائے گا۔ روی بھی اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اخباروں میں کرشن کمار کے قتل کی خبر پڑھتے ہی خوشی سے ناچتا ہوا اپنے گھر لوٹ آئے۔ وہ آسانی سے ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"امریکیوں کی موت کے حوالے سے روی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ محکمہ اس کی گرفتاری کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا۔ اس کے ہاتھ آتے ہی ہر بات کھل جائے گی۔"

"ابھی تک تم معاملے کے ایک رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غور کرو کہ کرشن کمار کا نام کھلنے کے بعد امریکیوں اور بھارتیوں کے درمیان کیسی کشیدگی پیدا ہوگی۔ اس نے کسی فرضی نام سے یا شاید شیرو بن کر ڈیوڈ اور جمی کو گرین فارم پر بلایا تھا۔ وہ ان سے سودے بازی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی دغا بازی کی وجہ سے وہ دونوں مارے گئے۔ را والوں کے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"وہ ان کا اور امریکیوں کا معاملہ ہے۔ ہمارے لیے نئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے انہیں یہ بتانا ہوگا کہ پاکستان میں غیر قانونی طور پر چھپے ہوئے 'را' کے ایک دہشت گرد سے ڈیوڈ اور جمی کے کیا روابط تھے۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کن سازشوں میں مصروف تھے۔"

اول خان کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ لائن پر خاموشی چھائی رہی۔ خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "خدا کرے کہ ویسا ہی ہو جو تم سوچ رہے ہو۔ میں نے تمہیں اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ماروتی ہمیں چہروں سے پہچانتی ہے۔ وہ یا اس کا بھایا جی ہمارے نام اور پتوں سے واقف نہیں ہے۔ روی سے ہمارا سامنا تک نہیں ہوا۔ ان کی کہی ہوئی باتوں کو کون ثابت کرے گا؟ تم ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ کون سوچ سکتا ہے کہ اس مہم میں تم شریک تھے؟ کسی کا دھیان ادھر چلا بھی جائے تو کون تم سے پوچھنے کی ہمت کر سکے گا؟"

"جلال کے کم از کم تین آدمی بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں مخدوش حالات کا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دیدہ و دانستہ ایک لفظ بھی نہیں اگلیں گے لیکن وہ انسان ہیں۔ ان سے کوئی لغزش ہو سکتی ہے۔"

"تم نے اپنے خدشات بیان کر دیے' اب تم بے فکر رہو۔ کوئی نئی بات سامنے آئے تو مجھے ضرور آگاہ کر دینا۔"

"کیا تمہیں اچانک کوئی بات یاد آگئی ہے؟ کچھ عجلت میں معلوم ہو رہے ہو۔" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں' ماروتی کو ذرا فون پر ہوشیار کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراسم برقرار رہ سکیں۔" میں نے آس پاس میدان صاف دیکھ کر بے تکلفی سے کہہ ڈالا "جلال نے اس کے بارے میں صحیح مشورہ دیا تھا۔"

اول خان اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

میں نے وقت ضائع کیے بغیر ماروتی کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔ فون پر وہ خود موجود تھی اور اس کی آواز کچھ مخمور سی تھی۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تمہاری آواز کچھ بھاری بھاری سی لگ رہی ہے۔"

"اوہ! مظہر ڈارلنگ!" میری آواز سن کر وہ خوش ہو گئی "میں ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں۔ تم یقین کرو کہ تمہارے ساتھ گزارہ ہوا وقت رات بھر مجھے خواب میں نظر آتا رہا۔ شاید تم بھی اسی کیفیت سے گزرے ہو۔"

"مجھے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملی کہ میں ان رنگین لمحوں کے بارے میں زیادہ سوچ سکوں۔"

"رات بھر کیا کام کرتے رہے؟" میری بات کاٹ کر اس نے میٹھی آواز میں پوچھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا کوئی اخبار نہیں دیکھا ورنہ مجھ سے یہ سوال نہ کرتیں۔"

"میں اخبار نہیں دیکھتی۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا "اس میں ڈکیتیوں' لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے سوا ہوتا ہی کیا ہے؟ سیاست سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نیچے سے اخبار منگوا کر دیکھ لوں گی۔ اپنے کام کے بارے میں کچھ تم ہی بتا دو۔"

"رات کو ہم نے سفید نیولے کو شکار کر لیا۔" میں نے دانستہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو۔ وہ تمہارے لیے بہت اہم تھا۔ اب یہ نہ ہو کہ تم مجھے بھول جاؤ۔"

"تم بھولنے والی شے نہیں ہو لیکن ابھی سناٹے گردش



Downloaded from https://paksociety.com

میں ہیں۔ روی کو گھر سے دور ہی رکھنا۔"

"کیوں؟ تم نے تو انہیں معاف کرنے کا وعدہ کیا تھا۔" میری توقع کے مطابق اس نے احتجاج کیا۔

میں نے اسے بتایا کہ کرشن کمار کے پاس دو امریکی بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں بھگا کر کرشن کمار کو مار ڈالا۔ اس کی لاش کے ساتھ لوٹتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ امریکیوں کی کار ایک کھڈ میں پڑی جل رہی تھی۔ پولیس ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے ملا رہی تھی اور فارم کے مالک کے بیان پر کسی بھی وقت روی کی تلاش میں اس کے گھر پہنچ سکتی تھی۔

"تو کیا اب پولیس والے ایجنسیوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہوگئے ہیں؟" اس کی آواز میں طنز اور تشویش کا امتزاج تھا۔

"مرنے والے امریکی سفارتی افسر تھے۔ اس وجہ سے بات ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔"

"وہ حرام زادے کرشن کمار کے پاس کیا کرنے گئے تھے؟" ماروتی کی بے ساختہ آواز ابھری۔

"پتا نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "روی کو مزید چند روز گھر سے دور رہنا چاہیے۔"

"میں انہیں ابھی گھر آنے سے منع کیے دیتی ہوں۔ ویسے بھی وہ مجھے فون کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ ملیر میں روی کے پاس فون نہیں ہے۔"

"وہ بات پرانی ہوگئی۔ کل شام ان کے دوست نے موبائل فون اور کنکشن لے لیا ہے۔" میری توقع کے برعکس، ماروتی کا ردِعمل زیادہ شدید نہیں رہا تھا۔ وہ ابتدائی جھٹکے سے بہت تیزی کے ساتھ سنبھل گئی تھی۔

"تم لوگ سادہ کپڑوں میں خاصی شرافت سے ہمارے گھر آئے تھے۔ پاس پڑوس والوں کو شبہ تک نہ ہوا ہوگا کہ ہمارے گھر میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے مگر پولیس والے وردیوں میں دندناتے ہوئے آئیں گے۔ سب کو علم ہوجائے گا کہ پولیس، روی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ بھایا جی گوشت کا ایک ناکارہ تودا ہے وہ پھر مجھے ان کے سامنے کردے گا۔ ایسی بے عزتی سے بہتر ہے کہ میں بھی گھر سے نکل جاؤں۔"

اگر جگدیش موہن اس قدر بے غیرت تھا تو پھر ماروتی کی فکرمندی بے جا نہیں تھی۔ میں نے اپنے دل کے کسی گوشے میں اس کے لیے ہمدردی کی ہلکی سی رمق محسوس کی اور نرمی سے پوچھا۔ "گھر چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گی؟"


سدا بہار فلمی گیتوں کا نوٹیشن

سُر سنگ گیت

اپنے طرز کی پہلی کتاب

شائع ہوگئی ہے

صفحات 208

قیمت 200/=

ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat@usa.net


Downloaded from https://paksociety.com

"تم پناہ دینے پر آمادہ ہو تو چند روز کے لیے تمہارے پاس چلی آؤں گی ورنہ روی کے ساتھ رہوں گی۔"

اس کے بے باکانہ جواب پر میں حیران رہ گیا۔ وہ ان معنوں میں واقعی ایک عورت تھی کہ اسے سمجھنا مشکل کام تھا۔

اس نے اپنے بھایا جی کی انا کو کاری ضرب لگانے کے لیے اپنا سب کچھ مجھے سونپنے کا ایک طرفہ فیصلہ کیا تھا۔ کراچی کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں سپردگی کے اس تجربے سے گزرنے کے بعد وہ میری ہر خطا کو درگزر کرنے پر آمادہ تھی۔ حد یہ تھی کہ اپنے شوہر' روی موہن کی معافی میں ناکامی کے بارے میں میرے پیش کیے ہوئے عذر کو بے چوں وچرا تسلیم کر چکی تھی۔

"تمہیں پناہ دینے کی آرزو ہی بعض لوگوں کے لیے زندگی بھر کا سرمایہ ہو سکتی ہے۔ مجھ سے تم خود سوال کر رہی ہو۔ مجبوری یہ ہے کہ میں تن تنہا ایک ہاسٹل میں رہتا ہوں جہاں میرے بہت سے ہم پیشہ بھی رہتے ہیں۔ ہم سب مجسس اور کھوجی طبیعتوں کے مالک ہیں۔ اس بھیڑ میں' میں تمہیں کس کس کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکوں گا؟"

"بستی گنگا میں سب ہاتھ پیر دھوتے بلکہ نہاتے ہیں مگر کوئی اس کے دھارے کا رخ اپنے گھر کی طرف نہیں موڑتا۔ میں خود جانتی ہوں کہ میرا محفوظ ترین ٹھکانا روی کے سائے میں ہے۔ میں پولیس کے آنے سے پہلے وہاں چلی جاؤں گی۔"

"یہ بس چند روز کی بات ہے پھر حالات اعتدال پر آجائیں گے اور تم دونوں اپنے گھر لوٹ سکو گے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "بس اخبارات دیکھتی رہنا۔ ان ہی میں کسی دن یہ خبر آجائے گی کہ روی کی تلاش ترک کر دی گئی ہے۔"

"اخبارات میں دیکھتی رہوں گی مگر مجھے تم پر بھروسا ہے۔ عورت جب کسی کو اپنا تن من سونپ دیتی ہے تو اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتی۔ تم روی کا موبائل فون نمبر لکھ لو۔ جب چاہو' مجھ سے یا روی سے بات کر سکتے ہو۔ روی کو معلوم ہے کہ میں نے کرشن کمار کے چکر سے گلو خلاصی کے لیے تم سے کوئی سودے بازی کی ہے۔ وہ تمہارے فون کا برا نہیں منائے گا۔"

"بتاؤ' میں لکھ رہا ہوں۔" اس بار میں ماروتی کی فراخ دلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے مجھے فون نمبر لکھوایا اور مجھ سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔ وہ کال میری تھی۔ میں نے تھکے ہوئے انداز میں ریسیور واپس رکھ دیا۔ ماروتی عجلت میں تھی۔ مجھ سے بات ہو جانے کے بعد وہ جلد از جلد گھر سے نکل جانا چاہتی تھی۔

جمی اور ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد واقعات واقعی بہت تیز رفتاری سے رونما ہو رہے تھے اور صورتِ حال بدلتی جا رہی تھی۔ کراچی میں مقیم امریکی اہلکار اپنے مزید دو ساتھیوں کی جانوں کے اتلاف کے بعد پوری طرح سرگرم تھے مگر میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس وقت تک جان اسمتھ کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔

جان اسمتھ ہی وہ شخص تھا جس سے ملاقات کے بعد مراد ظریف نے خود کو بے رحمانہ موت کا حق دار بنا لیا تھا۔ وہ کراچی کے قونصل خانے میں مامور تھا اور جلال کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق جنوبی ایشیا سے لے کر مشرق وسطیٰ تک میں امریکی سی آئی اے کے جملہ آپریشنز کا نگراں تھا۔ جمی اور ڈیوڈ کا تعلق سی آئی اے سے نہیں تھا لیکن اندر کے معاملات سے واقف ہر شخص جانتا تھا کہ امریکا سے باہر ہونے والی تمام کارروائیوں میں سی آئی اے اور ایف بی آئی شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ ویسے بھی خطے میں موجود امریکیوں کے تحفظ کی تمام تر ذمے داری جان اسمتھ کے سر جاتی تھی۔ ان حالات میں جان اسمتھ کا سامنے نہ آنا میرے لیے فکر انگیز تھا۔

شاید وہ بوب رافیل کے بعد اپنے مزید دو ساتھیوں سے ہاتھ دھونے کے بعد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ منظرِ عام پر آیا تو پاکستان کے مفادات کی نگرانی کرنے والے نامعلوم لوگ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس اندیشے کی وجہ سے وہ خود پس پردہ رہ کر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کام لے رہا تھا۔ اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

امریکی صفوں میں جو حیثیت جان اسمتھ کو حاصل تھی' پاکستان کی حد تک را کے ایجنٹوں میں کم و بیش وہی درجہ میجر بخشی کو حاصل تھا۔ وہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے بعد اس طرح گوشہ نشین ہوا تھا کہ اس کا نام ہی سننے میں نہیں آرہا تھا۔ کرشن کمار کی لاش طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی کے گھر کے قریب پھینکی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس واقعے نے میجر بخشی کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔

میں اس وقت فارغ تھا۔ سوچنے اور ان ہی سوچوں میں وقت گزارنے کے سوا میرے پاس کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اپنی ٹیلی ڈائری کے صفحات کھنگالنے شروع کر دیے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے اس کا نام مل گیا۔


Downloaded from https://paksociety.com

جن دنوں میں ایس ٹی ایف سے منحرف کرنل جمال دستی کے روپ میں اس سے پینگیں بڑھا رہا تھا' اس نے خود ہی مجھے اپنے گھر اور دفتر کے فون نمبر دیے تھے جن پر میں براہِ راست اس سے گفتگو کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے فون کی لائن سے منسلک سی ایس ڈی کو آن کیا اور ڈرائنگ روم کے بجائے اپنے کمرے سے ہی اس کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

یکے بعد دیگرے تین گھنٹیاں بجیں۔ میں نے مایوس ہو کر فون بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک خلیق' نسوانی آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے بہت رواں انگریزی میں مجھ سے میرا مدعا دریافت کیا تھا۔

"میں میجر بخشی سے بات کرنے کا خواہاں ہوں۔ وہ کہاں ہے؟" میں نے انگریزی میں بے تکلفی سے کہا۔

"آج ان کی طبیعت ناساز ہے۔ کیا میں تمہارا نام جان سکتی ہوں؟"

اس خاتون سے ملنے والی اطلاع سے مجھے دلی مسرت ہوئی۔ کرشن کمار کی لاش کے بارے میں خبر پڑھ کر اس کی طبیعت کو ناساز ہونا ہی تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

میں نے اطمینان سے سگریٹ سلگائی اور اس کے کش لگاتے ہوئے یہ سوچ کر محظوظ ہوتا رہا کہ میجر بخشی نے اپنے خوف کو چھپانے کے لیے بیماری کا بہانہ کیا تھا۔ وہ ڈر کر اپنے گھر میں محصور ہو گیا تھا۔

آدھی سگریٹ پھونکنے کے بعد میں نے اس کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ سلسلہ ملتے ہی میں نے اس کی آواز پہچان لی۔

"تم کیسے میجر ہو بخشی جی' کہ کرشن کمار کے مرتے ہی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے... ہم..." میں نے اپنی آواز بدل کر تضحیک آمیز لہجے میں اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ میری توقع کے مطابق وہ بھڑک گیا اور اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟" وہ غصے سے غرا کر بولا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ فوج میں تم ٹٹوؤں اور خچروں کے دستوں کی کمان کرتے رہے' جبھی تم کو ہم جیسے انسانوں کا خیال نہیں ہے جو تمہارے آسرے پر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا کر دن رات کام میں جٹے رہتے ہیں..."

"بدتمیز آدمی!" غصے کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی "تم نے اپنا نام نہ بتایا تو میں اسی وقت فون بند کر دوں گا۔"

"میرا نام ہری چند ہے۔" میں نے برجستہ کہا "شاید تم سے کرشن کمار نے میرا ذکر کیا ہو گا۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"میں نے کبھی تمہارا نام نہیں سنا اور نہ میں کسی کرشن کمار کو جانتا ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے اپنی آواز میں حیرت اور مایوسی سمیٹتے ہوئے بے ساختہ کہا "اس نے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ بھی کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو برے وقت میں تم ہی میری مدد کرو گے۔ پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے' میری جان پر بنی ہوئی ہے' میں صبح سویرے سے مارا مارا پھر رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ تم کسی کو نہیں جانتے تو پھر میں کہاں جاؤں؟"

اس بار اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا اور میرے خاموش ہونے پر سختی سے بولا "تمہاری کوئی بات میرے پلّے نہیں پڑ رہی۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں میرے گھر کا نمبر کس مردود نے دیا ہے۔"

"نمبر کون دیتا؟ کرشن نے ہی تمہارے دونوں نمبر دیے تھے۔ پہلے میں نے تمہارے دفتر فون کیا تو کسی عورت نے بتایا کہ تم بیماری کی چھٹی پر ہو۔ گھر پر تم مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ میں حیدر آباد سے بھاگ کر صرف اس لیے کراچی آیا تھا کہ یہاں تم میری مدد کرو گے اور مجھے بتاؤ گے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم نے تو اپنی آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی ہیں۔"

"تمہیں مجھ سے بدتمیزی کرنے کا مشورہ بھی کرشن کمار نے دیا ہو گا۔" میجر بخشی کی زہریلی آواز آئی "میں ٹٹوؤں کی کمان کرتا تھا تو تم جیسے اُلّو کے پٹھوں کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ تم کو منہ کھولنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا۔"

میں نے میجر بخشی کے گھر کا فون نمبر ملایا تو اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں کوئی بھی فرضی نام اختیار کر کے اسے کرشن کمار کے انجام کے حوالے سے مزید کچھ خوف زدہ کروں گا اور اس کی زبان سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں گا۔ جب اس نے میرا نام جاننے پر اصرار کیا تو مجھے اچانک ہی ہری چند کا نام یاد آیا اور میں نے بے ساختہ وہی نام دہرا دیا۔

ہری چند موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی حیدر آباد برانچ کا منیجر تھا جس کی گاڑی میں کرشن کمار کے بھیجے ہوئے تین بھیل ہمارے گھر پہنچے تھے۔ ہم پر شب خون مارنے کی وہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی۔ ان بھیلوں کی گاڑی کے نمبروں کے حوالے سے ہری چند کا نام سامنے آیا تھا۔ بعد میں جگدیش موہن کی زبانی معلوم ہوا کہ ہری چند' ماروتی کار رشتے

Downloaded from https://paksociety.com

کا بھائی تھا۔

اول خان اسے فوری طور پر گرفتار کروانا چاہتا تھا مگر میں نے موہن اینڈ موہن کے مالکان کے ہوشیار ہونے کے خدشے کے تحت اسے روک دیا تھا۔ بعد میں واقعات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ ہم ہری چند کا نام ہی بھول بیٹھے۔ میجر بخشی سے فون پر بات کرتے ہوئے اس کا نام اچانک ہی میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اپنے ابتدائی فقروں کا کیسے ازالہ کروں۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ میری ابتدائی تلخ نوائی کے باوجود' ہری چند کا نام سننے کے بعد' میجر بخشی کا رویّہ خاصی معقولیت پر مبنی تھا۔ میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو اس سے میری گفتگو آگے بڑھ سکتی تھی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم میری باتوں کا برا مان جاؤ گے۔ آدمی کو جب ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگتی ہے تو اس کا دماغ الٹ جاتا ہے اور وہ اول فول بکنے لگتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس وقت میں کتنا پریشان ہوں۔" ذہنی طور پر ایک فیصلہ کرلینے کے بعد میری زبان روانی سے خود بخود چل پڑی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم بڑے آدمی ہو۔ بڑے آدمیوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ میری خطا معاف کردو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"تمہارا دماغ الٹ چکا ہے تو پھر تمہیں میرا نام اور نمبر کیسے یاد رہا؟ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو۔"

"سرکار! میں کرشن کمار کا نمک خوار ہری چند ہوں۔" میں نے رو دینے والی آواز میں اسے یقین دلانا چاہا۔

"تم کان کھول کر سن لو کہ میرا کسی کرشن کمار سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کسی شخص نے تمہیں میرے گھر اور دفتر کے فون نمبر دے کر کیوں بہکایا ہے اور ہاں' تم بتا رہے تھے کہ کرشن کمار بھی مرچکا ہے۔"

"پولیس میرے گھر پہنچی تو مجھے کچھ معلوم نہیں تھا' میں بس یہ جانتا تھا کہ میں کرشن کمار کے لیے بہت خطرناک کام کررہا ہوں۔ پولیس کے نام سے میرا دم نکل گیا اور صبح سویرے کے ملگجے اندھیرے میں اپنے گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مجھے بس اسٹینڈ پر اخباروں سے معلوم ہوا کہ وہ مارا جاچکا ہے۔ اس کا فوٹو بگڑا ہوا ہے' چہرہ خون میں لتھڑا ہوا ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ تم اخبار دیکھو گے تو اسے پہچان لوگے۔"

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ شاید وہ میری باتوں پر غور کررہا تھا اور اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کس حد تک سچ بول رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی "نام سے تم بھی ہندو لگتے ہو' یوں تم میرے بھائی ہو۔ اس ملک میں ہم کسی امتیاز کے بغیر اپنے سب بھائیوں کی خدمت کرتے ہیں مگر تم یقین کرو کہ کرشن کمار سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں تمہارا نام جانتا ہوں' میرے پاس تمہارے دونوں فون نمبر ہیں۔ یہ غلط فہمی کیسے ہوسکتی ہے؟ کرشن نے مجھے بتایا تھا کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے دھرم اور ملک کی بہت بڑی خدمت کررہے ہیں' ایک دوسرے کے ساتھی اور ساتھی ہیں۔ اب مجھ پر برا وقت آن پڑا ہے تو تم مجھ سے اپنا دامن بچا رہے ہو' مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ شاید یہاں کی پولیس سے مار کھا کر مرنا ہی میرا مقدر ہے۔"

"تمہیں آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کرشن سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا' نہ اس سے میرا کوئی گٹھ جوڑ تھا مگر پھر بھی مجھے معلوم ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی یہاں رہ کر اپنے دھرم اور دھرتی کے لیے بہت بڑا کام کررہے تھے۔ اخبار میں اس کے انجام کے بارے میں پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میرا کوئی قریبی عزیز مارا گیا ہو۔ نہ جانے اس نے تمہیں میرے فون نمبر کیوں دیے تھے۔ تم پولیس والوں سے چھپ کر آج کا دن گزار لو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔ تم کل اسی وقت مجھے دوبارہ فون کرلینا۔"

مجھے اپنی گفتگو آگے بڑھانے کے لیے اس کے جوابوں سے سارا مل رہا تھا۔ مجھے دہری خوشی ہوئی کہ اسے مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور وہ میری باتوں کے جال میں پھنس رہا تھا۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس وقت تک سی ایس ڈی خاموش تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے میری کال ریکارڈ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ محض نام اور مذہب کے دھوکے میں میری صداکاری پر بھروسا کررہا تھا۔

"کل تک نہ جانے کیا ہوجائے۔" میں نے گہری مایوسی سے کہا "پولیس والوں سے اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر قسطوں میں سچ اگلنے اور پھر سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ میں خود کو مارلوں۔"

"نہیں نہیں۔ بھول کر بھی اپنے اوپر ایسا ظلم نہ کرنا۔ یہاں پولیس اور ایجنسیوں والے پہلے ہی ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم نے خود بھی اپنے آپ کو مارنا شروع کردیا تو ہماری تعداد بہت تیزی سے گھٹتی چلی جائے گی۔ یہ بھاری

Downloaded from https://paksociety.com

نقصان ہم برداشت نہیں کرسکتے۔"

"مجھے اپنے اوپر یہ زمین تنگ ہوتی نظر آرہی ہے۔ مجھ پر ایک ایک پل بھاری گزر رہا ہے۔" وہ میری ہمدردی میں جوں جوں نرمی اختیار کرتا جارہا تھا' میں نے اپنی بڑھتی ہوئی مایوسی کے حوالے سے پھیلنا شروع کردیا تھا۔

"تم نے بہت ہمت اور حوصلے سے آدھا دن گزار ہی لیا ہے۔ صبح تک میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔"

میں نے کسی فوری خیال کے تحت چونکنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا "کیوں نہ میں تمہارے گھر آجاؤں۔ پولیس کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوسکے گا کہ میں تمہارے گھر میں چھپا ہوا ہوں۔"

میری تجویز پر وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا.... "ہرگز نہیں.... بھول کر بھی میری طرف آنے کی غلطی نہ کرنا۔ جب تک کوئی مضبوط وجہ نہ ہو' پولیس تم جیسے عام شہریوں کے پیچھے نہیں لگتی لیکن ہم ہروقت مشکل میں رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے ہماری کڑی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ تم پولیس کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ ادھر آئے تو تمہاری وجہ سے میں بھی مارا جاؤں گا۔ میرے اور تمہارے لیے یہی سب سے بہتر ہے کہ تم کبھی بھول کر بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ انتہائی سخت ضرورت کے وقت فون پر بات چیت کافی رہے گی۔"

اس کی بوکھلاہٹ پر میں دل ہی دل میں محظوظ ہو کر رہ گیا۔ نادانستگی میں وہ میرے لیے ایک مستقل راہ کھول رہا تھا۔ میں ہری چند بن کر اسے اعتماد میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا' وہ خود مجھ سے ملنے سے گریزاں تھا۔ میرے لیے شناخت کرلیے جانے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ میں جب چاہتا' ہری چند کی آواز میں اس سے رازونیاز کی باتیں کرکے معلومات حاصل کرسکتا تھا۔

"تو کیا ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے؟" میں نے اپنی خوشی کے بجائے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"موجودہ حالات میں شاید کبھی نہیں۔" اس کی آواز میں تفکر آمیز گہرائی پیدا ہوگئی "ہاں' جس دن کرشن کمار کا خون رنگ لایا اور اس کا خواب پورا ہوگیا تو ہم پوری آزادی کے ساتھ مل جل کر یہاں اپنی کامیابی کا جشن منائیں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ اب اکھنڈ بھارت بننے کا وقت قریب آگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"شش!" فون پر اس کی تادیبی آواز ابھری "اب لیا ہے' دوبارہ یہ نام نہ لینا۔ یہاں ہر لمحہ ہر ایک کی گردن پر تلوار لٹک رہی ہے۔ ہم صرف اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے ہی زندہ ہیں۔ اس مقصد کی راہ میں کوئی رکاوٹ بنے گا' اسے بے رحمی سے کاٹ دی جاتی ہیں۔ بے چارے کرشن کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"ہم اسی طرح ڈرتے رہے تو کرشن کمار کا خواب شاید کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔"

"اسے ڈر نہیں' ہماری زبان میں مصلحت کہتے ہیں۔ چھری بغل میں چھپا کر رکھو اور منہ سے رام کے نام کی مالا جپتے رہو۔ دشمن تمہیں گیان دھیان میں مصروف دیکھ کر غافل ہوجائے تو پھرتی اور خاموشی سے چھری کا تیز دھار پھل اس کے دل میں اتار دو۔ اس وقت ہمیں' تمہیں اور ہمارے سب ساتھیوں کو یہی کرنا ہے۔ جو اس راستے سے ہٹا' وہ مارا جائے گا۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔ اتنی احتیاط تو کرشن نے بھی نہیں بتائی تھی۔ اس طرح میرا دم گھٹنے لگے گا۔"

"کرشن نے وقت کے مطابق احتیاط نہیں کی اور مارا گیا۔ میں محتاط ہوں اور زندہ ہوں۔ تم سے بہت باتیں ہوگئیں۔ اپنی پناہ گاہ میں چھپ کر ان پر غور و فکر کرو گے تو تمہیں میری باتوں میں تجربے کا ٹھہراؤ نظر آئے گا۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"

میجر بخشی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس کی کہی ہوئی بہت سی باتیں بے انتہا اہمیت کی حامل تھیں۔ اکھنڈ بھارت کا دیومالائی کھیل پورے زور و شور سے جاری تھا۔ اس کے جنم واصل ہوجانے والے کردار آواگون کے نظریے کے تحت روپ' جسم اور چہرے بدل بدل کر سامنے آرہے تھے۔ کوئی چھپ کر اور کوئی برسرِعام مصروفِ کار تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ میجر بخشی نے ہمارے قائم کیے ہوئے اس نظریے کی تصدیق کردی تھی کہ کرشن کمار نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کے اشارے پر براہِ راست کام کررہا تھا۔ اس کا سفارتی عملے میں چھپے ہوئے راکے اہل کاروں سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے میں اپنے کمرے میں مسہری پر نیم دراز رہا۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق کچن میں مصروف تھی۔ میری محویت کا سلسلہ ویرا کی مداخلت سے ختم ہوا۔ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی' بے دھڑک کمرے میں گھس آئی تھی۔

"سنا ہے کہ آج تم مسلسل فون پر مصروف ہو۔ یہاں چھپ کر کس سے باتیں کررہے تھے؟" اس نے آتے ہی کہا۔

"میمن گوٹھ کے گردونواح میں واقعات کو ایک خاص رنگ دینے کے لیے جو محنت کی گئی تھی' وہ مطلوبہ نتائج سامنے نہیں لاسکی۔ امریکی تفتیش میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں اور اصل واقعات کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوتے نظر آرہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔"

ویرا بے تکلفی سے مسہری کے سرے پر آبیٹھی تھی۔ میں فوراً ہی کنارے سے دور سرک کر نیم دراز ہوگیا۔

"حصہ کیا لے رہے ہوں گے' وہ تفتیشی افسران کے سروں پر سوار ہوں گے۔ چھوٹے ملکوں میں مامور ہر امریکی سفارتی افسر خود کو اعلیٰ ترین مقامی حکام سے بھی برتر سمجھتا ہے اور ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔"

"وہاں بھی شاید یہی ہو رہا ہے۔" میں نے اعتراف کیا "اصل خرابی یہ ہے کہ ایس ٹی ایف والے اپنا کام مکمل کرکے میمن گوٹھ سے بالکل الگ تھلگ ہو چکے ہیں اور وہ پولیس کیس بن چکا ہے۔ پولیس والوں کو ان واقعات کے پس منظر اور پیش منظر کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ روایتی انداز میں کام آگے بڑھا رہے ہیں۔ امریکیوں کی شمولیت کی وجہ سے آئی بی یا ایس ٹی ایف والے دخل اندازی نہیں کرسکتے۔"

"اب تک کے نتائج کیا ہیں؟" ویرا نے سگریٹ سلگانے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہاں ہونے والے واقعات ان کے سامنے آچکے ہیں۔ صرف کرشن کمار کی تلاش جاری ہے۔ وہ وہاں شیرو کے نام سے روپوش تھا۔ اول خان نے بتایا ہے کہ پولیس پارٹی روی کی تلاش میں کسی بھی وقت موہن ہاؤس پر دستک دے سکتی ہے۔"

"تمہیں فوری طور پر ماروتی کو ہوشیار کردینا چاہیے۔" اس نے بے ساختہ تجویز پیش کی۔

"یہ کارِ خیر میں پہلے ہی کرچکا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "ابھی وہ شیرو کی تلاش میں ہیں۔ روی ہاتھ آگیا تو کرشن کمار کا نام کھل جائے گا' شیرو کی تلاش ختم کردی جائے گی۔ وہ ہاتھ نہ آیا تب بھی دیر سویر کے بعد کرشن کمار اور شیرو کا معمّا حل ہوجائے گا۔"

اس بارے میں ویرا پوری طرح میری ہم خیال تھی۔ کرشن کمار اور شیرو کے نام سے امریکیوں کی کمزور پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔ جی اور ڈیوڈ کی ہلاکتوں پر کسی قسم کا احتجاج کرنے سے پہلے انہیں اس بنیادی سوال کا جواب فراہم کرنا تھا کہ وہ دونوں شیرو یا کرشن کمار سے کیوں ملنے گئے تھے۔ اس نے اول خان کے تمام اندیشوں کو خود ساختہ اور چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق قرار دے کر مسترد کردیا تھا۔

ویرا کی دوسری اور سوچی سمجھی رائے تھی کہ روی موہن اپنی روپوشی کو طول دے کر بلاوجہ اپنے خلاف شکوک و شبہات کو ہوا دیتا۔ اسے روپوشی ترک کرکے پولیس کے سامنے اپنا بیان قلم بند کرا دینا چاہیے تھا تاکہ الجھنیں ختم ہوسکیں۔ اس نکتے پر میں اس سے متفق نہیں تھا۔ کرشن کمار کے بارے میں یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اور تھر کے علاقے میں انتہائی مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ اس کا گہرا دوست ہونے کی وجہ سے روی سنگین مشکلات میں پڑسکتا تھا۔

ہماری گفتگو کے دوران میں ڈور بیل بجی۔ چند منٹ بعد سلطان شاہ نے کمرے کے دروازے پر آکر اول خان کی آمد کی اطلاع دی۔ ہم دونوں اس کے ساتھ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ اول خان تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر نیم دراز تھا۔

رسمی مزاج پرسی کے بعد ویرا نے اس سے متجسس لہجے میں پوچھا "میمن گوٹھ کی کیا خبریں ہیں؟"

"صوبائی ہیڈ کوارٹرز میں بریفنگ کے بعد اعلیٰ پولیس افسران نے فوری طور پر سارے معاملات اپنی نگرانی میں لے لیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شام تک ہر بات بالکل واضح ہو جائے۔"

"میمن گوٹھ سے شیرو نامی ایک ملزم غائب ہے اور کراچی میں کرشن کمار نامی کسی شخص کی لاوارث لاش ملی ہے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "پولیس والے ان دونوں واقعات کو یک جا کریں تو انہیں روی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

"یہی کیا جارہا ہے۔" اس نے سر ہلا کر کہا "لاش کی کئی زاویوں سے لی گئی رنگین تصاویر گرین فارم کے مزدوروں اور گارڈز کو دکھانے کے لیے تیار کی جارہی ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی اکلوتی تصویر سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ روی کی تلاش میں جانے والی پولیس پارٹی بھی ناکام لوٹی ہے۔"

"وہی نہیں' اب تک ماروتی بھی اپنے گھر سے غائب ہوچکی ہوگی۔" میں نے ہنس کر بتایا۔

"امید ہے کہ کل تک وہاں کے حالات قابو میں آجائیں گے۔ امریکیوں کے جارحانہ تیور دم توڑ رہے ہیں۔ حقائق سامنے آنے کے ساتھ ساتھ وہ مدافعانہ پوزیشن میں پسپا ہو رہے ہیں۔ آئی جی اور ڈی آئی جی کی دخل اندازی سے بہت فرق پڑا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کل تک روی کی گرفتاری


Downloaded from https://paksociety.com

کے وارنٹ واپس لے لیے جائیں۔ مجھے اس کے بارے میں فکر ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا ہمدردی ہوگئی؟" ویرا نے بھویں چڑھا کر استہزائیہ انداز میں پوچھا "ماروتی سے بند کمرے کے تخلیے میں ڈینی کی ملاقات ہوئی تھی اور ساری فکر مندی تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" اول خان نے برا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا "حیدر آباد سے ہری چند غائب ہوچکا ہے۔ روی یا ماروتی سے ہی اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوسکیں گی۔"

"اوہ! اسے تو ہم بھول ہی بیٹھے تھے۔" سلطان شاہ بولا۔ "روی کے بعد ہمیں اس کا رخ کرنا چاہیے تھا۔"

"زیادہ نہیں' بس تھوڑی سی تاخیر ہوئی اور وہ نکل گیا۔ شاید اسے معلوم ہوگیا تھا کہ ہم لوگ روی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔" اول خان نے وضاحت کی "اب کرشن کمار کے قریبی ساتھیوں میں سے وہی ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ دوسروں کے بارے میں روی سے معلومات حاصل ہونے کی امید ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی "میرے پاس روی اور ماروتی کا موبائل فون نمبر موجود ہے مگر ان سے کیا ہوا پہلا وعدہ وفا کیے بغیر میں ان سے کوئی توقع وابستہ نہیں کرسکتا۔"

"تمہارے پاس اس کا فون نمبر کہاں سے آگیا؟ روی کے پاس تو فون نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے میری ماروتی سے بات ہوئی تھی۔ آدمی کی جیب میں پیسے اور شناختی کاغذات موجود ہوں تو موبائل فون کنکشن ذرا سی دیر میں مل جاتا ہے۔ ماروتی ابھی تک مجھ سے بدظن نہیں ہوئی ہے۔"

"عورت جب خود کسی کو پسند کرتی ہے تو اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کرپاتی۔" ویرا کو اپنا فلسفہ بگھارنے کا موقع مل گیا "اپنی انا کی تسکین کے لیے یہ خود فریبی اس کی ضرورت اور کبھی کبھی مجبوری بن جاتی ہے۔"

"تم نے اول خان کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ ہم بند گلی کے سرے کے بہت قریب ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس سے آگے نکلنے کے لیے ہمیں روی اور ماروتی کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ کرشن کمار کے ساتھیوں کے بارے میں ہگدیش کچھ نہیں جانتا۔"

"ابھی ہمارے سامنے ہری چند کا نام بھی ہے۔ اس سے بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں خود ہری چند بنا ہوا تھا۔" موضوع بدلنے کے لیے میں نے ہنس کر کہا "میں میجر بخشی سے بات کررہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں بخشی کو ہری چند کے بارے میں جو مفروضہ باتیں بتا رہا تھا' اول خان نے انہیں حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے۔"

"میرا اندازہ یہی تھا کہ تم نے ایک سے زیادہ فون کیے ہیں۔" ویرا بول اٹھی "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"آج کل وہ فعال نہیں ہے لیکن کرشن کمار کی سرگرمیوں سے باخبر تھا۔ دوسرے انتہا پسند بھارتیوں کی طرح وہ بھی اکھنڈ بھارت کے بارے میں بہت پرامید ہے۔ اس نے مجھے ہری چند سمجھ کر چند قیمتی مشوروں سے بھی نوازا ہے۔"

"آج کل وہ پرسکون ہے اور اس کے سر سے تمہارا اور ویرا کا بھوت اترا ہوا ہے۔" میجر بخشی سے ہونے والی گفتگو سن کر اول خان نے کہا۔

"تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ اس وقت ڈینی سے نہیں' ہری چند سے بات کررہا تھا۔" ویرا نے ٹوکا "وہ سابق فوجی ہونے کے باوجود ناقابل یقین حد تک ڈرپوک ہے۔ اسے علم ہوجاتا کہ وہ ڈینی سے بات کررہا ہے تو شاید اس کے ہاتھ سے ریسیور ہی نکل جاتا۔"

"اس کا کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "وہ بہت دنوں سے یہاں پل رہا ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کی باقیات کا صفایا نہیں ہوجاتا' ہم کوئی نیا محاذ نہیں کھولیں گے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کیا۔

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں موقوف ہوگیا۔ غزالہ نے سب کو اپنی بدپرہیزی کے اصول کے تحت کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی تھی۔

آدمی کسی کام میں ہمہ تن مصروف ہو تو وقتی طور پر اپنی بھوک پیاس کو بالکل بھولا رہتا ہے۔ فرصت اور فراغت میسر ہو تو اسے اس کی ذاتی ضروریات وقفے وقفے سے ستاتی رہتی ہیں۔ میں نے میز پر کھانے کا آغاز ہونے کے بعد محسوس کیا کہ غزالہ کے سوا سب ہی کی بھوک چمکی ہوئی تھی۔ غزالہ کے تیار کیے ہوئے تازہ کھانوں کی تیز خوشبوؤں نے اس اشتہا میں اضافہ کردیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

کھانے کے دوران میں میرا ذہن ماضی قریب کے واقعات کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

ہمارے حصے میں جہاں بہت سی کامیابیاں آتی رہیں وہاں کچھ ناکامیوں کے داغ بھی موجود تھے۔ عارضی طور پر ان ناکامیوں پر ہمیں صدمہ ہوتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کے اسباب خود بخود سمجھ میں آجاتے تھے۔ دشمنوں سے ہونے والی خوں ریز لڑائیوں میں لغزش اور بے خبری کی کوئی معافی نہیں تھی۔ ہر چُوک کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی شکست ہمارے سامنے آئی تھی۔ ہم نے جسمانی نقصانات بھی اٹھائے تھے مگر یہ غنیمت تھا کہ اپنی محدود تعداد کے باوجود ہم جانی نقصان سے ہمیشہ محفوظ رہے تھے اور خدا کی نصرت و تائید سے ہماری نفری برقرار تھی۔

کرشن کمار سے ہونے والی لڑائی کے بارے میں غور کرتے ہوئے ایک نکتے پر میرا ذہن الجھ گیا۔

کرشن کمار نے مجھ سے پہلی اور آخری مرتبہ فون پر بات کرتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ ہم نے مراد ظریف کو آزاد یا اس کے حوالے نہ کیا تو وہ امریکیوں سے ہمارا سودا کرلے گا۔ گرین فارم پر جی اور ڈیوڈ کی موجودگی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ کرشن کمار نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھوس کارروائی شروع کردی تھی اور گرین فارم پر آپریشن شروع ہونے سے پہلے اسے امریکیوں سے مذاکرات کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

کرشن کمار حیدر آباد سے واپس آنے والی ہماری گاڑی کے تعاقب کے نتیجے میں ہمارے پتے سے واقف ہوچکا تھا۔ اپنے تین آدمیوں کا مشن ناکام ہونے کے بعد وہ خود اسلحے کے بل پر ہمارے گھر میں گھس آیا تھا۔ پھر اول خان کے ذریعے جگدیش، ماروتی اور روی سے ہوتا ہوا، ہمارا فون نمبر بھی اس تک پہنچ چکا تھا۔ نہیں معلوم کہ اس نے امریکیوں سے کیا مذاکرات کیے تھے اور انہیں ان معلومات میں کس حد تک شریک کیا تھا۔

اگر کرشن کمار نے مرنے سے پہلے امریکیوں کو ہمارے پتے یا فون نمبر سے آگاہ کردیا تھا تو ہم اس گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی محفوظ نہیں تھے۔ امریکیوں کو سراغ رسانی اور تباہ کاری پھیلانے کے سلسلے میں ابتدا سے ہی ایسے جدید ترین وسائل دستیاب رہے تھے جن کا توڑ کرنا ناممکن تھا۔

کرشن کمار اور امریکیوں کے مذاکرات کہاں تک پہنچے تھے اور اس نے ہمارے بارے میں انہیں کیا بتایا تھا۔ اس وقت ان دو سوالوں بلکہ عملی طور پر ایک سوال کا جواب ہماری بقا کے لیے اہم تھا۔ صحیح جواب اور صحیح فیصلہ ہماری زندگیوں کا ضامن تھا۔ فیصلے کی ذرا سی بھی غلطی ہم چاروں کے لیے ہولناک پیغام اجل ثابت ہوسکتی تھی۔ میں اس بارے میں جتنا سوچتا رہا، وہ نکتہ اسی قدر گمبھیر ہوتا چلا گیا۔

کھانے سے فارغ ہوکر ہم ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔ اس بار غزالہ بھی ہمارے درمیان موجود تھی۔

جب اول خان نے بند کھول کر اپنے جوتے اتارنے شروع کیے تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی "معلوم ہوتا ہے کہ تم میمن گوٹھ کے معاملات سے بالکل ہی بے فکر یا فارغ ہوگئے ہو۔ اب تمہارے لیے وہاں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔"

"اگر تمہیں میری موجودگی گراں گزر رہی ہے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"سوال تمہاری موجودگی کا نہیں، وہاں ہونے والے واقعات سے باخبر رہنے کا ہے۔"

"کرشن کمار کو لانے کے بعد میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آئی بی والوں کی طرح میرے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ مجھے یہیں رپورٹ دیں گے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ بیشتر محکموں کے اعلیٰ حکام مجھ سے واقف ہیں۔ کراچی میں میری طویل پوسٹنگ کی وجہ سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مجھے پہچان لیتا ہے۔ ہم نے اپنے طور پر ایک بڑی کارروائی کر ڈالی ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے میں غیر ضروری طور پر ایس ٹی ایف کا نام لیا جائے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اس سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ واقعات نامعلوم لوگوں سے منسوب رہیں تو بہتر ہوگا۔ تمہیں ہدف سے غرض تھی جو حاصل کرلیا گیا۔"

"اب اجازت ہو تو دوسرا جوتا بھی اتار دوں۔" اول خان نے ویرا سے پوچھا۔

ویرا ایک ڈھیٹ لڑکی تھی مگر اس وقت شرمندہ ہوگئی "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔" اس کے بعد اپنی طرف سے سب کی توجہ ہٹانے کے لیے فوراً ہی میری طرف متوجہ ہوگئی "تم کیوں بقراط بنے بیٹھے ہو؟"

"ہاں، میزبر بھی تم بالکل خاموش تھے۔" اول خان، ویرا کے جھانسے میں آکر مجھ سے پوچھ بیٹھا۔

"ایک سنگین مسئلہ ذہن سے چپکا ہوا ہے۔" میں نے انہیں اپنی تشویش میں شامل کرتے ہوئے کہا "کرشن کمار


Downloaded from https://paksociety.com

ہمارے پتے اور فون نمبر سے واقف تھا۔ اس نے جمی اور ڈیوڈ کو ہمارے بارے میں کیا کچھ بتا دیا تھا؟"

"جو کچھ بھی بتایا ہو' وہ ان کے ساتھ' ان کے سینوں میں جہنم واصل ہو گیا۔" ویرا نے جواب دیا۔

"تم بھول رہی ہو کہ مرنے سے پہلے انہوں نے موبائل فون پر اپنے بڑے افسران سے رابطہ کر کے گڑبڑ کی خبر دی تھی۔ ہمارے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہوا ہو گا تو انہوں نے فون پر معلومات بھی آگے بڑھا دی ہوں گی۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔

"امریکی ہماری اس کمین گاہ سے واقف ہو چکے ہیں تو ہم یہاں ہرگز محفوظ ہیں۔"

"کرشن کمار انعام کی خطیر رقم حاصل کرنے کے لیے ایک مخبر کے روپ میں ان سے ملا تھا۔ ان سے سودا ہوئے اور رقم وصول کیے بغیر وہ یہ باتیں بتا کر اپنے ہاتھ پیر نہیں کٹوا سکتا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ ابتدائی ملاقات تھی۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی "وہ خالی ہاتھ آئے ہوں گے۔ انہوں نے اتنی بڑی رقم کرشن کمار کو دی ہوتی تو وہ اس کے قبضے سے یا کانیج سے برآمد ہوتی۔ رقم لیے بغیر وہ انہیں کچھ بتانے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہاں کوئی رقم نہیں پائی گئی۔"

"اس کے پاس کچھ نہیں تھا' کانیج کی تلاشی لینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔" اول خان نے اس کی تصحیح کی۔

"ہم سب عجلت میں بولے جا رہے ہیں۔ ڈینی کا یہ سوال زیادہ توجہ کا طلب گار ہے۔" ویرا کو بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔

"اس نے انہیں کچھ بتایا ہوتا تو وہ پوچھ گچھ کے دوران میں اس حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "وہ ہمیں بددعائیں ضرور دے رہا تھا مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"

"وہ احمق نہیں بہت چالاک تھا۔" ویرا نے موقف بدل لیا "اسے اپنا انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ کچھ بتا دیتا تو ہم ہوشیار ہو کر اپنا ٹھکانا بدل لیتے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اچھا ہے' ہم بے خبری میں مارے یا پکڑے جائیں۔"

"امریکیوں کو اگر رات کو کچھ معلوم ہو گیا تھا تو وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ کیوں دھرے بیٹھے ہیں؟" اول خان نے پوچھا۔

"ابھی وہ میمن گوٹھ میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نمٹ کر ہمارے بارے میں سوچیں گے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"وہاں ان کے صرف تین آدمی ہیں۔ اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ تم دونوں ہو۔ انہیں کوئی بھنک بھی مل گئی ہوتی تو وہ پوری طاقت سے تمہارے خلاف حرکت میں آ چکے ہوتے۔"

"کچھ بھی ہو۔ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" ویرا نے جواب دیا۔

"ایسا ہے تو تم چاروں مائیکرو سینٹر منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ساری آسائشیں موجود ہیں۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

مجھے اس تجویز سے شدید اختلاف تھا۔ وہ جگہ فریڈم انٹرنیشنل اور مقبول چوہدری کی وجہ ابتدا سے ہی فساد کا گڑھ بنی رہی تھی۔ مراد ظریف نے وہاں فائرنگ کی تھی۔ وہ جاتے ہوئے امریکی سی آئی اے کے مقامی چیف سے ملا تھا اور شاید اسی ملاقات کی وجہ سے یہ شبہات ظاہر کیے گئے تھے کہ مائیکرو سینٹر سے فریڈم انٹرنیشنل کے اہم ترین عہدے داروں کو اغوا کرنے کے بعد کسی ایجنسی کے اہلکار اس عمارت پر قابض ہو چکے تھے۔

امریکیوں کو کچھ بتایا گیا ہوتا یا نہ بتایا گیا ہوتا' وہ عمارت ہر حال میں مخدوش تھی۔

"پھر تمہارے پاس فوری طور پر صرف اسٹیشن فور رہ جاتا ہے۔" اول خان نے میری پوری بات سننے کے بعد کہا "اس وقت ہم ایک فی صد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔ یہ وہم تمہارے ذہن میں آیا ہے' ویرا تم سے متفق ہے۔ اسی وقت یہاں سے چل دو۔"

"تم چھت پر چلے جاؤ اور آس پاس نگاہ رکھو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "ہمیں بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بس ذہنی طور پر ہر خطرے کے لیے تیار رہنا ہو گا۔ وہ سڑک کے راستے ہی آئیں گے اور مزہ چکھ لیں گے۔"

"خطرے کا احساس ہو جانے کے باوجود تم یہاں رکے رہنے پر مصر ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔ سلطان شاہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈرائنگ روم سے نکل چکا تھا۔

"یہ گنجان آبادی ہے۔ یہاں وہ کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکتے۔ آئیں گے اور چوروں کی طرح گھر میں گھسنے کی کوشش کریں گے یا پھر وہ دو چار دستی بم پھینک کر بھاگ نکلیں گے۔ ہم ان کے استقبال کے لیے اب تیار ہیں۔ رات کے لیے تم اپنے دو آدمی بھیج دینا۔"


Downloaded from https://paksociety.com

"دو نہیں' میں دس آدمی بھیج دوں گا لیکن یہ کوئی دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے۔"

"اب ان سے براہِ راست دو دو ہاتھ کرنے کا موقع آگیا ہے۔ ان کے خوف سے ہم کب تک ٹھکانے بدلتے رہیں گے۔"

"کبھی کبھی تم میرے لیے بالکل ناقابلِ فہم ہوجاتے ہو۔" اول خان اپنا سر جھٹک کر بولا۔

وہ موضوع اس قدر سنگین تھا کہ دیر تک اسی کے مختلف پہلوؤں پر بات ہوتی رہی۔ غزالہ مصر تھی کہ اس کی رائے درست تھی۔ ویرا کو خطرہ سر پر منڈلاتا ہوا نظر آرہا تھا اور میں بدستور اپنے فیصلے پر قائم تھا۔

پانچ بجے اول خان کے ایک آدمی کا فون آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ کراچی میں ملنے والی' کرشن کمار کی لاش کی رنگین تصاویر کو شناخت کرلیا گیا تھا۔ شاید امریکیوں کو کرشن کمار کے اصل کردار کا علم تھا۔ شناخت کے بعد ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے جسے دن بھر کی شدید تکان کا نام دے کر وہ میمن گوٹھ سے واپس کراچی کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔

"اب کل تک روی کے حق میں کوئی فیصلہ جاری ہوجائے گا۔" اول خان نے اپنے آدمی کی رپورٹ سے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سب ہی کے لیے انتظار کے لمحات صبر آزما تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے اول خان کے طلب کیے ہوئے دونوں آدمی اپنی پوری تیاری کے ساتھ آگئے۔ وہ اندھیرے میں دور تک دیکھنے والی انفرا ریڈ دوربینوں' رائفلوں' مہلک دستی بموں اور دوسرے ضروری سامان سے لیس تھے۔

میں نے اول خان کے ساتھ چھت پر جاکر ان دونوں کو متوقع خطرات اور ان کی ذمّے داریوں کے بارے میں بریف کیا پھر اپنی حفاظت کا ذمّہ ان دونوں پر چھوڑ کر ہم تینوں نیچے آگئے۔

اول خان نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزار لیا تھا۔ اسے جس فون کا انتظار تھا' وہ آچکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی رخصت ہوگیا۔

"اب ہمیں وقت ہے۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے کہا "اسٹیشن فور چل دو۔ جیسے جیسے رات گہری ہوتی چلی جائے گی' ان کی طرف سے حملے کے امکانات بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہم میں سے کسی کو زخم بھی آیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"سب کی نہیں' صرف اپنی بات کرو۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میں ڈینی کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرسکتا ہوں۔"

"میں نے بھی کبھی پشت نہیں دکھائی۔ اس وقت حالات مختلف ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے!"

"وہ غیر ملکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو چار آدمی آئیں گے' کوئی لشکر دھاوا نہیں بولے گا۔ تمہارا دم کیوں نکلا جارہا ہے۔ اس وقت ہم چھ افراد ہیں۔ کیا ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے؟"

"بھاڑ میں جاؤ اور میری بات لکھ لو۔" وہ بھنّا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی "آج رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ میری رگوں میں امریکی خون دوڑ رہا ہے۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"یہ تمہاری رگوں میں دوڑتے ہوئے امریکی خون کی خرابی ہے کہ تم پر خوف سوار ہورہا ہے۔"

"اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا' میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔" اس نے مڑ کر ہم تینوں سے کہا "جب بھوک لگے گی' خود کچن سے کھانا لے کر کھالوں گی۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنی شام برباد نہیں کرسکتی۔"

"تمہارے ہم وطن آگئے تو ہم انہیں تمہارے کمرے میں ہی بھیج دیں گے۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

اس بار ویرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غزالہ اس نوک جھوک پر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔

ہم نے وقت گزاری کے لیے ٹیلی ویژن کھول لیا۔ اس رنگین ڈبے پر نظر آنے والے پروگراموں سے ہم میں سے کسی کو رغبت نہیں تھی۔ بس مشینی انداز میں کبھی کبھار اسے دیکھ لیا جاتا تھا۔ کچھ پروگراموں کے بعد خبرنامہ شروع ہوا تو اس میں چوتھی خبر میمن گوٹھ میں ہونے والے پراسرار حادثے کے بارے میں تھی۔ ابتدائی تین خبریں درجہ بدرجہ عمائدینِ سلطنت کی مصروفیات اور بیانات پر مشتمل تھیں۔

شاید اوپر کی ہدایات پر نشریات کی وزارت نے میمن گوٹھ کے واقعات کو زیادہ اہمیت دی تھی۔ اس خبر میں سب کچھ وہی تھا جو ہمیں اول خان سے معلوم ہوچکا تھا۔ اضافی بات یہ تھی کہ حکام نے پاکستان میں کرشن کمار کی غیر قانونی موجودگی کو بہت سرعت سے بے نقاب کردیا تھا۔ خبر کے آخر میں یہ واضح کردیا گیا تھا کہ ساری توجہ اس مجبوری پر مرکوز کردی گئی تھی جو مرنے والے امریکیوں کو ایک غیر قانونی

Downloaded from https://paksociety.com

تارک وطن کے در پر لے گئی تھی۔

امریکیوں کے تازہ زخم پر نمک پاشی کے لیے وہ آخری اعلان بہت ضروری تھا۔

کھانے کے بعد ہم خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنے کمرے میں بیٹھی' غزالوں کی لے پر اسکاچ سے شغل کر رہی ہوگی۔ اس وقت اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں تھی۔

بستر پر پہنچنے کے نصف گھنٹے بعد غزالہ گہری نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔ وہ دن بھر گھر کے کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھکی ہاری تھی پھر اس کا ذہن بالکل صاف تھا۔ اس نے خطرے کے ہر امکان کو یکسر مسترد کردیا تھا اس لیے اس کی نیند میں کوئی چیز حارج نہیں ہوسکی۔ میری کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔ ذہنی اور اعصابی تکان کے باوجود نیند کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔

دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے اور کئی سگریٹیں ختم کرنے کے باوجود جب نیند کے آثار نمودار نہ ہوئے تو میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور سلیپر پہن کر دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں رک کر میں نے ویرا کے بند دروازے کے پیچھے کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر وہاں رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ کیسٹ پلیئر بند ہوچکا تھا اور ویرا اپنا کوٹہ پورا کرنے کے بعد گہری نیند سو چکی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بجا رہی تھی۔

میں زینوں کی طرف ہولیا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں ہی بھڑکے تھے۔ اس وقت ایک بوتل سے منہ لگا کر پانی پی رہا تھا۔ دوسرا ٹرائی پوڈ پر لگی ہوئی دوربین پر جھکا گلی کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں اپنی رائفلیں سنبھال کر جھٹکے سے سیدھے ہوئے تھے پھر مجھے پہچان کر ان کے تنے ہوئے بدن ڈھیلے پڑگئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور دوربین والا دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

وہ دونوں پوری ذمے داری سے اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک تھے۔ اس وقت تک انہیں سڑک پر کوئی غیر معمولی نقل و حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے کچھ دیر ان کے پاس رک کر ایک سگریٹ ختم کی' سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ کچھ تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں جذب کی اور وہاں سے لوٹ آیا۔

میری وہ بے نام بے چینی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں بستر پر کروٹیں بدلے جارہا تھا اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی اور اعصابی کشیدگی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

رات کے تین بجے' گھر کے گہرے سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی اور میں بری طرح چونک گیا۔ دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا چکا تھا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم جاگ رہے ہوگے۔" دوسری طرف سے اول خان کی آواز گمبھیر اور نیند کے خمار سے عاری تھی۔

"کیا تم نے صرف یہی جاننے کے لیے اس وقت فون کیا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری چھٹی حس بلاوجہ خطرے کی گھنٹی نہیں بجا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دھماکوں سے اڑادیا۔" اول خان کے انکشاف نے لمحے بھر کے لیے مجھے ہلادیا۔

باہمی مشوروں کے نتیجے میں اگر ہم خوف زدہ ہوکر مائیکرو سینٹر منتقل ہوگئے ہوتے تو ہماری لاشیں اسی عمارت کے ملبے میں دفن ہوکر رہ جاتیں۔ وہ کہہ رہا تھا "میرا آدمی اس حادثے میں موت کے منہ سے بال بال بچا ہے۔"

"ہوا کیا تھا؟ کیا وہاں کوئی ٹائم بم پھٹا ہے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"وہ دو نقاب پوش تھے۔ سر سے پیر تک' ان کے جسم کا ہر حصہ ڈھکا ہوا تھا۔ ہاتھوں پر دستانے تھے۔ وہ ایک جیپ میں توحید کمرشل پہنچے اور انہوں نے موٹے بیرل والی چھوٹی چھوٹی گنیں اپنے شانوں سے ٹکا کر گیراج والے نچلے حصے پر دو بم فائر کیے۔ بموں نے بنیادوں اور نچلے ستونوں کو توڑا اور پوری عمارت مہیب آوازوں کے ساتھ نیچے آتی چلی گئی۔"

"اور وہ دونوں بھاگ گئے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے پوچھا۔

"جیپ کا انجن اسٹارٹ تھا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مشکل سے رکے۔ دونوں نے ایک ایک فائر کیا اور فرار ہوگئے۔"

"میں پہلی بار ایسی کسی گن کے بارے میں سن رہا ہوں۔" "وہ یقیناً کوئی جنگی ہتھیار رہا ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ گوریلا لڑائیوں میں امریکی فوجی کم فاصلے پر تباہی پھیلانے والے چھوٹے گولے فائر کرنے کے لیے ایسی گنیں استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ دونوں بھی امریکی

Downloaded from https://paksociety.com

رہے ہوں گے۔ ایسے ہتھیار عام دسترس میں نہیں ہیں۔"

"تم شاید اپنے گھر سے بول رہے ہو۔ تمہیں یہ اطلاعات کیسے ملیں؟" میں نے سوال کیا۔

"مائیکرو سینٹر کی چوکیداری پر مامور' ایس ٹی ایف کا سپاہی نسوار کھانے کی عادت میں مبتلا ہے۔ اس کی ڈبیا خالی ہوگئی تھی اور اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ حملے سے چند منٹ پہلے وہ دروازہ مقفل کرکے اپنے کسی دوست سے نسوار لینے نکلا تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے مائیکرو سینٹر ملبے میں تبدیل ہوچکا تھا۔ نسوار کھانے کی بری عادت نے آج اس کی زندگی بچائی۔"

"کھوئے سے ی' ت کھ' کبھی بری عادتیں بھی انسان کے کام آجاتی ہیں۔ تمہارا آدمی بچ گیا' زخمی ہوا' تو ہلاک یا زخمی نہیں ہوا؟" میں اول خان کی زبان سے زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"امکان نہیں ہے۔ انہوں نے گراؤنڈ فلور کو نشانہ بنایا اس لیے آس پاس کی عمارتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ صحیح صورت حال کچھ دیر بعد واضح ہوسکے گی۔ تم نے پچھلی شام کو ہی مائیکرو سینٹر کو سب سے زیادہ غیر محفوظ قرار دیا تھا اور اب یہ خبر آگئی۔"

"اس خبر سے ہمیں اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم کس کا حوالہ دے رہے ہو؟" اول خان نے بے ساختہ سوال کیا۔

"کرشن کمار نے انہیں ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس بارے میں غزالہ کا اندازہ سو فیصد درست تھا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا۔ مجھے تو دونوں باتوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔"

"جانی نقصان اور ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لیے انہیں کوئی مضبوط ترین ہدف درکار تھا۔ انہیں ہمارا پتا معلوم ہوتا تو وہ ادھر کا رخ کرتے۔ جان اسمتھ کو معلوم تھا کہ مقبول چوہدری کے غائب ہونے کے بعد کوئی ایجنسی مائیکرو سینٹر پر قابض ہے اور وہ ہمیں ایجنسی کا آدمی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہم وہیں مقیم ہیں اور کرشن کمار یہ بتانے کے لیے انعامی رقم مانگ رہا تھا۔ انہوں نے وہیں حملہ کردیا۔"

"یعنی یہ حملہ مائیکرو سینٹر پر نہیں' تمہاری اور ویرا کی پناہ گاہ پر کیا گیا ہے!"

"ہاں اور اب میں وہاں کی تباہی کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد کرو گے۔ اس عمارت سے ہماری کیا وابستگی ہے۔ اکرام الٰہی نے حرام کے پیسے سے بنوائی تھی۔ وہ اسی طرح ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ مال حرام بود' بہ جائے حرام رفت۔ ہمیں اس سے کیا لینا!"

"تمہارا آدمی وہاں ہے۔ اس کا سامان ملبے میں رہ گیا ہوگا۔" میں نے اسے آمادہ کرنے کے لیے کہا۔

"سپاہی کا سامان ہی کیا ہوتا ہے۔ ایک جوڑا اور ہتھیار۔ اس کا ہتھیار اس کے ساتھ تھا۔ ایک جوڑا میں اسے لے دوں گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ خاموشی سے اسٹیشن فور واپس چلا جائے۔"

"انہیں جب علم ہوگا کہ عمارت میں کوئی ذی روح نہیں تھا تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔"

"ہ' یں بھلا' کر سونے کی کوشش کرو۔ اب تمہاری بے چینی دور ہوجانی چاہیے۔ ہاں یہ بھی سن لو کہ روی کے وارنٹ واپس لے لیے گئے ہیں۔ کرشن کمار کے بارے میں بہت تیزی سے ہر بات معلوم کرلی گئی ہے۔"

"یہ تفصیل میں نے خبرنامے میں سن لی تھی۔ روی کی خوش خبری تم سنا رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی جاگ رہا ہے یا سب سوئے ہیں؟"

"سب سو رہے ہیں۔ میں ابھی تمہارے آدمیوں کے پاس سے ہو کر آرہا ہوں۔ صبح انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ یہاں رہ کر بے چارے بلاوجہ بے آرام ہوتے رہیں گے۔"

"ابھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ دو چار دن تک احتیاط ضروری ہے۔ زخمی ناگ پلٹ پلٹ کر وار کرتا ہے۔" اس نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا "صبح میں ان کو بلا کر' ان کی جگہ نئے آدمی بھیج دوں گا۔ چند دنوں تک دن اور رات میں ڈیوٹیاں بدلتی رہیں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" میں بے بسی سے ہنس پڑا "بعض اوقات تم ہمیں ضرورت سے زیادہ نازک سمجھنے لگتے ہو۔"

"تمہاری سکون کی نیند کے لیے میں پورا دستہ بھی بھیج سکتا ہوں۔ مجھ سے ان معاملات پر بحث مت کیا کرو۔"

"فی الحال میرا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں جان اسمتھ کی خبر لینا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت تم کیا کرو گے؟ وہ کہاں ملے گا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔


Downloaded from https://paksociety.com

"فون پر ملے گا۔ اسے کچھ ایسی خوراک دوں گا کہ اس کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"اس کا فون نمبر تمہیں کہاں سے ملے گا؟" اول خان کی حیرت برقرار تھی۔

"وہ اوبرائن کی جگہ آیا ہے۔ اسی کے فلیٹ میں رہ رہا ہوگا۔ وہاں کا فون نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔"

"سی ایس ڈی ضرور آن کر لینا۔" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ میری تجویز سے محظوظ ہوا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "اس کے بعد تم سکھ کی نیند سوؤ گے۔ اور وہ کسی پاگل کی طرح رات بھر جاگتا رہے گا۔"

ہم دونوں نے جان اسمتھ کی شان میں چند بے تکلفانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور بات ختم کر دی۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میری بے چینی حیرت انگیز طور پر دور ہو چکی تھی۔ وہ شاید میری چھٹی حس کا کرشمہ تھا کہ میں نے وقت سے پہلے خطرے کی بو محسوس کر لی تھی۔ بے چینی ختم ہونے کے باوجود مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے گہری نیند سوئی ہوئی غزالہ کے خواب انگیز سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس کی نیند میں خلل پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

اول خان ایک ذمے دار آدمی تھا۔ کبھی کوئی کچی بات منہ سے نہیں نکالتا تھا۔ میں نے ہمیشہ اس کی کہی ہوئی بیشتر باتوں کو سند کے طور پر لیا تھا اور مجھے کبھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر طرف سے تصدیق کیے بغیر روی والی بات نہیں کہی ہوگی۔

میں نے جان اسمتھ سے پہلے وہ خوش خبری ماروتی تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ خبر اتنی بڑی تھی کہ میں اس وقت بھی روی اور ماروتی کی نیند خراب کر سکتا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم سے فون ملایا تو دوسری گھنٹی پر ایک غنودہ مردانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ ماروتی یا روی سے بات کرا دو۔" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ماروتی بے خبر سو رہی ہے۔ میں روی بول رہا ہوں۔ چاہو تو مجھ سے بات کر لو ورنہ میں اسے جگا دوں۔" اس کی آواز سے نیند کا نشہ بہت حد تک کافور ہو گیا۔ مجھے مان لینا پڑا کہ وہ اپنی بیوی کی آزادیوں کے بارے میں غیر معمولی حد تک فراخ دل تھا۔

"تمہارے لیے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ صبح تم بے فکر ہو کر اپنے گھر جا سکتے ہو۔ اب وہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"اوہ ..... گریٹ.....!" ریسیور پر روی کی مسرت آمیز آوازیں ابھریں۔ "ماروتی نے تمہارے بارے میں سچ کہا تھا۔ تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔"

"شکریہ اب تم آرام کرو۔ پھر کسی بھلے وقت پر تم سے ملاقات ہوگی۔"

"اس سے زیادہ بھلا وقت اور کیا ہوگا۔ کل شام تم ہمارے ساتھ چائے پیو گے۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"

میں دل سے اس ملاقات کا خواہاں تھا مگر میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا "میں کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں' وعدہ کرو میرے دوست!" اس نے اصرار کیا "ماروتی نے مجھے بتایا ہے کہ تمہاری مسلمانی بہت مضبوط ہے اور تم شراب نہیں پیتے اس لیے تمہیں چائے پر مدعو کر رہا ہوں ورنہ ہم تینوں مل کر کاک ٹیل پارٹی اڑاتے۔"

"میں ایک شرط پر وعدہ کر سکتا ہوں کہ تمہارے بڑے بھائی ہماری محفل میں شامل نہ ہوں۔"

"ارے! تم بھایا جی کی فکر نہ کرو۔ وہ مجھ سے اور میرے دوستوں سے دور رہتے ہیں۔ ان پر ہر وقت بزرگی سوار رہتی ہے۔" اس کی آواز سے ایسی بشاشت مترشح تھی جیسے وہ سرے سے سویا ہی نہ ہو۔"

میں نے اس سے وعدہ کر لیا اور بات ختم ہو جانے کے بعد کئی منٹ تک سوچتا رہا کہ اس نے شراب نوشی سے پرہیز کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ کہا تھا' وہ اس کی طبیعت کے لاابالی پن کا نتیجہ تھا یا اس نے لطیف پیرائے میں مجھے یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہر بات سے باخبر تھا۔

کسی نتیجے پر نہ پہنچنے کے بعد میں نے اس الجھن کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کا پیغام کچھ بھی رہا ہو' یہ بات طے تھی کہ اس نے مجھے اگلی شام چائے پر مدعو کر لیا تھا جہاں میں اس سے کھل کر بہت سی باتیں کر سکتا تھا۔

وقت بہت خاموشی سے گزرتا چلا گیا تھا۔ میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی سابقہ قیام گاہ کا نمبر ملایا تو وہاں راوی نے عیش و آرام کی ہر تحریر پر قلم پھیرا ہوا تھا۔ پہلی گھنٹی بجنے کے بعد ہی کسی کٹ کھنے سے امریکی کی غراہٹ نے میری طبیعت مکدر کر دی۔

"اگر تم ہی جان اسمتھ ہو تو تم سے فون پر زیادہ دیر بات کرنی ممکن نہیں ہے۔ میرے کان کا پردہ پھٹ جائے گا۔"

"یو سن آف اے گن!" میرے کانوں میں غصیلی آواز گونجی "میں ہی جان ہوں۔ تم کون ہو؟"


Downloaded from https://paksociety.com

"میں تمہاری جان کا روگ ہوں جسے لوگ ڈینی کے نام سے جانتے ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"اوہ... یو...!" اس طرف سے یک بیک مغلظات کا ایک سلسلہ شروع ہوا پھر اچانک ہی لائن ڈراپ ہوگئی۔ کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر سنائی دیا تھا۔ میں نے کریڈل دبا کر فوراً ہی جان کا نمبر دوبارہ ملالیا۔

"اب تم نے کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تو میں تیسری بار تمہارا نمبر نہیں ملاؤں گا۔" میں نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔

"تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا اور میں کال ریکارڈ کرلوں گا۔ مجھ سے ہوائی باتیں مت کرو۔"

"ابھی لائن بلاوجہ ڈراپ نہیں ہوئی تھی۔ میرے فون سے کال سینسنگ ڈیوائس منسلک ہے۔ تم اپنے ریسیور کے ساتھ کسی بھی دوسرے آلے کو چھیڑو گے اور لائن خود بہ خود بند ہوجائے گی۔ یہ کوئی ہوائی بات نہیں ہے۔"

"نہیں ہوگی۔" اس نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی جیسی حساس چیزیں زرد جاپانیوں نے تم کالوں تک پہنچا دی ہوں گی۔ تم بولو میں سن رہا ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ تم نے مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو تمہارا وقت ضرور پورا ہوجائے گا۔"

"ہذیان بکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا ہے۔" اس کی آواز میں تجسس تھا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہو۔ تم نے مائیکرو سینٹر کو تباہ کرکے اچھا نہیں کیا۔ میری فون کال اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے ٹھکانے سے واقف ہوں اور مائیکرو سینٹر میں ہونے والی دس اموات کے بدلے تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔"

"اوہ! وہاں دس آدمی مرے ہیں۔" اس کی آواز سے خوشی مترشح تھی "اب تمہارا دماغ کچھ ٹھکانے پر آگیا ہوگا۔"

"آدمی نہیں، صرف چوہے مرے ہیں!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "خالی عمارتوں میں صرف چوہے پروان چڑھتے ہیں۔ ان کے لیے ادارۂ تحفظ حیوانات تم سے جواب طلب کرے گا۔ میں ان کا بدلہ تمہارے خون سے لوں گا۔"

"اب یہاں اوبرائن جیسا فلسفی نہیں، میں رہتا ہوں۔ تم اس عمارت کے قریب بھی پھٹکے تو تمہارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے تحفظ کے لیے ہر قسم کی آزادی میسر ہے۔ تمہارے خلاف اس آزادی کو بے رحمی سے استعمال کیا جائے گا۔"

"یہ آزادی جمی اور ڈیوڈ کو بھی حاصل تھی۔ ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"مجھے شبہ تھا کہ اس واقعے میں تم ہی ملوث ہوسکتے ہو۔ تمہارے خلاف فردِ جرم روز بروز سنگین ہوتی جارہی ہے۔"

"وہ اپنی بدحواسی کی وجہ سے کھڈ میں گر کر مرے ہیں۔ انہیں کرشن کمار سے اپنا سودا طے کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ اس سے پہلے میرے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ وہ بھاگے اور خود ہی شرم سے ایک کھائی میں جا گرے۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔"

"ان کی باقیات کا پوسٹ مارٹم ہونے تک ہم خاموش ہیں۔ امریکی ماہروں کا معائنہ مکمل ہونے کے بعد ہر بات سامنے آجائے گی پھر تم دیکھنا کہ تمہیں کون امان دیتا ہے۔ تم پر تمہاری اپنی زمین تنگ کردی جائے گی۔"

"وہ اب بھی بہت تنگ ہے۔ میں چھوٹے سے مکان میں رہتا ہوں پھر بھی تمہاری دسترس سے باہر ہوں۔"

"تمہارے لیے صرف چھ فٹ زیرِ زمین جگہ ہونی چاہیے۔ تم اس سے زیادہ کے حق دار نہیں ہو۔"

"اتنی جگہ اب تک تمہارے آدمیوں کو راس آتی رہی ہے۔ اپنے لیے بھی کہیں بندوبست کرلو۔"

"جمی اور ڈیوڈ کامیاب ہوجاتے تو اس وقت تم ان بڑے بولوں کے لیے آزاد نہ ہوتے۔"

"وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ کرشن کمار نے بنیاد ہی بدنیتی پر رکھی تھی۔ کیا اس بات سے تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں کہ تم لوگوں سے اپنی مخبری کے عوض انعام کا سودا کرنے والا کوئی اور نہیں، راکا ایک منجھا ہوا ایجنٹ تھا۔"

"یہ ہمارا اور ان کا معاملہ ہے۔" جان کی آواز میں مزید تلخی گھل گئی "ہم ان سے اپنے معاملات طے کرنا جانتے ہیں۔ اس بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں مجھ سے تم اپنی بات کرو۔"

"تم وہ لوگ ہو جن پر ان کے دوست اعتماد نہیں کرتے، مجھے تو تم اپنا دشمن شمار کرتے ہو۔ میں تم سے عداوت کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں۔"

"تم نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟" جان نے ترشی سے پوچھا۔

"وہ مقصد میں حاصل کرچکا ہوں۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ مائیکرو سینٹر تباہ کرکے تم نے کچھ حاصل نہیں کیا اور مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہے۔"


Downloaded from https://paksociety.com

"میں اس کثیر المنزلہ عمارت میں رہ کر خوف زدہ نہیں ہوں۔ اوبرائن کا چھوڑا ہوا فلیٹ آباد کرتے ہوئے مجھے اطمینان تھا کہ یہاں میں محفوظ ہوں۔ میرے خلاف اندھا دھند کارروائی کر کے کوئی پاگل ہی سیکڑوں پاکستانیوں کے خون کی ہولی کھیلے گا۔"

"تم ہر وقت فلیٹ میں نہیں رہتے۔ یہاں آتے جاتے بھی ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں اپنے دفتر سے بھی روز آتا جاتا ہوں۔ ہم لوگ اتنے بودے نہیں ہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"میرے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اب تمہیں یہاں ایف بی آئی کی کمک کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے۔"

"تم اپنی ذات میں ایک کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ تمہاری اصل قوت پوری انتظامیہ میں مضمر ہے جو پل پل کر تمہاری مدد کرتی ہے اور اندر کی خبریں تم تک پہنچاتی ہے۔ یہ حقیقت تم خود بھی جانتے ہو۔"

"یہ مسئلہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ تمہیں آج سی آئی اے، ایف بی آئی اور امریکی حکومت کی سرپرستی حاصل نہ رہے تو تم خود کو صفر سے بھی بہت نیچے پاؤ گے۔ ہر شخص کو اصل طاقت اس کی ٹیم مہیا کرتی ہے۔ موازنہ کرو گے تو میری ٹیم کو بہت مضبوط پاؤ گے۔"

"میرا اور تمہارا کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے اور میرے اختیار کو پاکستان سے امریکا تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمہیں کوئی اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان کے ریکارڈ میں تمہارا اندراج ایک مجرم کی حیثیت سے ہے۔ یوں سمجھو کہ قانون کا کوئی محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی میں دس خون بھی کر دے تو اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔ قاتل ایک قتل کر دے تو سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ بیورو کریسی نے تمہیں اپنا آلۂ کار بلکہ کھلونا بنایا ہوا ہے۔ تم سے کام لینے والے اپنی ٹوپیوں میں کلغیاں سجاتے ہیں، تمہیں کچھ نہیں ملتا۔ جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور ان کے کسی کام کے نہیں رہو گے تو اندھیرے میں سے آنے والی کوئی بے نام و نشان گولی تمہاری زندگی کا چراغ گل کر دے گی۔"

اس کی تقریر بہت لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے بات درمیان میں کاٹ دی "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"شاید تمہیں عقل آجائے اور یہ باتیں تمہیں بھی نظر آنے لگیں۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ تم لوگ اپنے فائدے کے بغیر کسی کو ٹھوکر بھی نہیں مارتے۔"

"تم دہشت گردی کی زندگی سے تائب ہو کر باعزت زندگی کی راہ اختیار کر لو تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"میرے تائب ہونے سے تمہیں کیا آسانیاں میسر آسکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ہم اپنے کئی اچھے دماغوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ تم راستے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم اپنی توانائیاں دوسرے تعمیری کاموں پر صرف کر سکیں اور ہمیں مزید نقصانات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے اسے چارہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہارا کیا ہے؟"

"اگر تم [illegible] والے اجازت دیں تو گوشہ نشینی اختیار کر لو۔"

"اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کرو گے؟"

اس بار میرے کانوں میں اس کا نیم وحشیانہ قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا "کچھ بھی نہیں، ہماری کتابوں میں تمہارا نام ہمیشہ کے لیے قاتل اور دہشت گرد کے طور پر درج ہو چکا ہے۔ میں اوبرائن نہیں ہوں جو تمہارے اس جال میں پھنس جاؤں۔"

"اوبرائن سے میری کبھی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ کرنل جمال دستی تمہارا ایک بہروپ تھا۔ میں اس بحث میں اپنا وقت برباد نہیں کروں گا۔"

"میرا وقت بھی اتنا بے وقعت نہیں ہے کہ میں تمہاری بے مغز باتیں سنتا رہوں۔" میں نے فون بند کر دیا۔

اس سے بات کر کے میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی اور اپنا بین السطور پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک ناکامی کے بعد اس نے دوبارہ گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سلسلہ کسی خلل کے بغیر جاری رہا تھا۔

واقعات کی جو لہر آکر گزر چکی تھی۔ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا اور میں یکایک آرام دہ بستر کی خواہش محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جلتا ہوا اکلوتا بلب گل کیا اور اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔

○☆○

میں باہر کی فضا میں ملگجا سا اجالا پھیلنے کے بعد سویا تھا اس لیے دیر تک سوتا رہا۔ کسی نے میری نیند میں خلل ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ گیارہ بجے میں نے بستر چھوڑ کر باتھ روم


Downloaded from https://paksociety.com

کا رخ کیا اور تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو تینوں میرے منتظر تھے۔

"خیریت ہے۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا "آج تینوں کے تیور یکساں نظر آرہے ہیں۔"

"تمہارے لیے ماروتی کا فون آیا تھا۔" ویرا نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا "وہ تمہارے جوابی فون کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فون کرنا تم کو ناگوار گزرا ہے۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"وہ تمہارے سوا کسی سے بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ بس اپنا پیغام دے کر فون بند کر دیا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "میں ریسیور پر مظہر کا نام سن کر لمحہ بھر کے لیے چکرا گئی تھی پھر یاد آیا کہ اس سے تم اسی نام سے ملے تھے۔"

"اس کی جگہ تم ہوتیں تو تم بھی یہی کرتیں۔ وہ کہاں سے بول رہی تھی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ منہ سے بول رہی تھی۔" ویرا کے بے ہودہ جواب پر وہ تینوں ہنس پڑے۔

"سنا ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہے۔" سلطان شاہ نے میرا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر کہا "اول خان نے تین بجے تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک تمہاری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر ماروتی تمہاری کسی کال کا حوالہ دے رہی تھی۔"

وہ شریفانہ سوال تھا۔ میں نے اسے اپنی اور روی کی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

"آپ ویرا کی باتوں پر بلاوجہ ناراض ہوتے ہیں۔ یہ ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی الٹی سیدھی باتیں کر جاتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

"یہ بات یاد رکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "آئندہ تمہیں ویرا کی کوئی بات بری لگی تو میں یہ مشورہ یاد دلا دوں گا۔"

ہنسنے بولنے کے باوجود ہمارے درمیان کچھ دیر تک تناؤ کی کیفیت موجود رہی۔ اس کا واحد سبب ماروتی کی فون کال تھی۔ میرے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ تناؤ دور ہوا تو میری رات کی مصروفیات زیر بحث آگئیں۔ میرے بیدار ہونے سے پہلے اول خان کا فون آچکا تھا۔ اس کی زبانی انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ پچھلی رات مائیکرو سینٹر کو تباہ کر دیا گیا تھا۔

اول خان کو ہری چند کے بارے میں تشویش تھی۔ گھر سے غائب ہونے کے بعد پورے حیدر آباد میں اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد ماروتی سے رابطہ کر کے اسے روی کی مکمل گلو خلاصی کی نوید سناؤں اور پھر اس سے ہری چند کے بارے میں بات کروں تاکہ کرشن کمار کا وہ ساتھی بھی گرفت میں آسکے۔ اسے ڈر تھا کہ تاخیر کی صورت میں کہیں وہ سرحد پار نہ نکل جائے۔

اول خان کی فکر مندی میں ماروتی کی فون کال کا جواز موجود تھا۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ اسی نظریے کے تحت میں نے رات کو روی سے بات کی تھی اور شام کے لیے اس کی دعوت بھی قبول کر لی تھی۔

میری اور جان اسمتھ کی گفتگو میرے نزدیک بے مقصد تھی مگر ان کے لیے وہ دلچسپی کا سبب بن گئی اور اس پر دیر تک سوال اور جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ میری مصروفیات کے بارے میں ان کی بریفنگ مکمل ہو چکی تھی۔ وہ آپس میں تبادلہ خیال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جا کر تازہ اخبار سنبھال لیا جس میں پچھلے واقعات کی بازگشت کے ساتھ نیا مواد بھی شامل تھا۔

پچھلے روز کرشن کمار کی شناخت کے سلسلے میں روی موہن کا نام بہت اچھالا گیا تھا لیکن گرین فارم پر اس کی تصاویر کی شناخت اور پھر میرپور خاص سے شواہد مل جانے کے بعد روی موہن کا نام اچانک خبروں سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ ایک اچھی علامت تھی کیونکہ اس وقت پورے شہر میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کر سکتے تھے۔

اول خان کی عجلت کی وجہ سے ہمارے گھر کا فون نمبر جگدیش، روی اور ماروتی تک پہنچا ہوا تھا۔ جگدیش سے رسمی باتیں ہوئی تھیں اس لیے وہ اس نمبر کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا مگر روی اور ماروتی کو پوری طرح علم تھا کہ میں نے کرشن کمار کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ان سے روی کی معافی کا سودا کیا تھا اور اسی رات کرشن کمار کو مار دیا گیا تھا۔ وہ آسانی سے سمجھ گئے ہوں گے کہ کرشن کمار ہمارا شکار بنا تھا۔

ماروتی کے لیے میں صرف ایک چہرہ تھا کیونکہ وہ میرے اصل نام سے بے خبر تھی۔ روی کے لیے میں صرف ایک آواز تھا۔ ان کے پاس میرا کوئی حقیقی سراغ تھا تو وہ فون نمبر تھا۔ اس پر تھوڑی سی محنت کر کے کوئی بھی ہمارے گھر تک پہنچ سکتا تھا۔

میرے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں میاں بیوی ہمارے راز دار بن گئے تھے۔ ان کی خوشنودی کی اہمیت میرے اور

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان کے سوا کوئی نہیں سمجھ رہا تھا وہ کرشن کمار کے قتل کے موضوع پر زبان کھول کر دو شواریاں بھی پیدا کر سکتے تھے۔

بارہ بجے اسلام آباد سے جلال کا فون آگیا۔ اس نے رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد بتایا کہ امریکی حکومت نے جمی اور ڈیوڈ کی موت پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا مگر وزارت خارجہ کو وائٹ ہاؤس سے ایک سخت نوٹ بھیجا گیا تھا جس میں زور دے کر کہا گیا تھا کہ جمی اور ڈیوڈ نے واضح ہدایات کی خلاف ورزی کی قیمت ایک جان لیوا ظاہری حادثے کی صورت میں ادا کی جو پاکستان کی سرزمین پر ایک معمول بن چکی ہے۔

حدود اور ہدایات سے بہت سے لوگ تجاوز کرتے رہتے ہیں جن میں پاکستانیوں کے ساتھ بہت سے غیر ملکی بھی شامل ہیں لیکن یہ بات حیرت اور صدمے کے ساتھ نوٹ کی گئی ہے کہ بعض پراسرار اور نادیدہ قوتیں ہر وقت امریکی اہلکاروں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں اور جوں ہی ان میں سے کوئی مقررہ حدود سے تجاوز کرتا ہے' اسے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے یا سرِعام تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں رابن' مائر اس کے ساتھی کمانڈو' بوب رائیل' جمی جونز اور ڈیوڈ رسل کے خصوصی حوالے دیے گئے تھے۔

مہذب سفارتی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وائٹ ہاؤس کو یقین ہے کہ حقیقت یہ نہیں ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بعض عناصر کو پاکستانی حکومت کی جانب سے کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جب اور جہاں بھی مناسب سمجھیں' کسی امریکی اہلکار کو مار ڈالیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ضرورت پیش آئی تو انہیں سرکاری تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا۔

وائٹ ہاؤس اس خطرناک تاثر کا فوری خاتمہ چاہتا ہے۔ وہ حالات برقرار رہے تو امریکی ملازمین پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کردیں گے۔ ممکن ہے کہ سارے سفارتی دفاتر بند کرنے کی نوبت آجائے۔ ایسا ہوا تو یہ پاکستان اور امریکا کے تعلقات کے لیے بدترین دھچکا ہوگا جس سے بچنے کے لیے پاکستانی حکومت کو پوری سنجیدگی اور طاقت سے کارروائی کرنی چاہیے جو نظر بھی آسکے۔

شاید اس نوٹ کی نقل جلال کے پاس موجود تھی۔ اس نے اس کے منتخب حصے مجھے پڑھ کر انگریزی میں ہی سنائے تھے۔

"یہ توہین آمیز نوٹ ہے۔ اسے قبول کرنے سے انکار کردینا چاہیے تھا۔" میں نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

"یہ سفارتی سرد مہری کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔" جلال نے مجھے سمجھایا۔

"اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟" میں نے غصے اور بے بسی سے پوچھا "حقیقت یہ نہیں ہے' کہنے کے بعد سارے الزامات ہمارے سر تھوپ دیے گئے ہیں۔ اس طرح وائٹ ہاؤس والے اپنے ملازمین کے جرائم کی پردہ پوشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"انہوں نے بوب رائیل والے معاملے میں امریکی صدر کی معذرت کی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ مراسلہ بھیجا ہے۔ ماہرین سرجوڑ کر' حقائق کی روشنی میں اس کا جواب تیار کررہے ہیں۔ اسے پڑھ کر امریکیوں کی طبیعت جھک ہوجائے گی۔"

"ایسا ہو تو لطف آجائے گا۔ راستہ انہوں نے خود سمجھایا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے مگر۔۔۔ اس کے بعد الزامات کی ایک طویل فہرست گنوائی جاسکتی ہے۔ شاید اسلام آباد اور کراچی کے دفاتر میں اس مراسلے کی نقلیں فیکس پر آچکی ہیں۔ جب ہی جان اسمتھ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا کہ اب مجھ پر میرے اپنے ملک کی زمین تنگ کردی جائے گی۔" میں نے خیال آتے ہی اسے وہ نکتہ بھی بتادیا۔

"جان سے تمہارا ٹکراؤ کیسے ہوگیا؟" میرے انکشاف نے جلال کو بری طرح چونکا دیا۔

"ٹکراؤ نہیں ہوا' آج صبح چار بجے میں نے اسے فون کیا تھا۔ رات انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل والی پوری عمارت کو بموں کے دھماکے سے اڑا دیا۔"

"مائیکرو سینٹر کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔ وہ دو۔۔۔ نامعلوم نقاب پوش تھے مگر یہ شناخت نہیں ہوسکی کہ ان کی قومیت کیا تھی۔ وہ جو چاہے کرتے رہیں' تم ان کے منہ مت لگو۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو اور ان کی نظروں میں آنے سے بچو۔"

"اس سے بات کرنے کے بعد ہی یقین ہوا ہے کہ مائیکرو سینٹر اڑانے والے امریکی تھے۔"

"یہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت تھی ڈینی؟" جلال کی آواز التجا آمیز ہوگئی "ہمارے اپنے طور طریقے ہیں۔ کچھ وقت ضرور لگتا ہے لیکن سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ اجلاسوں میں تمہارا نام ہماری کمزوری بن جاتا ہے۔ ہم ان کی باتیں سننے پر مجبور ہوتے ہیں مگر تمہاری مدافعت میں ایک لفظ نہیں بول سکتے۔ وہ فوراً تمہاری سرپرستی کا الزام لگانے پر اتر آتے ہیں۔"



Downloaded from https://paksociety.com

میں اس کی پریشانی اور آزردگی کے اسباب پوری طرح سمجھتا تھا مگر اس کے مشورے نے مجھے افسردہ کردیا۔ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا "وہ ہمارے درمیان ایسی ہی تلخیوں اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کی امید پر بلند بانگ دعوے کررہا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہ ہو۔ اب ان کے کسی معاملے میں میرا نام نہیں آئے گا۔ میں کے ون کی مجبوری کی وجہ سے جمی اور ڈیوڈ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"تمہارے لہجے سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم ناراض نہیں ہونا چاہتے۔ میں نے تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ [illegible] ہاتھ توڑنے سے نہیں روکتا لیکن خود کو جان بوجھ کر سامنے مت لاؤ۔ [illegible] یہ طور پر سوچنے دو۔"

"میں نے میجر بخشی کو بھی چھیڑا تھا۔۔۔ شاید وہ بھی غلط قدم تھا۔" میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے کہا۔

"میں صرف امریکیوں کی بات کررہا تھا۔ بھارتی ہمارے سامنے مردار خور گدھ ہیں جو ہر زندہ وجود سے خوف کھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ تم من مانیاں کرتے رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہر فیصلے کے پیچھے دماغ سوزی کار فرما ہوتی ہے۔"

"میں سوچتا اور سلگتا ہوں، کسی فیصلے پر پہنچتا ہوں اور اس پر عمل کرگزرتا ہوں۔ میرے لیے مصلحتوں کا تابع رہنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں امریکیوں کو بھول جاؤں۔۔۔"

وہ سنجیدہ اور بردبار افسر تھا مگر اس وقت یکایک جذباتی ہوگیا۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا مخلصانہ مشورہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دیر تک فون پر میری دل جوئی کرتا رہا اور چند دو طرفہ وعدوں کے بعد وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

دن ڈھلے اول خان سے میری تفصیلی بات چیت ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اسی شام ماروتی کے گھر مدعو تھا۔ جان اسمتھ کے ساتھ ہونے والی باتوں پر اس کا ردِعمل جلال سے بالکل مختلف تھا۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ جلال ضابطوں کا اسیر اور اپنے بڑوں کو جواب دہ تھا جبکہ ایس ٹی ایف کا ہر اسٹیشن کمانڈر اپنی جگہ پر ایک مضبوط اکائی تھا۔ اپنے عمل اور فیصلوں کے لیے سب سے پہلے وہ اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ تھا۔ اس کے بعد اس کا صرف ایک چیف تھا جو اپنی پیشگی ہدایات کی حدود میں اپنے کمانڈروں کے ہر فیصلے کو من وعن قبول کرلیتا تھا۔

ویرا دن بھر میرے آس پاس ہی منڈلاتی رہی۔ وہ کسی ضرورت کے لیے اپنے کمرے میں گئی تو جلد ہی واپس آگئی۔ میں نے دانستہ ماروتی کو فون نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری کال کا انتظار کررہی ہوگی مگر میں ویرا کو بولنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چار بجے میں نے کسی غیر معمولی اہتمام کے بغیر کپڑے تبدیل کیے تو سلطان شاہ میرے پاس آپہنچا اور رازدارانہ لہجے میں بولا "تم چائے کی دعوت پر جارہے ہو تو تمہیں ایک ڈرائیور کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"میں غیر ضروری طور پر کسی کا ان کی نظروں میں آنا پسند نہیں کرتا۔ تم ان سے تعلق کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو تو اندازہ ہوگا کہ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جہاں ضرورت ہوتی ہے میں خود کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔"

میری سنجیدگی کی وجہ سے اسے کوئی دوسرا سوال کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

غزالہ کو مجھے جوتوں کی تلاش کے بہانے سے خود کمرے میں بلانا پڑا۔ وہ دروازہ بند کرکے جوں ہی پلٹی تو میں نے سختی سے اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ وہ کسمسا کر بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تو میں نے کہا "روی اور ماروتی کے گھر جانے کی اجازت ہے؟"

"میں نے تو آپ کو کبھی نہیں روکا۔ آپ ضرور جائیں، شوق سے جائیں۔" غزالہ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں وہاں اپنے شوق سے نہیں، مجبوریوں کے تحت جارہا ہوں۔ تفصیل اول خان سے پوچھ لینا۔"

"مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، لوٹ کر گھر ہی آتے ہیں۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں خلوص و محبت کے ساتھ موہوم سا شکوہ بھی پنہاں تھا جو اپنی جگہ درست اور جائز تھا۔ میں اس کے سامنے ہمیشہ بہت محتاط رہتا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے اور ویرا کے باہمی تعلق کے بارے میں بہت کچھ جان لینے کے باوجود انجان بنی رہتی تھی اور کبھی اپنی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہوکر زبان کھولنے پر مجبور ہوجاتی تھی تو کوئی ایسی بات نہیں کرتی تھی جس سے میرے جذبات مجروح ہوں یا الزام تراشی کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہو۔

میں نے اس کی پیشانی چوم کر اس کے بازو چھوڑے اور


Downloaded from https://paksociety.com

جوتے پہننے میں مصروف ہوگیا۔

وہ مسہری کے کونے پر ٹک کر میری طرف دیکھتی رہی۔ میں جوتے پہن کر تیاری سے اٹھا تو وہ بولی "آپ نے عام سے کپڑے پہنے ہیں۔ آج کے لیے تو کوئی اچھا جوڑا پہن لیتے۔ آپ کی الماری میں ایک سے ایک جوڑا تیار رہے۔"

"میں نے زیادہ اہتمام کیا تو ماروتی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے گی۔" میں نے ہنس کر کہا "میں کام کو کام تک رکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ بہت آزاد خیال عورت ہے۔ اس کا شوہر بھی اسی جیسا ہے۔"

"میاں بیوی ایک جیسے ہوں تو اچھا گزارہ ہوتا ہے۔" میرے سابقہ رویہ پر بھی ہنس دی۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا' تینوں کو الوداع کہا اور گاڑی کی چابیاں لے کر گھر سے نکل گیا۔ موبائل فون پہلے ہی میری تحویل میں تھا۔

گھر سے کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال کر' دوسرے سے موبائل فون پر روی کا نمبر ملایا۔ گھر کے نمبر سے فوراً ہی ماروتی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں گھر سے نکل کر اسی کی طرف آرہا تھا۔ اس نے مزید کچھ کہنے سننے کے لیے بات آگے بڑھانی چاہی لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں ٹریفک کے ہجوم میں تھا۔ زیادہ دیر تک موبائل پر بات نہیں کرسکتا تھا۔

اسے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

مزے مزے سے گاڑی چلاتا ہوا میں پونے پانچ بجے اولڈ کلفٹن کے علاقے میں موہن ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا۔ پچھلی بار میں نے دیکھ لیا تھا کہ گھر کے ڈرائیوے میں چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں پھر بھی ان سے آگے جگہ موجود تھی لیکن پہلے سے کھڑی ہوئی گاڑیوں پر سے گزر کر وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت میں اطلاع دے کر' پروگرام کے مطابق پہنچا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری کار کے لیے اندر جگہ ہوگی۔

میں نے پھاٹک کے سامنے ہارن بجایا۔ فوراً ہی پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں گاڑی اندر بڑھا لے گیا۔ اس وقت وہاں صرف دو گاڑیاں موجود تھیں۔

میں گاڑی کا انجن بند کرکے نیچے اترا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے برابر والا دروازہ کھلا۔ وہاں سے قمیص پتلون میں ملبوس ایک صحت مند اور خوش لباس نوجوان تقریباً دوڑتا ہوا نکلا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"آؤ مظہر جی' آؤ! تم نے میرا مان رکھ کر میرا دل خوش کردیا۔" اس کی زندگی سے بھرپور اور گرم جوش آواز سن کر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ روی موہن تھا اور اپنی شخصیت یا وضع قطع سے کسی بھی طرح جگدیش موہن کا چھوٹا بھائی نہیں لگتا تھا۔

کرتے پاجامے میں ملبوس موٹے اور بدصورت جگدیش کے برعکس روی وجیہہ اور خوش رو آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے تجربے کی پختگی پھیلی ہوئی تھی جو اس کی عمر کی غماز تھی۔

وہ قریب آتے ہی ایسی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہوا جیسے برسوں کا شناسا ہو۔

"تم آج بہت زیادہ خوش ہو یا ہمیشہ ایسے ہی خوش و خرم رہتے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آج میں تمہاری وجہ سے بہت۔ بہت ہی خوش ہوں۔ ویسے بھی میں سدا خوش رہنے کا عادی ہوں۔"

میرے سینے سے الگ ہوتے ہوئے وہ بولا تو اس کے سانس میں الکحل کی ہلکی سی بو موجود تھی۔ اس نے میرے پہنچنے سے پہلے شراب پی تھی اور اسی وجہ سے اس کی خوشی دوبالا ہوئی جارہی تھی۔

وہ میرے آگے بچھا جارہا تھا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں لے جانے کے بجائے وہ اسی دروازے میں لے گیا جس سے خود برآمد ہوا تھا۔ وہ ایک وسیع لابی تھی جہاں دیواروں کے ساتھ منقش سندھی صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ بان سے بنی ہوئی' نیچے پیروں والی رنگا رنگ کرسیاں تھیں۔ دیواروں اور تپائیوں پر تھرکی دستکاریوں کے بہت سے دلکش شاہکار سجے ہوئے تھے جن میں کئی رلیاں' تکوں سے بنی ہوئی نفیس اور نازک ٹوکریاں' سرکنڈوں کے چھلکوں سے بنی ہوئی بڑی بڑی دیوار گیر تصویریں اور مور کے پروں کے دائرے شامل تھے۔

وہ لابی جگدیش کے ڈرائنگ روم سے زیادہ آراستہ' کشادہ اور تاثر انگیز تھی۔ میرا خیال تھا کہ روی مجھے وہیں بٹھائے گا مگر وہ مجھے ساتھ لے کر ان اندرونی زینوں کی طرف لے گیا جو بہت کشادہ گولائی میں اوپر جارہے تھے۔

زینوں سے نیا قالین شروع ہوگیا۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ پورے گھر میں الکحل کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ اپنے کاروبار کی وجہ سے شاید وہ لوگ گھر کے کسی حصے میں شراب کا ذخیرہ رکھتے تھے۔

چند زینے طے کرتے ہی مجھے ماروتی نظر آگئی جو گلابی


Downloaded from https://paksociety.com

ساڑی میں ملبوس' سیڑھیوں کے اختتام پر ہماری منتظر تھی۔

"مظہر جی! یہ ہے میرا گھر اور اوپر کھڑی ہے میری بیوی' ماروتی۔" روی کہہ رہا تھا۔

میری نگاہیں پوری طرح اوپر اٹھ گئیں۔ اس نے ساڑی بہت قریبے سے باندھی ہوئی تھی۔ بلاؤز کی تیاری میں پوری احتیاط کی گئی تھی کہ ضرورت سے زیادہ سوت زائد بھی کپڑا موجود نہ ہو۔ نیچے گلے والا وہ بلاؤز پیٹ کا حصہ شروع ہوتے ہی ختم ہوگیا تھا۔ پہلو سے نظر آنے والے آثار بتا رہے تھے کہ پشت پر وہ بلاؤز محض پٹیوں تک محدود ہوگیا ہوگا۔

ساڑی کے سمٹے ہوئے پلو سے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے کو دانستہ چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہلکے میک اپ میں اپنے ماتھے کی بندیا کے ساتھ اس وقت ماروتی ایک بالکل نئی عورت نظر آرہی تھی۔

"ہیلو مظہر ڈارلنگ!" اوپر پہنچتے ہی ماروتی میرے استقبال کے لیے آگے بڑھی۔ اس نے اپنا گداز اور مخروطی ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا' اس کا چہرہ بے اختیار میری طرف جھکتا چلا آیا۔ مجھے اس کے تنفس کی حرارت اپنے کھلے ہوئے گریبان سے جلد میں گھلتی محسوس ہورہی تھی۔ اس کے جسم سے پرفیوم کی اور سانسوں سے الکحل کی بو آرہی تھی۔

چند ثانیوں کے لیے میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے روی کی طرف دیکھا تو وہ خوش اور بے پروا نظر آرہا تھا۔ تب مجھے خیال آیا اور میں نے اپنی خوش جمال میزبان کی پیشانی پر ایک نرم سا بوسہ لیا' اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

سیڑھیوں سے چند قدم آگے ان کے ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ وہاں ہر چیز نئی اور چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ آرائش کا سارا انداز مغربی تھا۔ وہاں گھر کی تہذیب اور ثقافت کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ روی نے مجھے ادب سے دہرے صوفے پر بٹھایا' ماروتی میرے برابر میں بیٹھ گئی۔ آخر میں روی نے ہم دونوں کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔ درمیان میں موٹے شیشے کی گول سینٹر ٹیبل تھی جس پر ڈرائی فروٹ کی بھری ہوئی ٹرے موجود تھی۔

"ماروتی تمہاری بہت تعریفیں کرتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اس دن گھر سے بھاگ کر برا کیا۔" روی نے فروٹ ٹرے میری طرف سرکا کر کہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم جیسا بھلا آدمی میرے گھر آیا ہے تو میں ہرگز کہیں نہیں جاتا۔"

"اس روز ہمارے تیور خراب تھے۔ ماروتی بیچ میں نہ آتی تو تمہارا بچنا مشکل تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کرشن کمار....."

"بس بس!" روی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا "مظہر جی! میں جانتا تھا کہ وہ کسی دن مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ اس نے میرے گرد دھیرے دھیرے جال ڈالا تھا۔ اب اس کا ذکر کرکے اپنا موڈ خراب نہ کرو۔"

"یہ بھنے ہوئے کاجو لو۔" ماروتی نے مٹھی بھر کاجو مجھے تھما دیے "بہت خستہ اور لذیذ ہیں۔"

میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی چمکتی ہوئی شوخ آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں نے اپنی مٹھی ٹرے میں ہلکی کی اور بچے ہوئے چند کاجو منہ میں ڈال لیے۔

ہمیں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر خادمہ لدی پھندی ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازم لے آئی۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ ٹی کوزی کے ساتھ ٹرے پر تین پیالیاں موجود تھیں۔ ماروتی نے اٹھ کر ٹرالی خود سنبھالی اور ملازمہ کو لوٹا دیا۔

"کیا تم دونوں بھی میرے ساتھ صرف چائے پر گزارہ کرو گے؟" میں نے روی سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا۔ میں نے تمہیں ٹی پارٹی پر بلایا ہے۔ چاہو تو ابھی یہ کاک ٹیل پارٹی بن سکتی ہے۔"

"میں صرف چائے لوں گا۔ میری وجہ سے تم دونوں اپنی شام برباد نہ کرو۔ تم بلا تکلف اپنی پسند کے ڈرنکس لے سکتے ہو۔"

"ارے نہیں' مظہر جی! ہم اتنے برے میزبان نہیں ہیں۔ ایسی بدتمیزی اور وہ بھی تمہارے ساتھ کیسے کرسکتے ہیں۔"

انہیں اپنی راہ پر لانے کے لیے شراب نوشی پر اکسانا ضروری تھا۔ میں نے کہا "میں تمہیں اس بدتمیزی کا حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟"

"تعمیل!" روی سے پہلے ماروتی بول پڑی "ہم تمہیں ناراض نہیں کرسکتے۔"

"بس' تو پھر اسے میرا حکم ہی سمجھو!" میں نے ماروتی سے کہا۔ اس نے آنکھ سے روی کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں چوم کر اٹھا اور دوڑتا ہوا اندرونی دروازے سے گزر کر غائب ہوگیا۔

ماروتی نے دھیرے سے میری ٹانگ پر ہاتھ مارا۔ میں


Downloaded from https://paksociety.com

نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھ مار کر مسکرائی اور بولی "تم نے دیکھا کہ روی کیسے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی عزتِ نفس کی مجروح نہیں کرتے۔ دیکھ لو ہم کتنے خوش ہیں۔"

روی دروازے سے دوبارہ برآمد ہوا تو اس نے اپنی بانہوں اور پیٹ کے درمیان رائل سیلوٹ کی ایک بوتل' دو گلاس اور ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو ماروتی نے وہ چیزیں میز پر منتقل کرنے میں اس کی مدد کی۔ روی ایک گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے انداز میں اپنی نشست پر گر گیا۔ "مظہر جی! تم واقعی گریٹ ہو۔ آج میں پہلی بار کسی دوست کی چائے کی پیالی سے اپنا گلاس ٹکراؤں گا۔"

ماروتی نے اٹھ کر میرے لیے چائے تیار کی اور ٹرالی سے بسکٹ' پیسٹریز اور کئی اشیا پلیٹ میں ڈال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ میرے لیے چائے بن جانے کے بعد روی نے بوتل کو ہاتھ لگایا۔ وہ میزبانی کے بہت بنیادی آداب تھے۔ میں باریک بینی سے دیکھ رہا تھا کہ روی اس فن میں طاق تھا۔

اس نے ماروتی کے لیے بہت ہلکا گلاس بنایا' اس کے اپنے گلاس کا رنگ گہرا تھا۔

بوتل بند کرکے روی نے اپنے گلاس اٹھایا' میں نے چائے کی پیالی تھام لی۔ چیئرز کی تین آوازوں کے ساتھ دو گلاس ایک پیالی سے ٹکرائے۔ انہوں نے اپنے اپنے گلاسوں سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے میں نے بھی گرم چائے سے لب تر کرکے پیالی واپس ٹرے میں رکھ دی۔

روی سے اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کا گلاس آدھے سے زیادہ خالی ہوجائے۔ اسے مصروف رکھنے کے لیے میں نے جگدیش کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تمہارے بڑے بھائی کہاں ہیں۔ آج وہ نظر ہی نہیں آئے!"

"بھایا جی!" اس نے اپنا گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لے کر استہزائیہ انداز میں کہا "اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کی سیر کو گئے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سارے دوست شرابی کبابی ہیں۔ وہ ہوتے تو میں انہیں دکھاتا کہ تم صرف چائے پیتے ہو۔"

"ان کو اپنی ذات اور عزت کا بڑا گھمنڈ ہے۔" ماروتی بولی "ہر ایک کی تحقیر کرکے وہ اندر سے خوش ہوتے ہیں۔"

"یہ بری عادت ہے ان کی۔" روی نے اعتراف کیا "میں جب سے گھر آیا ہوں' ان کی سامنے نہیں گیا۔ نہ جانے کیا کچھ کہہ ڈالیں گے۔ میں دن بھر ہر گھنٹی اور ہارن پر ہول رہا تھا کہ کہیں پھر پولیس نہ آگئی ہو۔ بھایا جی مجھے گردن سے پکڑ کر ان کے سامنے ڈال دیتے اور میری ایک نہ سنتے۔"

"گھمنڈ کسی چیز کا بھی ہو' برا ہوتا ہے۔ ایک نہ ایک روز آدمی اسی چیز سے محروم ہوجاتا ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔

"جب بھی گئی' بھایا جی کی عزت ہی جائے گی۔" ماروتی بولی "وہ ہر وقت اسی کا رونا روتے رہتے ہیں۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" روی نے نرمی سے اپنی بیوی کو ٹوکا "وہ صحیح روتے ہیں۔ کوئی اپنے دروازے پر ایک پولیس والے کا نام آنا پسند نہیں کرتا کہ لوگ نہ جانے کیا سوچیں۔ یہاں وہ تین گاڑیوں میں لد کر آئے تھے۔ اب مظہر جی ہمارے مہمان ہیں تو مجھے یقین آیا ہے کہ ہمیں ستانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے میری جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔"

"تمہارے لیے بہت پاپڑ بیلے گئے ہیں ورنہ پولیس اور ایجنسیوں کو اب بھی کرشن کمار کے ساتھیوں کی تلاش ہے۔"

روی نے عجلت میں اپنے گلاس سے ایک کافی لمبا گھونٹ لیا اور اسے آدھا کردیا۔ "مجھے معلوم ہے' اس کے ساتھیوں کا انجام بھی اس سے کم نہیں ہوگا۔ ایک بار کسی کا وارنٹ نکل جائے تو پھر عدالت سے ہی اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ وارنٹ کا واپس لیا جانا بہت بڑی بات ہے۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں بھاگ گیا تو بہت یہاں تک پہنچ جائے گی۔"

"بھایا جی تو تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے بھگا رہے تھے تاکہ سب کچھ ان کے قبضے میں چلا جائے۔" یہ کہتے ہوئے ماروتی نے کسمسا کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور صوفے میں یوں ڈھلک کر بیٹھ گئی کہ میرے اور اس کے جسم کا فاصلہ تقریباً ختم ہوگیا۔ بلو اور آستین سے محروم اس کے شانے کا کچھ وزن میرے بازو پر منتقل ہوگیا۔ میرے سرے پر پسپائی کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔

"اب ان باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یوں سمجھو کہ مظہر جی کی مہربانی سے مجھے بلکہ ہم دونوں کو نئی زندگی ملی ہے۔ اس کے لیے ہم ان کی جتنی بھی خدمت کریں' وہ کم ہے۔"

"تمہارا دامن بچ گیا مگر ہمیں آدمی درکار ہے۔" میں نے موقع غنیمت جان کر بات چھیڑ دی "اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے تم لوگ دوبارہ کسی مصیبت میں گھر جاؤ اور میں بھی تمہارے لیے کچھ نہ کرسکوں۔"


Downloaded from https://paksociety.com

"ہم کسی کو بچانے کی کوشش نہیں کررہے۔" روی نے حیرانی سے کہا "تم کس کی بات کررہے ہو؟"

"بہت سے ہیں۔ کرشن کمار کے سارے ہی قریبی ساتھی ان میں شامل ہیں۔"

"تم نام بتاؤ' مجھے ان کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے' وہ میں بتاؤں گا۔" روی نے خلوص سے کہا۔

"میں صرف ایک نام لے سکتا ہوں۔ باقی نام تم خود بتاؤ گے۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے دیکھا کہ روی بہت تیزی سے پی رہا تھا جب کہ ماروتی بس اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے گلاس کی سطح ایک انچ بھی نہیں گری تھی۔

"ماروتی! مظہر جی کس کا ذکر کررہے ہیں؟" روی نے گلاس اٹھا کر خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"تم ہری چند کی بات کررہے ہو؟" ماروتی نے جواب دینے کے بجائے مجھ سے سوال کیا۔

میں مسکرا دیئے بغیر نہ رہ سکا "اسے تم نے کوئی خبر پہنچائی تھی؟" بات خود بہ خود آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے بہت آہستگی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر روی سے مخاطب ہو کر بولی "تمہارے بھاگ جانے کے بعد میں نے ہری چند کو فون کیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ ایجنسی والے تمہاری تلاش میں تھے۔ تمہارے بعد ہری چند کی باری آسکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے وقت سے پہلے ہوشیار کردوں۔"

"یہ تم نے بہت برا کیا۔" روی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میری طرح وہ بھی نکل گیا ہوگا۔"

"اس وقت میں بہت پریشان تھی۔ ڈری ہوئی تھی کہ کہیں ہری چند تمہارے ٹھکانوں کا پتا بتا کر تم کو بھی نہ پکڑوا دے۔"

"ایسا کر کے تم نے مظہر جی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔" ماروتی کا جواب سنتے ہوئے روی نے کچھ اور اسکاچ اپنے معدے میں اتار لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیرنے لگے تھے۔ وہ کس بھی لمحے اپنا تگڑا گلاس خالی کر سکتا تھا۔

ماروتی نے مجروح اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "کیا روی ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

"آپس کے معاملات تم دونوں ہی طے کرلو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ میں نے سب کارڈ تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔"

"اس وقت تک مظہر جی سے میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ جو کچھ ہوا' سب کے سامنے ہوا تھا' بھایا جی نے ان کے سامنے مجھے مارنا اور دھکیلنا شروع کردیا پھر اندر لے جا کر مجھے تمہاری بھاوج اور بہنوں کے حوالے کردیا۔" اپنی بپتا سناتے ہوئے ماروتی کی آواز رندھ گئی۔

"یہ مت کہو ماروتی!" میں نے نرمی سے اس کی تصحیح کی "تمہارے بھایا جی کو غصہ اسی لیے آیا تھا کہ اس کے سامنے ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوئی تھیں اور تم روی کی تلاش میں ہمارے ساتھ گھر سے نکلنے پر آمادہ ہوگئی تھیں۔"

"بھایا جی نے ان سب کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ بھی طے نہیں ہوا تھا۔" اپنی بے بسی مظلومانہ کا بوجھ میرے اوپر آ گرا تھا۔ میں نے گلاس اٹھا کر اس کے سامنے کردیا۔ اس طرح میں اپنے بازو کو بوجھ سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ سہارا ختم ہوتے ہی وہ چونک کر سنبھلی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے گزرے ہوئے واقعات کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس سے میری اصل مفاہمت اس وقت ہوئی تھی' جب میں نے گھر پہنچ کر اس کے تحریری پیغام کے جواب میں اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے ہماری واپسی اور میرے فون کرنے کے درمیان ہری چند کو فون کیا تھا تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا "اصل بات یہ ہے کہ وہ نکل گیا اور اب تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔"

اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی ہچکیاں اور سسکیاں رک گئی تھیں۔ اس نے بڑی بڑی نم آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "شکر یہ کہ تم کو میرے بات پر یقین آگیا۔ مجھے دنیا میں روی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ تم سے بات ہوجانے کے بعد میں نے کسی سے کوئی غلط رابطہ نہیں کیا۔ بس روی کی تلاش میں شہر بھر کی خاک چھانتی رہی۔"

"کرشن کمار' ہری چند کا پرانا دوست تھا یا تمہارا؟" میں نے روی سے پوچھا۔ میں اپنے اگلے سوال سے پہلے ماروتی کو اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے کچھ وقت دینا چاہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ رونا دھونا شروع نہ کرسکے۔

"کرشن کمار نچلے اور درمیانی طبقے میں اٹھنے بیٹھنے والا آدمی تھا۔ وہ ان سے کام لیتا تھا اور ان ہی کے کام آتا تھا۔ اس کی ہری چند سے بہت پرانی دوستی تھی۔ اس نے پرانی جگہ چھوڑ کر ہمارے پاس نوکری کرنے کے بعد کرشن کمار کو مجھ سے


Downloaded from https://paksociety.com

ملوایا تھا۔" روی نے بتایا۔

"اس نے اپنی دفتری کار تمہاری اجازت سے کرشن کمار یا اس کے آدمیوں کو دی تھی؟"

"میرے فرشتوں کو بھی اس کی اس حرکت کا علم نہیں ہے۔ کار کا کیا قصہ تھا؟"

"کرشن کمار کے آدمیوں نے ہری چند کی گاڑی میں کراچی آکر ایک بڑی واردات کی تھی اور وہ گاڑی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔" میں نے ماروتی کو سنانے کے لیے دو فقروں میں وہ تفصیل سنا ڈالی۔

"وہیں سے تم میرے پیچھے لگے ہوگے۔" اس نے کھوئی کھوئی آواز میں حیرت سے کہا "وہ نمک حرام میری آستین کا سانپ نکلا۔ یہ کہہ کر وہ ماروتی کی طرف متوجہ ہوگیا "ماروتی! تم نے سنا کہ مظہر جی کیا بتا رہے ہیں۔"

"میں سب سن رہی ہوں۔" یہ کہہ کر ماروتی نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑانے لگی "روی میری زندگی ہیں۔ ان پر کوئی آنچ آتی ہو تو ہری چند کو پھانسی لگوا دو لیکن ایسی کوئی بات نہ ہو تو اسے بچالو۔ وہ میرا اکلوتا ماموں زاد بھائی ہے۔"

میں نے ماروتی کو کوئی جواب دینے کے بجائے بدمزگی سے روی کی طرف دیکھا اور کہا "میں نے یہ بات بہت دیر پہلے بتادی تھی کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تم ایسی مصیبت میں پڑو گے کہ میں بھی کچھ نہ کرسکوں گا۔"

اس وقت تک روی کے چہرے سے ساری شوخی اور بے پروائی کافور ہوچکی تھی۔ دنیا کی سب سے مہنگی وہسکی کے نشے اور پھر موضوع کی سنگینی کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت گمبھیر ہوچکا تھا۔ اس نے عجلت میں اپنے لیے نیا گلاس تیار کیا جس میں شراب اور پانی کی مقدار یکساں تھی۔ اس نے وحشت کے عالم میں نئے گلاس سے تلخ سیال کا ایک قدرے چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر ماروتی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو پھانسی کے پھندے پر لٹکنا ہوگا۔ وہ تمہارا بہت چہیتا اور منہ چڑھا بھائی ہے۔ اس نے تمہیں ضرور بتایا ہوگا کہ وہ کہاں چھپے گا۔ مظہر جی کو اب اس کا پتا بتادو!"

ماروتی کے جڑے ہوئے ہاتھ مایوسی اور بے بسی سے اس کی گود میں گر گئے۔ اس نے روی سے کہا "ہری چند نے اپنا ٹھکانا صرف اس لیے بتایا تھا کہ تمہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس تک پہنچا جاسکے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج میرے شوہر کی زندگی کے لیے ماموں زاد بھائی کے خون کی ضرورت ہے۔ روی! میں تمہارے لیے یہ قربانی بھی دے ڈالوں گی۔ ہری چند ہالا میں ملے گا۔"

"ہالا ایک خاصا بڑا شہر ہے۔ اسے کہاں کہاں ڈھونڈا جائے گا؟" روی نے رسانیت سے پوچھا۔

"وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ کے روپ میں چھپا ہوا ہوگا۔" ماروتی نے آخری کلید بھی سامنے رکھ دی۔

"ہم اسے نہیں پہچانتے۔ خطرہ بھانپ کر وہ فقیروں کی بھیڑ میں کہیں غائب ہوسکتا ہے۔" میں نے روی سے کہا۔

"اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ ہالا تک چلنا ہوگا۔ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"میں اسی وقت چلنے کے لیے تیار ہوں۔ تین گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"میں بھایا جی کے ساتھ اکیلی یہاں نہیں رہوں گی۔ وہ بچوکے دے دے کر میری زندگی دوبھر کردیں گے۔" ماروتی بولی۔

روی کی مستفسرانہ نگاہیں میری چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ اس سفر کے بارے میں غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کے ردِعمل کا اندازہ لگایا پھر روی کو منع کردیا "ماروتی کا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اب میں ایک منٹ کے لیے بھایا جی کی بدزبانی برداشت نہیں کرسکتی۔" ماروتی نے احتجاج کیا۔

"تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کیا جارہا۔" میں نے جواب دیا "آج کی رات تم کسی ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں گزار لو۔ کل واپسی پر روی تمہیں ہوٹل سے گھر لے آئے گا۔ یہ تمہارے مسئلے کا سب سے آسان حل ہے۔"

مظہر کی تجویز بہت مناسب ہے۔" روی نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔ "ایک بھائی کی گرفتاری پر بہن کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ نہ جانے وہاں کیا حالات ہوں۔ اگر وہ مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا تو تم کچھ بھی کرسکتی ہو۔ ویسے بھی یہ لمبا سفر بہت تھکا دینے والا ہوگا۔ تم حال سے بے حال ہوجاؤ گی۔ آج کی رات تم پی سی یا شیراٹن میں گزار لو۔ صبح سے پہلے ہم لوٹ آئیں گے۔"

"تم کہتے ہو تو یہی ٹھیک ہے۔" ماروتی نے کسی بحث کے بغیر اس کی بات مان لی۔

ان دونوں کے درمیان مفاہمت کی بنیادی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے پر حکم مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ دلیل کے ساتھ بات سمجھاتے تھے جسے دوسرا فریق مان لیتا تھا۔

اس مرحلے پر اچانک مجھے یاد آیا کہ اس کھیل کے ایک

Downloaded from https://paksociety.com

اہم کردار کو سب نے بالکل بھلا دیا۔

کرشن ہمارے گھر میں گھسا تو اس کے ساتھ بھکاری کے روپ میں ایک اور آدمی تھا جسے اس نے نریش کہا تھا۔ اس نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تھی نہ ہی اس کا کوئی ذکر آیا تھا۔

"تم نریش نامی کسی شخص سے بھی واقف ہو؟" وہ خیال آتے ہی میں نے روی سے پوچھا۔

اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میرے لیے یہ نام نیا ہے۔ شاید ہری چند جانتا ہو۔ اس کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔"

"کیا تم چھانٹ چھانٹ کر صرف ہندوؤں کو تلاش کر رہے ہو؟" ماروتی نے غیر متوقع طور پر سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"ان کے کرتوت تمہارے سامنے ہیں۔ تم سے زیادہ روی ان کے بارے میں جانتا ہوگا۔ تم کرشن کمار کے کسی مسلمان ساتھی کا نام بتاؤ پھر دیکھو کہ اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس کے چکر میں اب تک بہت سے مسلمان بھی مارے گئے ہیں۔"

"یہ بدقسمتی کی بات ہے ماروتی!" روی نے حسب عادت اسے سمجھایا "کرشن کمار نے یہاں اکھنڈ بھارت کو چکر چلایا ہوا تھا۔ ہندو ہی اس نعرے کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ یہاں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ملک ہی سب کچھ ہے۔"

"لیکن روی! تم نے تو کبھی اکھنڈ بھارت کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔" ماروتی نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"کام بھی نہیں کیا لیکن کرشن کمار کو بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ وہ گھر کے ننگے بھوکے ہندوؤں کے لیے اکثر مجھ سے چندے لیتا رہتا تھا۔"

"شاید اسی لیے تمہاری جان بچ گئی ہے۔ کرشن کمار کے چند قریبی ساتھیوں کی نشان دہی کر کے تم اپنا بوجھ ہلکا کر سکتے ہو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" اس نے سادگی سے کہا پھر پوچھا "ہمیں ہالا کس وقت روانہ ہونا ہے؟"

"تم اپنا گلاس ختم کرو۔ میں دیکھتا ہوں۔ اتنی نہ پی لینا کہ ہالا پہنچنے تک تم گہری نیند سو رہے ہو۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں جا کر اول خان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ اپنے دفتر سے نکل چکا تھا۔ اسے میری چائے کی دعوت کا شدت سے انتظار تھا۔ مجھے توقع تھی کہ مجھ سے براہِ راست گفتگو کے ارادے سے وہ ہمارے گھر پہنچا ہوا ہوگا۔ میں نے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی۔

میں نے اس سے اول خان کے بارے میں پوچھا تو وہ چہکنے لگی "کیا تمہاری ٹی پارٹی رات تک چلتی رہے گی؟"

"میں وہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا "تم اول خان کو دے دو۔"

وقت ہالا روانہ ہونے کا تھا لیکن ضرور رہتی تھی مگر موقع کی نزاکت کو سمجھتی تھی۔ اس نے مزید کسی تاخیر کے بغیر ریسیور اول خان کے حوالے کر دیا۔

"ہری چند ہالا میں ہے۔ تم تیار رہو۔ ہمیں اسی وقت وہاں جانا ہوگا۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"کیا ماروتی بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہے؟" اس کے سوال نے میری طبیعت بے مزہ کر دی۔

"ہم پکنک پر نہیں، ایک مشن پر جا رہے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ جا کر کیا بھاڑ جھونکے گی۔"

"پھر اسے کون پہچانے گا، ہم دونوں میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔" اس کی پریشانی بجا تھی۔

"سب کو بتا دو کہ ماروتی کراچی میں رہے گی۔ ہری چند کی شناخت کے لیے روی موہن ہمارے ساتھ جائے گا۔ وہ میرے ساتھ ہر طرح تعاون کر رہا ہے۔ ہم تینوں کے سوا کسی چوتھے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔" میں اسے اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتا۔ تم سلطان شاہ کو اپنی گاڑی میں لے کر عثمانیہ ریستوران کے پاس آجاؤ۔ وہاں سے ہم تمہاری گاڑی میں سفر کریں گے۔ سلطان شاہ میری گاڑی گھر لے جائے گا۔"

"وہاں کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دو۔" اول خان حالات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد پرجوش ہو گیا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا تو وہ دونوں میاں بیوی اپنی اپنی جگہ بیٹھے دبی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اطمینان سے اپنی بات شروع کر دی "وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ یا فقیر کے روپ میں موجود ہے۔ اس کے بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے روی اسے پہچانے یا نہ پہچانے، وہ روی

## مشورہ

طبی معائنہ ختم ہونے پر سلیم نے پُرامید لہجے میں پوچھا "کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب.... میں زندہ رہوں گا نا؟"

"ہاں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا "لیکن میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"



Downloaded from https://paksociety.com

کو پہچان لے گا اور دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف آئے گا۔ ہم روی سے دور رہیں گے۔ ہری چند جوں ہی اس کے قریب آئے گا' ہم اسے دبوچ لیں گے۔ سب کچھ اسی طرح ہوا تو کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ویسے تمہاری گاڑی میں دو چار ہتھیار اور ان کے فاضل راؤنڈ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

"بس میں ابھی پہنچتا ہوں۔ ہوٹل کے پاس تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔" ہری چند کے بارے میں اول خان شروع سے ہی سرگرم تھا۔

"آرام سے پہنچو۔ مجھے اولڈ کلفٹن سے پی سی کے راستے وہاں پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوگا۔"

"میں آدھے گھنٹے بعد گھر سے نکلوں گا۔" اس نے کہا اور پروگرام طے ہوتے ہی میں نے فون بند کردیا۔

میں واپس لوٹا تو ان دونوں کے گلاس خالی ہونے کے قریب تھے۔ ان کی سوالیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"بس اب فوراً نکلنا ہے تاکہ ہماری واپسی میں زیادہ دیر نہ ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"پانچ منٹ بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" ماروتی نے اپنا گلاس اٹھایا اور اندر چل دی۔

اپنے وعدے کے مطابق وہ پانچ منٹ میں ساڑی کے بجائے قمیص شلوار کا نفیس سوٹ زیب تن کرکے واپس آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ بھی تھا جس میں اس کا شب خوابی لباس وغیرہ موجود تھا۔

روی نے اپنے گلاس میں باقی ماندہ سیال اپنے معدے میں انڈیلا اور ہم دونوں نے بھی اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ ماروتی نے اپنی ملازمہ کو بلا کر میز سمیٹنے اور گھر کی دیکھ بھال کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور تینوں وہاں سے چل دیے۔

شراب نوشی کے اثرات کے بارے میں وقت اور مقدار کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ میرے حساب سے روی نے اعصابی دباؤ کے باعث تھوڑی سی دیر میں رائل سیلوٹ کی کافی زیادہ مقدار لی تھی لیکن پھر بھی وہ حیرت انگیز طور پر بالکل نارمل نظر آرہا تھا۔ صرف آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قدر نشے میں ہے ورنہ اس کی بول چال اور چال ڈھال میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ یقینی طور پر بلا نوش تھا۔

گاڑی میں اس نے ماروتی کو میرے ساتھ اگلی نشست پر بٹھا کر ایک مرتبہ پھر اپنی رواداری کا فراخ دلانہ مظاہرہ کیا اور خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے مقابلے میں ماروتی نے نرا پانی ہی پیا تھا۔ اس کے گلاس میں وہسکی کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی مگر پھر بھی وہ سرور میں تھی اور تھوڑی دیر پہلے ہونے والی ناخوش گوار گفتگو کے اثرات سے نجات حاصل کرچکی تھی۔

میں نے اول خان سے پی سی کا نام لیا تھا مگر ماروتی کو شیراٹن پسند تھا۔ دونوں ہوٹل ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نے اولڈ کلفٹن سے نکل کر مین روڈ پکڑی اور تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا' پل عبور کرکے ہوٹل میٹروپول کے چوراہے سے بائیں طرف مڑ گیا۔ اس سڑک کے اگلے سرے پر شہر کے دونوں مشہور ہوٹل ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔

ٹریفک کی بھیڑ سے کٹ کر' میں اگلے چوراہے سے پہلے ہوٹل کے پورچ میں داخل ہوا اور ماروتی کو وہیں اتار دیا۔ روی نے نیچے اتر کر اپنی بیوی کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کیا اور اگلی نشست سنبھال لی۔ اگلے ہی لمحے ہم ہوٹل سے باہر جانے والے راستے پر بڑھ رہے تھے۔

ہم ٹریفک کی بھیڑ میں راستہ بناتے ہوئے گلشن اقبال میں مقررہ مقام پر پہنچے تو ہمیں خاصی تاخیر ہوچکی تھی۔ اول خان اپنی گاڑی کے باہر کھڑا بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔ سلطان شاہ اس سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کردیا اور روی کو اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر گیا۔ روی کے لیے اول خان کا نام اظہر تھا۔ ان دونوں کے رسمی تعارف کے بعد ہم اول خان کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس مرتبہ روی پھر پیچھے بیٹھا تھا۔

"تمہاری گاڑی کا کیا ہوگا۔" ہماری روانگی کے بعد روی نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا۔

"فکر مت کرو۔ کوئی نہ کوئی وہ گاڑی لے جائے گا۔" میں نے کہا۔

اول خان خاموشی سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ فکرمندی جھلک رہی تھی جس نے مجھے بھی مضطرب کردیا تھا مگر روی کی موجودگی میں' میں اس سے کوئی سوال کرنے سے گریز کررہا تھا۔ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے ہمارے بارے میں روی کا اعتماد متزلزل ہوسکتا تھا۔ میں کام پورا ہونے تک اسے اپنی کسی کمزوری کا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے


Downloaded from https://paksociety.com

ہری چند مجرموں کا ایک قریبی معاون اور ساتھی تھا۔ اس کا سزا یاب ہونا بہت ضروری تھا مگر اس وقت مجھے اچانک ہی خیال آگیا تھا کہ اول خان نے غیر متوقع طور پر اس کی ذات میں گہری دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔ وہ ایک ایسا نکتہ تھا جس پر اول خان سے سرے سے کوئی تبادلہ خیال ہی نہیں ہوسکا تھا اور اس وقت ہم دونوں کے ساتھ روی موہن گاڑی میں موجود تھا۔

روی کو میں نے شروع سے ہی یہ تاثر دیا تھا کہ ہری چند بہت بڑا مجرم تھا۔ اسے کسی برے انجام سے بچانے کی کوشش میں وہ خود ناقابل تصور مشکلات میں گھر سکتا تھا۔ اگر میں اس کے سامنے اول خان سے ہری چند کی اہمیت کے موضوع پر کوئی بات چھیڑتا تو روی کے کان کھڑے ہوسکتے تھے۔ اس کے دل میں ہماری طرف سے ایک بار کوئی شبہ پیدا ہوجاتا تو ہمارے اور اس کے درمیان موجود اعتماد کی فضا مجروح ہوسکتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح کراچی کی وہ شام بھی خوشگوار تھی۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا ایئر کنڈیشنر چلانے کے بجائے کھڑکیوں کے شیشے اتارے ہوئے تھے جن سے ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہوائیں' ہری چند کے معدے میں اتری ہوئی رائل سیلوٹ کا نشہ تیزی سے گہرا کریں گی اور وہ دورانِ سفر ہی کسی مقام پر اناغفیل ہوجائے گا۔

میرے ذہن میں ابھرنے والا سوال اپنی جگہ پر تھا۔ اس سے پہلے میں اول خان کے چہرے پر چھائی ہوئی تشویش کے سائے دیکھ چکا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ بھی تازہ مہم کے بارے میں مجھ سے کچھ گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا مگر روی کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ ہم دونوں کے دلوں کی بھڑاس نکلنے کے لیے ضروری تھا کہ روی جلد از جلد نشے سے مغلوب ہو کر مدہوش ہوجائے۔

"گاڑی ذرا تیز چلاؤ۔" میں نے اپنی سیٹ میں پہلو بدل کر اول خان سے کہا۔

"بے کار ہے۔" اول خان سے پہلے روی بول پڑا "ہم رفتار کتنی ہی بڑھالیں' رات گہری ہونے سے پہلے بھٹ شاہ نہیں پہنچ سکیں گے۔"

روی کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کی وہ دخل اندازی بالکل بے ساختہ تھی مگر اس کی زبان سے رات گہری ہونے کا ذکر سنتے ہی میری نگاہوں میں ایک نہایت مایوس کن تصویر گھوم گئی۔

میں سندھ کے [illegible] سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ حیدر آباد کے مضافات سے آگے اور سندھ کے سرحدی قصبے اباڑو تک میں بود و باش کا دیہی انداز بہت زیادہ غالب تھا۔ شہروں اور دیہاتوں میں صبح کی سرگرمیوں کا آغاز طلوع آفتاب سے پہلے ہی ہوجاتا ہے اور سورج ڈھلنے کے ساتھ ساری چہل پہل ماند پڑنے لگتی ہے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی بیشتر لوگ اپنے اپنے گھروں اور ٹھکانوں میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ زیادہ رات گئے گھر سے باہر نظر آنے والوں کو ہر شخص شک و شبے کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ایسے وقت میں کوئی من چلا کہیں کوچہ نوردی کرتے ہوئے پولیس والوں کی نگاہوں میں آجائے تو اسے بسا اوقات سرسری پوچھ گچھ کے بعد کم از کم وہ رات متعلقہ تھانے کی حوالات میں گزارنی پڑتی ہے۔

روی اور ماروتی کے ساتھ ہری چند کی تلاش کا پروگرام طے کرتے ہوئے میں وقت کے پہلو کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ رات دس بجے کے لگ بھگ بھٹ شاہ میں خاموشی اور تاریکی کا راج ہوتا۔ ایسے میں ہری چند کی تلاش کا مرحلہ مکمل ہونا ممکن نہیں تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا "دیہی علاقوں میں رات بہت جلد شروع ہوجاتی ہے۔"

"مگر بھٹ شاہ قومی شاہراہ کے قریب واقع ہے۔" میں نے اپنی بھولی بسری یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے دن رات ٹرک اور لاریاں وغیرہ گزرتی رہتی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے کی آبادیوں میں تھوڑی بہت رونق رہتی ہے۔ شاید بھٹ شاہ میں بھی ایسا ہی ہو۔ رات گئے وہاں کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر برابر ہیں۔" میں نے اپنے دل میں موجود خدشات کے برعکس بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔

"ساری رونق بھٹ شاہ والے موڑ سے آگے چوک کے بس اسٹینڈ تک محدود ہوتی ہے۔" پچھلی نشست سے روی نے وضاحت کی "ٹرکوں والے بھی اس ٹکڑے میں موجود ہوٹلوں اور مستریوں کی دکانوں پر ہوتے ہیں۔ اس سے آگے پیچھے سناٹا ہوتا ہے۔ میرا مشورہ مانو تو گاڑی واپس موڑ لو۔ ہم تینوں' شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں نیند پوری کرکے صبح منہ اندھیرے نکل جائیں گے۔"

"ہری چند کے لیے ایسی کئی راتیں برباد کی جاسکتی ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہارے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ تمہیں بستر کی طلب پر مجبور

Downloaded from https://paksociety.com

کردے گی۔"

"ارے مظہر جی!" اس نے دبے لہجے میں احتجاج کیا "یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ بھایا جی تو میرے منہ پر کہتے ہیں کہ میری رگوں میں خون کے بجائے الکحل گردش کرتی ہے جس دن وہ کم ہوئی' میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں پی کر سونے والوں میں سے نہیں ہوں' پی لیتا ہوں تو میرے بدن میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل میں ولولہ جاگ اٹھتا ہے۔"

"تم کم بولو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔" اول خان نے اس کی شیخی پر تلخی سے کہا۔

"تم میرے محسن ہو' جیسا کہو گے' کرتا رہوں گا۔" روی نے برا منائے بغیر جواب دیا "میں چپ رہا تو مظہر جی کی بات صحیح ثابت ہو جائے گی۔ تازہ اور کھلی ہوا کے جھونکے مجھے نیند کی آغوش میں پہنچا دیں گے۔ بولتا رہا تو جاگتا رہوں گا۔"

"ڈھنگ کی باتیں کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس اپنی بلا نوشی کے بارے میں ڈینگیں نہ مارو۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا "تمہیں ہری چند کے بارے میں تشویش ہے۔ اب ہم اسی کے بارے میں بات کریں گے کیونکہ مجھے بھی اس کے بارے میں بہت زیادہ تشویش ہے۔"

"تمہیں کیا تشویش ہے اس کے بارے میں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم سے بہت مختلف ہے۔ تم اسے پکڑ کر سولی چڑھانا چاہتے ہو' میں اس کے انجام سے خائف ہوں۔"

"اسی لیے تم ہمیں رات کراچی میں گزارنے کا مشورہ دے رہے تھے؟" اول خان کے لہجے کی تلخی بدستور برقرار تھی "یہ بات یاد رکھو کہ تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تب بھی وہ اپنے برے انجام کو نہیں ٹال سکے گا۔"

"اظہر جی! تم نے میری بات پکڑ لی۔ تمہاری کہی ہوئی بات بہت پہلے میرے ذہن میں جم چکی ہے۔ مظہر جی نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ اسے بچانے کی کوشش میں' میں خود کسی بڑی مشکل میں پڑ سکتا ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ ماروتی کا بھائی ہے۔"

"وہ... وہ تمہارا سالا ہے؟" اس انکشاف پر اول خان اپنی حیرت کا بے ساختہ اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ماروتی اور ہری چند میں کوئی رشتے داری تھی مگر مجھے اتنا موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں اسے ان کے حقیقی رشتے سے آگاہ کر سکتا۔

"سالا ہے۔ اسی لیے میں نے اس پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیا اور بھایا جی سے کہہ کر اسے حیدر آباد کا منیجر لگوا دیا۔" روی کہہ رہا تھا "آدمی اپنوں سے دھوکا کھاتا ہے' دوسروں پر بھروسا کرتا ہے' نہ ان سے مار کھاتا ہے۔"

"وہ ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔" میں نے اول خان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"وہ ماروتی کا اکلوتا کزن ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ وہ اس کے لیے کیسے گڑگڑا رہی تھی۔" روی بولا۔

چند ثانیوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی پھر اول خان کی آواز ابھری "تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

وہ سوال میرے لیے تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "چل پڑے ہو تو بس چلتے رہو۔ وہاں جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔"

"میں ہری چند کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم دونوں مجھ پر تھوڑا سا بھروسا کرو تو میں اس تک پہنچنے کے سلسلے میں تمہاری کافی مدد کر سکتا ہوں۔" اس بار قدرے طویل خاموشی کے بعد روی نے پیشکش کی۔

"اسے شناخت کرنے کے سوا تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟" اول خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے خوف سے بھاگا ہوا ہے یا پولیس والوں کے ڈر سے روپوش ہوا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" سفر جاری رکھنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اول خان کا موڈ تبدیل ہو چکا تھا۔

"وہ لوگ وردی والے ہوتے ہیں' تم بغیر وردی والے ہو۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پولیس والے کہیں بھی اچانک دھاوا بول کر اسے پکڑ سکتے ہیں۔ دوسرے دشمنوں کو وہ غچا دے کر نکل سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھٹ شاہ کے علاوہ کہیں اور بھی ہو سکتا ہے؟"

"اس کا اصل ٹھکانا بھٹ شاہ ہی ہے مگر وہ رنگین مزاج ہے۔ دن رات ملنگوں اور فقیروں میں نہیں پڑا رہے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگین مزاجی تم سب میں مشترک ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

روی بھی ہنس دیا "بات دراصل یہ ہے مظہر جی' کہ ناچ گانا ہمارے مذہب کا ایک حصہ ہے۔ پوجا پاٹھ بھی ان کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ کمسن اور خوب صورت عورتوں کے اس ناچ گانے میں پنڈتوں اور پجاریوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ تپسیا معطل کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں اور انسان

Downloaded from https://paksociety.com

خطا کا پتلا ہوتا ہے سو وہ پی کر پوجا منڈل میں آتے ہیں' مندروں میں بھی ان کی پیشانی پر تلک اور نظروں میں شراب کی مستی ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ دیکھ کر ہم جیسے عام آدمی بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اب تو یہ سب چل پڑا ہے۔ گھر سے مندر تک ہم سب سیکھے سکھائے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں پرمٹ سے سرکاری داموں پر ملتی ہے۔ بے چارے مسلمانوں کو بلیک سے خریدنی پڑتی ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہاری اصل آمدنی اسی بلیک سے ہوتی ہے۔" اول خان نے اپنی دانست میں طنز کیا۔

"میں نے کب اس سے انکار کیا؟" روی نے جھٹ سے جواب دیا "مسلمان یہ گن ہم سے سیکھتے ہیں۔ آج سارے مسلمان تمہارے جیسے ہو جائیں تو ہماری دولت زیادہ دن ہمارا ساتھ نہیں دے گی۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ اکھنڈ بھارت بکواس ہے۔ حمام کے بیچ میں کھڑی دیوار گرا دی گئی تو پھر کسی کو کسی کی شرم نہیں رہے گی۔ یہ دھندا ختم ہو جائے گا۔ ہم بھوکوں مر جائیں گے۔"

"مجھے یہ سن کر دکھ ہوا۔" میں نے کہا "تمہاری سوچ بہت محدود اور چھوٹی ہے۔"

"ارے مظہر جی! میں بھی بڑی بڑی باتیں بنا سکتا ہوں مگر تمہیں اپنا کہا ہے تو اس لیے دل کی بات بتا رہا ہوں۔ ہر انسان کے لیے پیسا دنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ دنیا میں لوگ دو پیسے کے روزگار کے لیے گھر بار' بال بچوں اور ماں باپ تک کو چھوڑ کر سمندر پار چلے جاتے ہیں۔ ہم تو گھر کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بس دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمارے روزگار کو پاکستان کے صدقے قائم و دائم رکھے۔"

اس کے وہ الفاظ طنزیہ بھی ہو سکتے تھے لیکن اس کا لب و لہجہ طنز و استہزا سے یکسر عاری تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اول خان اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھے بغیر بھڑک نہ اٹھے میں فوراً ہی بول پڑا "تم خدا کو کب سے ماننے لگے؟"

"اوہو...!" میرے ٹوکنے پر اس نے سنبھل کر کہا "یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' اس لیے خدا کا نام لے رہا ہوں۔ دراصل یہ ماحول کا اثر ہے۔ ہم سلام کرتے ہیں' مسلمان اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایسے بھلے لوگوں سے میل جول میں ہم خدا کا نام لینے لگے ہیں مگر جب بھی ہم خدا کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بھگوان کا تصور ہوتا ہے۔ بھایا جی بہت کٹر ہیں۔ وہ رام اور بھگوان کے سوا کچھ اور نہیں بولتے۔"

"یہ منافقت ہے کہ تم زبان سے کچھ اور کہتے ہو' دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ تم سے تو تمہارا بھایا جی اچھا ہے کہ دل کی بات ہی زبان پر لاتا ہے۔ تمہاری طرح کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔" اول خان اس کی طرف سے پھر کچھ بدک گیا۔

"یہ منافقت نہیں' یقین کی بات ہے' اظہر جی!" اس نے زور دے کر کہا "جو بھی اسے پکارتا ہے' اس یقین سے پکارتا ہے کہ وہی سب کچھ بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ اس کے سامنے سب چیونٹی سے زیادہ بے بس ہیں۔ اسے گاڈ' خدا' اللہ' رام یا بھگوان کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بھایا جی تو جنونی آدمی ہیں۔ جو بات ان کی موٹی عقل میں سما جائے' وہ سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے۔"

"اس بارے میں اپنی زبان بند رکھو!" اول خان اس کی ملحدانہ تاویل سن کر سختی سے بولا "اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ ہمارے یہاں اللہ کا تصور بہت صاف ستھرا اور کھرا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ایسا اکیلا ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ شریک!"

"یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ہر بات کی تان بھایا جی پر آ کر کیوں ٹوٹتی ہے۔" اول خان کے خاموش ہوتے ہی میں نے موضوع بدل دیا "تم جگدیش کو برا بھلا کہتے ہو اور ہر بات میں اس کی مثال بھی لے آتے ہو جیسے وہ تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہو۔"

"بھایا جی سنکی اور جھکی ہیں مگر گھر کے بڑے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد مجھے تو پالا بھی انہوں نے ہی ہے۔ میں ان کا نام کھرچ کر کیسے نکال سکتا ہوں۔ ان سے میرا اصل اختلاف ماروتی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتے۔"

"جگدیش کو تم پر اپنی پسند مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شاید وہ تمہیں آج بھی بچہ سمجھتا ہے۔"

"یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی بیوی یعنی بھابی ان سے دگنی موٹی اور بدشکل ہے۔ شاید وہ ماروتی کی وجہ سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور کھسیانی بلی کی طرح ہر وقت کھمبا نوچتے رہتے ہیں۔"

"ماروتی کا انتخاب کرتے ہوئے تمہیں خیال رکھنا چاہیے تھا کہ جگدیش کے دل پر کیا گزرے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ماروتی کتنی ملنسار اور خوش مزاج ہے۔ جو ایک بار اس سے مل لیتا ہے' اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس نے بھایا جی کو عزت دینے کی بہت کوششیں کیں مگر انہیں گھر کی عزت راس نہیں آئی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ واقعی بہت اچھی اور پیاری عورت ہے مگر میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے بارے میں تم بہت کھلا ذہن رکھتے ہو ورنہ اسے یوں ہوٹل میں اکیلا چھوڑ کر نہ آتے۔ ہوٹلوں میں ہر رنگ کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگنے کے بعد بھی وہ رات بھر اسی ہوٹل میں ٹھہری تھی اور وہیں تم سے ملی تھی۔ تم خود بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا تکلیف پہنچائی؟ کیا تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے؟"

اس کا وہ سوال اس قدر دلیرانہ اور براہِ راست تھا کہ میں ماروتی سے ہونے والی اس ملاقات کا تصور کر کے چند لمحوں کے لیے سٹپٹا گیا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ماروتی نے اپنے شوہر کو اس حد تک بتا دیا ہوگا۔

"مجھے اس بے چاری سے کیا شکایت ہوگی۔ وہ تو ہر قیمت پر تمہیں معافی دلوانے کے لیے بے چین تھی۔" وہ جواب دیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ روی موہن کو ماروتی پر واقعی اندھا اعتماد تھا یا پھر وہ ایک بے حس اور بے غیرت شوہر تھا۔

"اس سے کسی کو شکایت نہیں ہوتی۔ وہ بہت حوصلے اور دل والی عورت ہے۔ جب تک وہ خود نہ چاہے، کوئی غیر مرد اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اسی بھروسے پر میں نے اسے آج پھر ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ عورت اور قسمت۔ ان دو چیزوں کو آدمی زبردستی اپنے قابو میں نہیں کر سکتا۔ یہ مقدر والوں پر خود مہربان ہوتی ہیں اور جب روٹھ جائیں تو انہیں منانا ناممکن ہوتا ہے۔"

اس کی کھلی کھلی باتوں سے مجھے حوصلہ مل رہا تھا۔ میں نے کہا "میں ماروتی کی بات نہیں کر رہا۔ میں ایک عام سی بات کر رہا ہوں کہ عورت کو آزادی مل جائے اور اسے رازداری کا یقین ہو تو پھر اسے بہکنے میں دیر نہیں لگتی۔"

"تم نے عام سی بات کی ہے مگر میں ماروتی کے بارے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ سے خوش نہیں ہے اور بہکنا چاہتی ہے تو پھر بہک جائے۔ میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ تمہاری بات الگ ہے مگر مرد عام طور پر ہرجائی ہوتے ہیں۔ خود میری کئی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں۔ میں اس بارے میں زیادہ سوچنے کا قائل نہیں ہوں۔ ماروتی کے دل میں میرے لیے پیار ہی پیار ہے۔ جس دن اس میں کمی آئی، مجھے خود علم ہو جائے گا۔ مجھے سارا ڈر بھایا جی کی زبان کی طرف سے رہتا ہے۔ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر ماروتی کو ایسی ایسی گالیاں دیتے ہیں کہ میں لرز جاتا ہوں۔ ان کی ضد میں آ کر ماروتی نے کوئی انتقامی قدم اٹھا لیا تو میں زندگی بھر بھایا جی کو معاف نہیں کروں گا۔ وہ میرے بڑے بھائی ضرور ہیں مگر انہیں میری زندگی سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ نرا احمق تھا اور اپنے تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ اسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ وہ جس گھڑی سے ڈر رہا تھا، وہ آ کر گزر چکی تھی۔ ماروتی نے اپنے جیٹھ کی ضد میں چپکے سے اپنے گھرانے کی عزت کو ڈس لیا تھا۔ وہ جگدیش سے ماروتی انتقام تھا اس لیے روی اپنے گھر کو لگ جانے والی اس آگ کی تپش کو بالکل محسوس نہیں کر سکا تھا مگر شاید ماروتی نے جگدیش کو کسی طرح جتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا تھا۔

روی کی سوچ واضح تھی مگر اس کا تردد میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارے دل میں ایسے بھیانک اندیشے پل رہے ہیں تو تم کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے؟ تمہیں کس گھڑی کا انتظار ہے؟"

"بھایا جی ماروتی پر گرجتے برستے ہیں تو پہلے اس کی آنکھیں نم ہوتی ہیں پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں اس کے دل کی ساری کدورت دھل جاتی ہے۔ جس دن اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے اور اس نے بھوکی شیرنی کی طرح بھایا جی کو گھورنا اور جواب دینا شروع کر دیا، میں اپنی زبان بندی ختم کر کے بھایا جی کی طبیعت صاف کر دوں گا۔"

مجھے یاد آیا کہ جب بھایا جی نے میرے اور اول خان کے سامنے ماروتی کی تذلیل کی تھی تو وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس سے مقابلے پر تل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی نمی نہیں آئی تھی اور جگدیش اسے بمشکل اندر لے جا سکا تھا۔

اپنی بیوی کے بارے میں روی موہن کے سارے اندازے سو فی صد درست تھے۔ خرابی یہ ہوئی تھی کہ اپنی زندگی کے ایک فیصلہ کن موڑ پر وہ خود موجود نہیں تھا بلکہ خود کو قانون کی آہنی گرفت سے بچانے کے لیے شہر کے کسی گمنام گوشے میں دبکا ہوا تھا۔

روی کے جواب پر گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ میری طرح اول خان بھی موہنوں کے خاندان پر خاموشی سے نازل ہونے والی تباہی کے بنیادی سبب سے واقف ہو چکا تھا اور ہونٹ بھینچے، ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

میں خود اس کہانی کا ایک کردار بننے پر مجبور کر دیا گیا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

اس لیے میں نے گہری دلچسپی کے ساتھ روی موہن کو کریدا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ روی اپنی بیوی کے بارے میں بہت زیادہ پر اعتماد اور آزاد خیال تھا مگر پھر بھی ماروتی نے براہ راست اسے دغا نہیں دی تھی۔

اس گھر کو گھر ہی کے سب سے بڑے اور شاید سب سے روشن چراغ سے آگ لگی تھی۔

اول خان نے اس بارے میں میرے تجسس کو بھانپتے ہوئے درمیان میں دخل اندازی نہیں کی تھی لیکن روی کی گفتگو سے سامنے آنے والے حقائق کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اسے ہری چند یاد آگیا۔

"تم نے بلاوجہ ہمیں اپنی گھریلو باتوں میں الجھالیا۔ ہری چند کی بات اس کی رنگین مزاجی تک آکر رہ گئی۔" اول خان نے گردن کو قدرے موڑ کر کہا۔ اس وقت بھی اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔

"ہاں' میں کہہ رہا تھا کہ وہ پولیس کے ڈر سے بھاگا ہے تو پھر ملنگ بن کر جھٹ شاہ میں ہی چھپا رہے گا۔" روی کو فوراً ہی اپنی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "اور اگر وہ تمہارے ڈر سے روپوش ہوا ہے تو دن میں مزار کے آس پاس پڑا رہتا ہوگا اور راتیں ہالا کی کسی بدنام عورت کے گھر گزارتا ہوگا۔ ہالا شہر کے مخصوص' پچھلے حصے میں ذرا سی محنت کرکے اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم ہمارے خوف سے اپنے گھر سے نکل کر اس طرح فرار ہوئے تھے جیسے موت تمہارا پیچھا کررہی ہو۔ آج کی پوزیشن کو بھول کر اس وقت کے بارے میں سوچو اور اندازہ لگالو کہ ہری چند کا کیا حال ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔" روی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ ہری چند نے کرشن کمار کی ہدایت پر اپنی گاڑی کچھ اجنبی غنڈوں کو دی تھی اور وہ گاڑی کراچی میں پکڑی جاچکی تھی۔ اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جوں ہی مجھے تم لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو مجھے اپنے سامنے موت کھڑی نظر آنے لگی اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب تک ماروتی نے مجھے اطمینان نہیں دلایا' ہر آہٹ پر میری جان نکلی جاتی رہی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ مجھے ڈھونڈنے والے کسی بھی وقت میری پناہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہری چند ان چکروں میں براہ راست ملوث ہے۔ ماروتی سے یہ سن کر وہ دہشت زدہ ہوگیا ہوگا کہ کسی انجنسی کے آدمی تمہاری تلاش میں تمہارے گھر پہنچے ہیں۔ یہ دہشت اسے عیاشی کی طرف مائل نہیں ہونے دے گی۔ وہ جہاں ہے' وہیں چھپا رہے گا۔"

"یہ میری رائے تھی جو غلط بھی ہوسکتی ہے۔"

ٹول پلازا سے آگے' میمن گوٹھ کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نظریں غیر ارادی طور پر دائیں طرف اٹھ گئیں۔ اسی آبادی کے قرب جوار میں کہیں ڈیوڈ اور جمی کی لاشیں ان کی کار کی آہنی چتا میں جلی تھیں۔

اس وقت تک جو کچھ روی کے علم میں آچکا تھا' وہی کافی تھا۔ اسے ہمارے اصل نام معلوم نہیں تھے مگر وہ ہمیں پہچانتا تھا۔ اسے ہمارے گھر کا علم نہیں تھا لیکن وہاں کا فون نمبر وہ جان چکا تھا۔ اس سے آگے اس پر اعتماد کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس وقت وہ ہمارے دباؤ میں آیا ہوا تھا اور ہمارے لیے کام کررہا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اسے ہر حال میں ہمارا ساتھ دینا تھا مگر ہم دونوں میں سے کوئی اس امکان سے غافل نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں کرشن کمار یا ہری چند جیسے ملک دشمن عناصر ایک مرتبہ پھر اس کی ہمدردیاں حاصل کرسکتے تھے۔ ایسی صورت میں اس کی نازک مسائل سے آگاہی ہمارے لیے مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔

میمن گوٹھ کے عقب میں واقع 'گرین فارم' پر پیش آنے والے واقعات ہمارے لیے ناقابل فراموش تھے۔ وہاں اول خان اور سلطان شاہ نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ ایک طرف کرشن کمار کو زندہ پکڑا گیا تھا تو دوسری طرف ایف بی آئی کے دو امریکی اہلکاروں کو ایسے حالات میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا کہ کسی کی جانب سے کسی جائز احتجاج کی گنجائش نہیں رہی تھی مگر ہم دونوں میں سے کسی نے میمن گوٹھ کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ آبادی سے آگے گزرتی رہی۔

میمن گوٹھ کی روشنیاں ختم ہونے سے پہلے روی موہن اچانک بول پڑا "کرشن کمار یہیں چھپا ہوا تھا۔"

"وہ یہاں سے نہیں' کراچی میں داخل ہوتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"کمال ہے۔" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "میں نے ماروتی کو بتایا تھا کہ وہ یہیں گرین فارم میں چھپا ہوا تھا' اخباروں میں بہت کچھ آیا ہے۔ فارم سے کچھ دور دو امریکی بھی کسی حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ کیا ان واقعات کا کرشن کمار سے کوئی تعلق نہیں تھا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"تعلق ہوتا تو اخباروں میں اس کا ذکر بھی ساتھ ساتھ آتا۔ وہ ایک الگ واقعہ تھا۔ وہ پکڑا گیا اور مار دیا گیا۔"

"اخبار میں اس کی تصویر دیکھ کر مجھے جھرجھری آگئی تھی۔ اس کی لاش کراچی کے ہی کسی علاقے سے ملی تھی۔" اس نے اپنے موقف پر اصرار کرنے کے بجائے وہی بات دہرا دی جو اخباروں تک پہنچائی گئی تھی پھر بے ساختہ پوچھا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کے بارے میں ماروتی سے جو اطلاع ملی' وہ بے سود ثابت ہوئی ہوگی۔ تمہیں بلاوجہ یہاں تک دوڑ لگانی پڑی۔"

"ہمیں یہاں تک آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔" اس کا سوال سنتے ہی میرا ذہن چل پڑا تھا اور تیزی کے ساتھ ایک کہانی کا تانا بانا تیار ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہمیں ماروتی نے دیر سے کرشن کمار کی کمین گاہ کے پتے سے آگاہ کیا۔ تھوڑی سی تیاری میں مزید وقت ضائع ہوا۔ جب ہم میمن گوٹھ کے لیے روانہ ہوئے تو یہاں کھیل ختم ہوچکا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم سے پہلے کسی اور نے اسے ٹھکانے لگا دیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"اتنی لمبی چھلانگیں نہ لگاؤ۔ تحمل سے پوری بات سن لو۔" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا "اسے کسی نے نہیں مارا تھا مگر گرین فارم پر کچھ نہ کچھ ہوچکا تھا۔ دونوں امریکی ایک پراسرار حادثے کا شکار ہو کر چل بسے تھے اور کرشن کمار یہاں سے بھاگ نکلا تھا۔"

"اس نے تمہارے ساتھ امریکیوں سے بھی کوئی مخاصمت مول لی ہوئی ہوگی!"

"تینوں مرچکے ہیں اس لیے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم صرف قیاس آرائی کرسکتے ہیں۔ ہم کراچی سے نکل رہے تھے اور ٹول پلازا سے پہلے والی چیک پوسٹ پر ایک پولیس پارٹی نے کرشن کمار کو روکا ہوا تھا۔"

"اس کا رنگ اور چہرہ اتنا غیر معمولی ہے کہ تم نے اسے دور ہی سے پہچان لیا ہوگا۔" وہ قیاس آرائی کیے جارہا تھا۔

"بس' اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے کہ اظہر نے اسے دیکھا اور پہچان لیا۔"

"ہمارے پاس اس سے زیادہ پوچھ گچھ کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں اس کے جرائم کا علم تھا۔ اس نے ڈھٹائی سے کام لینا چاہا اور یوں تشدد سہتے سہتے مرگیا۔ تم اس کے بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو۔"

"گرین فارم کا مالک میرا گہرا دوست ہے۔ اس نے میری سفارش پر کرشن کمار کو پناہ دی تھی۔ اس بے چارے کو کرشن کمار کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اگر وہ کرشن کمار کی وجہ سے کسی مشکل میں پڑگیا تو میں اس کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

"ان پیچیدگیوں کی وجہ سے تمہیں اپنی ریوٹی کو تھوڑا سا طول دینا پڑا۔ پولیس کو اس شخص کی تلاش تھی جس کے ایما پر کرشن کمار کو گرین فارم میں پناہ دی گئی تھی۔ فارم کے مالک نے اپنی چمڑی بچانے کے لیے سب کچھ اگل دیا تھا۔"

"مگر اسے کرشن کمار کے اصل نام کی بھنک بھی نہیں ملی تھی۔ وہ شیرو کے نام سے وہاں پہنچا تھا۔"

"شیرو اور کرشن کمار کا ڈراما زیادہ دیر تک نہیں چل سکا تھا۔ امریکیوں کی موت کی وجہ سے اس معاملے نے بہت اہمیت اختیار کرلی تھی۔ فارم کے مزدوروں نے کرشن کمار کی لاش کی تصویریں دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہی شخص شیرو کے نام سے فارم پر مقیم تھا۔"

"پھر تو وہ بے چارہ ضرور مشکل میں پھنس گیا ہوگا!" روی پر تشویش اور اوپچی آواز میں بڑبڑایا۔

"وہ پولیس کا معاملہ ہے۔ میمن گوٹھ میں جو کچھ ہوا یا اب ہورہا ہوگا' اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تم میرے دوست کے لیے کچھ کرسکتے ہو؟" روی نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"تم پھر بہک رہے ہو!" میں نے اسے تنبیہہ کی "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس چکر سے اپنی گردن بچانے کی فکر کرو۔ دوسروں کے لیے زیادہ ہمدردی دکھائی تو تم خود بھی کسی المناک انجام سے دوچار ہوجاؤ گے۔"

"مظہر جی! میں شرمندہ ہوں۔" اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہ کہہ رہا تھا "جو بات میں ہری چند کے حوالے سے ماروتی کو سمجھا رہا تھا' وہی بات اس وقت میرے ذہن سے نکل گئی۔"

"ہماری طرف سے تمہیں کلیرنس مل چکی ہے۔ ہم قول کے پکے ہیں' جو وعدہ کرتے ہیں اسے آخر تک نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" میں نے اپنی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہوئے' زور دے کر کہا "مگر یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ پولیس فورس کو تم سے دور رکھنے کے لیے ہمیں کیا پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ آج بھی امریکی ہراس شخص کی گرفتاری کا مطالبہ کررہے ہیں جس کا سایہ بھی گرین فارم کے قریب سے گزرا ہو۔"

"تمہارے بتانے سے پہلے یہ بات میری سمجھ میں آگئی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی کہ اپنی ایجنسی کے سوا تم کسی کی ذمے داری نہیں لے سکتے۔"

"پولیس کی طرف سے درپیش خطرہ کسی بھی وقت سر ابھار سکتا ہے۔ اس امکان کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلو گے تو تم سے کہیں کوئی لغزش نہیں ہوگی۔ ابھی ہری چند کا نام ہمارے سامنے ہے۔ نہ جانے کل کس کی باری آجائے۔"

"گھر پر ماروتی تم سے کہہ رہی تھی کہ تم چھانٹ چھانٹ کر ہندوؤں کو اپنا نشانہ بنا رہے ہو۔ اس وقت مجھے دھیان نہیں آیا تھا۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ گرین فارم ایک مسلمان کی ملکیت ہے اور وہ میرا گہرا دوست ہے۔"

"یہ بات ماروتی کو ضرور بتا دینا تاکہ اس کی غلط فہمی دور ہوسکے۔ تمہارا وہ دوست مسلمان ہونے کے باوجود مکافاتِ عمل سے گزر رہا ہوگا۔ اپنی زمین سے غداری کرنے والوں کے لیے قانون نافذ کرنے والے سارے باوردی اور سادہ پوش ادارے سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

اس دوران میں میمن گوٹھ کی آبادی بہت پیچھے رہ گئی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے نگاہ ڈالی تو آنے اور جانے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بس سپرہائی وے کی بل کھاتی ہوئی' سیاہ دھری پٹیاں چمک رہی تھیں۔ سڑک کے اطراف میں ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔

میرے حساب سے روی موہن نے شراب کی وافر مقدار لی ہوئی تھی لیکن اس کے اعصاب نشے کے گہرے اثرات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس کا ذہن کام کررہا تھا اور زبان کسی لکنت کے بغیر اس کے خیالات کا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی۔

میں نے بس اتنا محسوس کیا کہ اسے بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہورہی تھی۔ جب بھی سکوت کے لمحات کچھ طول پکڑتے' وہ نیند بھگانے کی کوشش میں کوئی نہ کوئی نئی بات چھیڑ دیتا تھا اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی۔

حیدر آباد تک کا سفر کافی تیز رفتاری سے طے ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوگئے۔

ہم تینوں کراچی سے روانہ ہوئے تو کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ حیدر آباد سے آگے کا سفر کیسا رہتا اور بھٹ شاہ میں کیا حالات پیش آتے' اس کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایسے میں کھانے کے لیے حیدر آباد ہی سب سے بہتر تھا۔ اول خان بھی رات بھر بھوکا رہنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے قاسم چوک سے بائیں طرف مڑنے کے بعد ایک ہوٹل کے پاس گاڑی پارک کردی۔

ہم ہوٹل میں داخل ہوئے تو ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے صاف ستھرے کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص نے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ اس کی مسکراتی ہوئی استقبالیہ نگاہوں کے تعاقب میں' میں نے روی کی طرف دیکھا تو وہ بھی جواب میں مسکرا کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ہوٹل والے سے روی کی وہ شناسائی ہمیں مہنگی پڑسکتی تھی۔

اسی اثنا میں کاؤنٹر والے کے اشارے پر ایک ویٹر ہماری طرف لپکا چلا آیا تھا۔ اس نے ایک میز کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ ہم نے کرسیاں سنبھال لیں تو اس نے میز کی سطح پر کپڑا پھیر کر اسے غیر ضروری طور پر صاف کیا' قریبی میز سے تین گلاس اور ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ایک جگ ہماری میز پر منتقل کیا اور پھر ہمیں سوچنے کا موقع دے کر ہمارے پاس سے دوبارہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

میز پر رکھے ہوئے شفاف شیشے کے نیچے ہوٹل کے دو مینو اس طرح دبے ہوئے تھے کہ میز کے گرد بیٹھا ہوا ہر شخص ان کا مطالعہ کرکے اپنی پسند کے کھانوں کا انتخاب کرسکتا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ ویٹر کی آمد کی وجہ سے میرا چبھتا ہوا سوال ہونٹوں تک آکر رہ گیا تھا۔ روی نے میرے تیور بھانپ لیے تھے اور اندازہ لگا چکا تھا کہ میں اس سے کوئی کڑوی کسیلی بات کرنے والا تھا۔

"ہوٹل میں گھستے ہی تم کچھ پریشان ہوگئے ہو!" روی نے بھنچتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اظہر نے جس ہوٹل کا انتخاب کیا ہے اس کا مالک یا کوئی ذمے دار ملازم تمہارا شناسا ہے!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے ترشی سے پوچھا۔

وہ مسکرایا پھر بولا "غنیمت ہے کہ میں نے اس ہوٹل میں آنے کا مشورہ نہیں دیا ورنہ تم زیادہ ہی بدگمان ہوجاتے۔ اس ہوٹل میں صرف کھانے کا نہیں بلکہ پینے کا سامان بھی چلتا ہے۔" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں بند کرکے انگوٹھا دہانے کی طرف لے جاتے ہوئے اشارہ کیا "یہاں ہمارا پرانا لین دین ہے۔ ہم بالکل بے خوف و خطر ہو کر یہاں اپنی شکم پری کرسکتے ہیں۔"

"ان لوگوں سے یہ لین دین ہری چند ہی کرتا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

"وہ حیدر آباد میں منیجر ہے' لین دین اسی کا کام ہے مگر ہم

Downloaded from https://paksociety.com

لوگ بھی کراچی اور میرپور خاص کے درمیان سفر کرتے ہوئے یہاں رکتے ہیں بھایا جی نے بچپن سے مجھے سکھایا ہے کہ اچھے کاروبار کے لیے ضروری ہے کہ مالک اپنے مستقل گاہکوں سے رابطہ رکھے۔۔۔"

"تمہیں پھر بھایا جی یاد آگیا!" اول خان اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "اب تم نے اپنے اس مردود بھائی کا نام لیا تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ دوں گا۔ اس کا نام سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔"

روی خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "اچھا ہوا کہ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے وارننگ دے دی۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ میری زندگی پر ان کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ انہیں ناپسند کرنے کے باوجود میں بھولنے سے قاصر ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اظہر کا ہاتھ کراٹے کا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

موہن خاندان کا آبائی شہر میرپور خاص تھا جبکہ وہ لوگ کراچی میں رہتے تھے۔ دونوں شہروں کے درمیان سفر کرتے ہوئے اس ہوٹل کے مالک اور ملازمین سے ان کا میل جول قابلِ فہم تھا۔ میرے ذہن میں رینگنے والے خدشات کچھ کمزور ہوگئے۔

مینو کا تعین ہوجانے کے بعد اول خان نے روی سے باتھ روم کے بارے میں پوچھا اور اس کی نشان دہی پر اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ باتھ روم اسی سمت میں واقع تھا۔ اول خان ہاتھ دھو کر لوٹا تو روی اٹھ کر اسی طرف ہولیا۔

ہم دونوں کی نگاہیں اس کا تعاقب کررہی تھیں۔ راستے میں وہ کاؤنٹر پر رکا تو میرا اندازہ تھا کہ وہ چند ٹافیوں کی رسمی مزاج پرسی کے بعد وہاں سے آگے بڑھ جائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وہ کہنیاں ٹیک کر کاؤنٹر پر جھکا' وہاں موجود شخص سے باتیں کررہا تھا۔

"دونوں میں راز و نیاز شروع ہوگئے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اس نے ہوٹل والے سے مل کر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو منہ کی کھائے گا۔"

وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ اس گوشے میں ہلچل سی نظر آئی پھر روی باتھ روم کی طرف جانے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ ہماری طرف واپس آتا ہوا نظر آیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کاؤنٹر والا اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکلا اور عجلت میں مخالف سمت میں چل دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک دروازے کے پیچھے غائب ہوگیا۔ اس دوران میں روی ہمارے پاس واپس آچکا تھا۔

"گڑبڑ ہوگئی۔" وہ آتے ہی کسی تمہید کے بغیر بولا "ہم آئے تو ہری چند یہیں موجود تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔"

میں غیر ارادی طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا "وہ یہاں کیا کررہا تھا؟"

"وہ کئی دنوں سے روپوش تھا۔ شاید پیسے ختم ہوگئے ہوں گے۔ یہاں سے حساب لینے آیا تھا۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ وہ بھٹ شاہ میں ملنگ بن کر چھپا ہوا ہے!" میں نے کہا۔

"آدمی کوئی بھی سوانگ رچالے' گزارے کے لیے رقم ضروری ہوتی ہے۔ وہ پیسے لینے کے بعد ملکانی سے باتیں کررہا تھا۔ جوں ہی ہم اندر داخل ہوئے' وہ ملکانی سے سلام دعا کیے بغیر یہاں سے نکل گیا۔۔۔"

"حیرت ہے کہ یہ بات تمہیں اتنی دیر سے بتائی گئی۔" اول خان نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا "ہمیں ہوٹل میں آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ اب تک وہ بہت دور نکل گیا ہوگا۔"

"شاید ہوٹل والے بھی اس سے ملے ہوئے ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں لقمہ دیا "یہ بات تو کوئی اُلّو کا پٹھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اپنے مالک کو دیکھ کر رقم سمیت بھاگنے والا ملازم کبھی کسی کا وفادار نہیں ہوسکتا۔ انہیں تم کو آتے ہی ہری چند کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔"

"میں اکیلا ہوتا تو شاید وہ یوں حواس باختہ ہوکر نہ بھاگتا" روی نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "میرے ساتھ تم دونوں کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ پیسے اس کی جیب میں جاچکے تھے' وہ بھاگ گیا۔"

وہ بھاگ گیا اور ہم یہاں بیٹھے تمہارے ساتھ جھک مار رہے ہیں۔ اول خان کا پارہ بتدریج چڑھنے لگا تھا "معلوم کرو کہ وہ کدھر گیا ہے؟"

"ملکانی کاؤنٹر چھوڑ کر اپنے آدمیوں سے یہی معلوم کرنے گیا ہے کہ ہری چند کی گاڑی کدھر گئی ہے" روی نے سہم کر جواب دیا "جو کچھ تم دونوں کہہ رہے ہو' میں ملکانی کو وہ سب سناچکا ہوں۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہری چند مفرور ہے۔"

کاؤنٹر والا اسی دروازے سے برآمد ہوا جس میں وہ غائب ہوا تھا۔ اس بار اس کی رفتار اتنی غیر معمولی تھی کہ ہوٹل میں موجود کئی گاہک چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ میزوں کے درمیان سے ہوتا ہوا' سیدھا ہمارے پاس آرکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ ہائی وے پر ٹمیاری کی طرف گیا ہے' گاڑی میں اکیلا تھا" آنے والے نے بتایا۔

"وہ ہاتھ نہ آیا تو واپسی پر ہم تمہیں دیکھ لیں گے" اول خان اس پر غرایا۔

میں ملکانی کا پیغام سنتے ہی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ دونوں نے میری تقلید کی۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد مجھے خیال آیا اور میں پھر ملکانی کی طرف پلٹ پڑا جو اپنا سر جھٹک کر کچھ بڑبڑاتا ہوا کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔

"وہ کس گاڑی میں ہے۔ اس کا ....." میرا سوال مکمل ہونے سے پہلے ملکانی نے بولنا شروع کر دیا۔

"کالی مزدا میں ہے!" میں نے بس اتنا سنا اور دروازے کی طرف ہو لیا۔

میرے سوار ہونے تک اول خان لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ وہ دیو ہیکل گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی' اول خان نے پورا اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کو واپس موڑا اور پھر برق رفتاری کے ساتھ مین روڈ پر آ گیا۔

"وہ مجھے تم دونوں کے ساتھ دیکھ کر تشبّے میں پڑا ہے تو اب بھٹ شاہ کا رخ نہیں کرے گا" روی بولا۔

اس کی بات صحیح تھی۔ ہم تینوں کو یکجا دیکھ کر وہ اسی ایک نتیجے پر پہنچ سکتا تھا کہ روی اپنے نامعلوم دشمنوں کی گرفت میں آ گیا ہے اور دو اجنبی روی کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ہم اس ہوٹل میں اتفاقاً جا گھسے تھے مگر ہری چند کو شبہ ہو سکتا تھا کہ روی نے بھٹ شاہ جانے سے پہلے دانستہ اس ہوٹل کا رخ کیا ہو تاکہ وہاں سے اس کے بارے میں کوئی تازہ ترین سن گن مل سکے۔

شاید ہری چند نے بھٹ شاہ کو اپنا محفوظ ترین ٹھکانا سمجھ کر وہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ اس بارے میں اس نے خود ہی ماروتی کو بتایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ روی کسی وجہ سے زیر ہو چکا تھا تو ماروتی کے علم میں آئی ہوئی ہر بات روی کے ذریعے اس کے دشمنوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ وہ اکیلا تھا۔ پرانی کمین گاہ سے ایک بار نکل آنے کے بعد ضروری نہیں تھا کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرے۔ گاڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قومی شاہراہ سے نکلنے والے کسی بھی راستے پر مڑ کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ میں نے چلتے چلتے ملکانی سے ہری چند کی گاڑی کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ عملی طور پر ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہ ہوتا۔ حیدر آباد سے میلوں دور نکل جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا تاکہ ہم ایک بے نام و نشان کار کا پیچھا کر رہے تھے جسے تلاش کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ تمہاری دانست میں وہ اور کہاں جا سکتا ہے؟"

"یہ سڑک شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہے اور اس کے دونوں اطراف میں بے شمار آبادیاں ہی آبادیاں ہیں۔ وہ اپنا گھر چھوڑ چکا ہے۔ کہیں بھی چلا جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی رشتے' کنبے داری صرف حیدر آباد اور میرپور خاص میں ہے یا کراچی میں ہم رہتے ہیں۔"

"اظہر خان! ہم اسے کہاں تک تلاش کریں گے؟" چند ثانیوں بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"مظہر خان! میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم روی کی باتوں سے متاثر ہو رہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ ہری چند اس کا سالا ہے اور یہ موقع پاتے ہی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کرے گا۔ تمہیں اس کی باتوں پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"توبہ' توبہ!" پچھلی نشست سے روی کے گال پیٹنے کی آوازیں آئیں "مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ابھی تک مجھ پر بھروسا نہیں ہو سکا۔ وہ میرا نہیں' ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔"

"پھر تم ہمیں لوٹ جانے پر کیوں اکسا رہے ہو؟" اول خان نے طنز سے پوچھا۔

"میں تمہیں کیوں اکساؤں گا؟ میں تو مظہر جی کی بات کا جواب دے رہا تھا" اس کی افسردہ آواز ابھری "تم اس کی تلاش میں پشاور تک جانا چاہو تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے اس سے زیادہ اپنی زندگی اور آزادی عزیز ہے۔"

اول خان ٹریفک کے بہاؤ کے پیش نظر لینڈ روور کی رفتار کنٹرول کر رہا تھا۔ حیدر آباد کے شہری ٹریفک سے نکل کر اس نے رفتار بہت تیز کر دی۔ وہ آگے جانے والی ہر گاڑی اور ٹرک کو اوور ٹیک کرتا ہوا' لینڈ روور کو یوں اڑا رہا تھا جیسے اسے ہری چند تک پہنچنے کا پورا یقین ہو جبکہ میں پُرامید نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہری چند سیدھا جانے کے بجائے راستے سے ہی کہیں مڑ گیا ہوگا۔

قومی شاہراہ پر ہمارا وہ برق رفتار سفر زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ حیدر آباد سے بیس پچیس کلومیٹر دور نکلنے کے بعد ہمیں اپنے آگے سرخ روشنیوں کی ایک طویل قطار ٹھہری ہوئی نظر آنے لگی۔ مخالف سمت سے آنے والا ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"شاید آگے سڑک خراب ہے یا کسی کام کی وجہ سے راستہ بند ہے" اول خان رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

خم دار سڑک پر رکی ہوئی گاڑیوں کی بکھری ہوئی سہ رویہ قطار کافی دور تک نظر آرہی تھی۔ اول خان نے جیپ سڑک کے انتہائی بائیں سرے پر لاکر کچے میں اتار دی اور ہلکی ہلکی دھول اڑاتا کافی آگے نکل گیا مگر اس سے زیادہ ہوشیار ڈرائیوروں نے بائیں طرف کھدے ہوئے ایک نالے تک پھیل کر راستہ اس طرح مسدود کردیا تھا کہ اول خان کو پورے بریک استعمال کرنے پڑگئے۔

"برے پھنسے" پیچھے سے روی بول پڑا "اگر وہ سیدھا آیا ہے تو ہمارا راستہ صاف ہونے سے پہلے بہت دور نکل جائے گا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرح اس جام میں پھنسا ہوا ہو" میں نے تیزی سے کہا "تم اتر کر میرے ساتھ آؤ۔ ہم آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قسمت ہمارا ساتھ دے اور وہ نظر آجائے۔"

"اس بھیڑ میں، میں تمہیں کہاں تلاش کروں گا؟" اول خان بولا "ایک بار ٹریفک چل پڑا تو میرے لیے رکنا مشکل ہوجائے گا۔ پیچھے والے ہارن بجا بجا کر قیامت کھڑی کردیں گے۔ دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے رہو۔"

اسی وقت میرے کانوں میں کسی کی آواز آئی۔ وہ اونچی آواز میں کسی کو بتا رہا تھا کہ آگے کوئی خطرناک حادثہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے سارا ٹریفک معطل ہوکے رہ گیا تھا۔

"تم بائیں طرف سے آگے آنے کی کوشش کرتے رہو۔ ہم ہری چند کے ساتھ تمہارا بھی خیال رکھیں گے۔" یہ کہہ کر میں گاڑی سے اتر گیا۔

وہ ٹریفک جام ایک کھلے ویرانے میں ہوا تھا مگر گاڑیوں کے چلتے ہوئے انجنوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کی وجہ سے فضا بوجھل اور آلودہ ہوگئی تھی۔ میں نے نیچے اتر کر فضا کو مزید آلودہ کرنے کے لیے سگریٹ سلگائی اور ہری چند کے ساتھ آگے چل دیا۔

رکے ہوئے ٹریفک میں ٹرکوں، ٹینکروں اور گاڑیوں کے ساتھ کئی مسافر بسیں بھی پھنسی ہوئی تھیں۔ متعدد من چلے مسافر بسوں سے نیچے اترے ہوئے تھے اور شاید سب ہی کو معلوم ہوچکا تھا کہ آگے کوئی حادثہ ہوچکا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹریفک رک رک کر ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ وہ بات پھیل جانے کی وجہ سے کوئی ڈرائیور غیر ضروری عجلت دکھا رہا تھا نہ ہارن بجا رہا تھا۔

ہم ٹریفک میں پھنسی ہوئی گاڑیوں میں کسی سیاہ مزدا کار کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ٹریفک کے سرکنے کی رفتار ہم سے زیادہ سست تھی۔

"ہم وقت برباد کررہے ہیں" روی نے تیز سانسوں کے درمیان کہا "وہ ادھر نہیں آیا ہوگا۔"

"وقت کبھی برباد نہیں ہوتا۔ وہ ملے یا نہ ملے، اب ہم بھٹ شاہ تک ضرور جائیں گے۔"

"تم اظہر جی کا بہت لحاظ کرتے ہو اور کرنا بھی چاہیے، کیونکہ ان کا غصہ تیز ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہماری پیش قدمی جاری رہی پھر مجھے حادثے کی پہلی جھلک نظر آئی۔ میرے لیے وہ منظر ناقابل یقین اور سنسنی خیز تھا۔ کالے رنگ کی ایک مزدا کار اپنی تیز رفتاری اور شاید ڈرائیور کی بدحواسی کی وجہ سے سامان سے لدے ہوئے ایک ٹرک کے پچھلے حصے میں جا گھسی تھی۔ میں نے اس طرف دوڑ لگادی۔ روی نے میرا ساتھ دیا۔

ٹرک کے نیچے کار کا انجن والا پورا حصہ گھستا چلا گیا تھا اور ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہوگئی تھی۔ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کی روشنی میں مزدا بالکل خالی نظر آرہی تھی۔ اس سے بائیں طرف، کچی زمین پر مضطرب اور پرجوش تماشائیوں کا ایک گھیرا سا بنا ہوا تھا۔

"کک... کک... کالی مزدا... مظہر جی! کک... کہیں یہ ہری کی گاڑی تو نہیں ہے؟" روی کے ہونٹوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"اسی کی معلوم ہوتی ہے" میں نے سکون سے کہا "مرنے والے کو دیکھ کر مزید تصدیق ہوجائے گی۔"

میں بھیڑ میں گھس گیا۔ اس حادثے میں کار کے اگلے حصے کا جو حشر ہوا تھا، اس کی بنا پر ڈرائیور کے بچنے کی امید ہی عبث تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ روی فوری طور پر رقت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ہری... ہائے میرا ہری چلانے لگا۔

وہاں موجود افراد غیر جانب دار تماشائی تھے۔ روی موہن کی دردناک صدائیں سن کر ہر ایک چونک پڑا۔ بھیڑ میں ہمارے لیے خود بہ خود راستہ پیدا ہونے لگا۔ میرے لیے ہری چند صرف ایک نام تھا۔ میں اسے پہچاننے سے قاصر تھا مگر روی نے جب وہاں جلتی ہوئی کئی ٹارچوں کی روشنی میں، خون میں نہائے ہوئے ایک انسانی وجود کو زرد، خودرو گھاس پر پڑے دیکھا تو دہاڑیں مارتا ہوا اس پر جا پڑا۔

"صبر، صبر کرو... ابھی یہ زندہ ہے... اسے کسی ٹرک میں ڈلوادو اور حیدر آباد لے جاؤ" مجمع میں سے کسی نے روی موہن کو دلاسا دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں تیزی سے اس صورت حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ ہمیں محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں جل دے کر حیدر آباد کے ہوٹل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن قدرت کا نادیدہ آہنی ہاتھ حرکت میں آچکا تھا۔ اس کی شامت اسے بھٹ شاہ سے ہانک کر حیدر آباد لائی اور وہ ہم سے کوئی مقابلہ کیے بغیر لہولہان ہوکر زرد گھاس اور خشک مٹی پر پڑا ہوا تھا۔

وہ سب بہت تیزی سے رونما ہوا تھا۔ حادثہ ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ ونڈ شیلڈ کی کرچیں ہری چند کے چہرے' آنکھوں اور شاید سارے اوپری دھڑ میں پیوست تھیں۔ اس کی داہنی آنکھ کا پیوٹا کھلا ہوا تھا' ڈھیلے میں تیز دھار شیشہ پیوست ہوگیا تھا۔ بائیں آنکھ کے بند پپوٹے کو کئی کرچیوں نے اسی حالت میں سی دیا تھا۔ چہرے کے زخموں کے گرد ہلکا ہلکا ورم آنے لگا تھا مگر اس کے سینے کے زیر و بم سے ظاہر تھا کہ قدرت نے ہمارا کام آسان بنانے کے لیے اس کی زندگی کی ڈور کو تھوڑی سی ڈھیل دے دی تھی۔

پورے ہجوم میں روی موہن ہی اس کا حقیقی وارث تھا اور بری طرح رو رہا تھا۔ میرے دل میں ہری چند کے لیے کوئی ہمدردی نہیں تھی مگر میں بھی اسے لاوارث چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری دانست میں اس کے صحیح ترین وارث ایس ٹی ایف والے تھے۔

"پیچھے ہماری گاڑی پھنسی ہوئی ہے۔ اسے وہاں تک پہنچادو۔ ہم خود اسے اسپتال لے جائیں گے" میں نے بطور خاص کسی کو مخاطب کیے بغیر اعلان کیا "یہ ہمارا آدمی ہے اور غلطی اسی کی معلوم ہوتی ہے۔"

"اوئے خوچہ! غلطی کو غرق کرو۔ یہ مرجائے گی" ایک تنومند اور سرخ و سفید پٹھان نے ترشی سے کہا "تمہارا گاڑی کدر ہے؟"

"ادھر!" میرے بجائے روی نے روتے روتے ہاتھ سے اشارہ کیا "یہاں سے کافی دور ہے۔"

"دلاور خانا!" اسی تنومند پٹھان نے کسی کو پکارا۔ دلاور خانا نہ جانے کہاں تھا۔ اس سے پہلے ہی کئی پٹھان ڈرائیور آگے بڑھے اور ان کی مدد سے تنومند پٹھان نے ہری چند کے بے ہوش وجود کو اپنی پیٹھ پر لادلیا۔

میں چلا تو وہ میرے پیچھے چل دیا۔ اس کی مدد کرنے والے کئی افراد اس کے دائیں بائیں ہولیے۔

ان میں سے کوئی ہری چند کے سیاہ کرتوتوں سے واقف نہیں تھا۔ وہ سب خلوص اور انسانی ہمدردی کے بے کراں جذبوں سے سرشار تھے۔ ان ہی جذبوں کے تحت وہ سازشی کی گٹھڑی کو ہماری گاڑی تک لے جارہے تھے۔ میں ان کے لیے اپنے دل میں محبت اور احترام محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

سڑک سے کچے تک میں اتری ہوئی آڑی ترچھی گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپس نے علاقے کو اتنا منور کیا ہوا تھا کہ ناہموار زمین پر راستہ طے کرنے میں کوئی قابل ذکر دشواری پیش نہیں آئی۔ راستے میں ہر ایک حیرت' تجسس' افسوس اور ہمدردی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمارے کارواں کو دیکھ رہا تھا۔ ٹریفک بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا جس کے نتیجے میں ہماری لینڈ روور قدرے قریب آچکی تھی۔

اول خان ہمیں دیکھتے ہی اپنی نشست سے نیچے اتر آیا۔ میری رہنمائی اور روی کی ابتر حالت کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ تنومند پٹھان کی پشت پر اس کا شکار لدا ہوا تھا۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے اس نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

گاڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں مگر اردگرد سے اچانک کئی رضاکار نمودار ہوئے' سب گاڑیاں قدرے آگے پیچھے سرکیں اور حیرت ناک طور پر اتنی گنجائش پیدا ہوگئی کہ لینڈ روور کو واپس گھمایا جاسکے۔

ایک قریب المرگ زخمی کی روانگی کے لیے ہر ڈرائیور حتی الامکان گنجائش پیدا کررہا تھا۔ رہی سہی کسر لینڈ روور کی طاقت ور انجن اور اس کی فوروہیل ڈرائیونے پوری کردی۔ دس منٹ کی قلیل سی مدت میں ہماری گاڑی بے ترتیب ٹریفک جام سے نکل کر کھلی سڑک پر آچکی تھی اور حیدر آباد کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اول خان نے گاڑی ایمرجنسی لائٹس روشن کردی تھیں۔

میں اول خان کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ روی موہن اپنے بے ہوش سالے کو سنبھالے پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور رہ رہ کر دبی دبی سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اس کی وہ کریہہ آوازیں مجھے گراں گزر رہی تھیں مگر میں انہیں برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

جب کافی دیر بعد بھی وہ سلسلہ موقوف نہ ہوا تو مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑی "ایسی آوازیں نہ نکالو جیسے ہری چند تمہیں بیوہ کرگیا ہو۔ مرد بنو اور ہمت سے کام لو۔ ابھی وہ مرا نہیں' زندہ ہے۔"

"ایسی زندگی کس کام کی؟" روی کی روہانسی آواز ابھری "تم نے دیکھا نہیں کہ اس کی دونوں آنکھوں کا کیا حال ہوا ہے۔ یہ زندہ بچ گیا تب بھی کبھی کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔ ایسی

Downloaded from https://paksociety.com

بے نور زندگی بڑے کرب سے گزرتی ہے۔"

"یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا ہے۔ یہ حیدر آباد میں ہی ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا تو کم از کم اندھا نہ ہوا ہوتا۔"

"اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" روی نے رونا اور سسکنا بھول کر پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے یکایک سرد لہجہ اختیار کرلیا "کیا تمہارا ذہن پھر بہک رہا ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے" وہ گڑبڑا کر جلدی سے بولا "تم نے دیکھ لیا کہ بھگوان نے اسے کیسی سزا دی ہے۔ آدمی پیدائشی اندھا ہو تو اسے صبر آجاتا ہے کہ اس نے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ آنکھوں والا اندھا ہوجائے تو اس کی زندگی میں حسرتوں اور پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ایسی زندگی موت سے زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اس کی سفارش کررہا ہوں' یہ بس میرا خیال ہے۔"

"تمہاری بات ادھوری ہے۔ ذرا یہ بھی تو سوچو کہ جسے قدرت نے ایسی سزا دی ہے' اسے انسان موت کے سوا کیا سزا دے سکتا ہے۔ اب تو اسے آنکھیں پھوڑنے کی دھمکی دے کر بھی نہیں ڈرایا جاسکتا" میں نے بے رحمی سے جواب دیا۔

"میں نے اسے جوان اور صحت مند دیکھا تھا۔ اس حال میں دیکھ کر میں اپنے بے ساختہ صدمے پر قابو نہیں رکھ سکا۔ ایک بار یہ تمہارے قبضے میں چلا جائے گا تو تم جانو اور یہ جانے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ دنیا میں روز لاکھوں نہیں تو ہزاروں آدمی مرتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک ہری بھی شامل ہوگیا تو کسی کو کیا فرق پڑے گا؟ جو رونے والے ہیں' وہ اسے عمر بھر روتے رہیں گے۔"

"انہیں رونے دو مگر اب تم نہ رونا" اول خان نے سختی سے کہا "روتے ہوئے مرد مجھے زہر لگتے ہیں۔"

"یہ بہت برا ہے' بدمعاش ہے' پاجی ہے مگر میرا رشتے دار ہے۔ اس کے برے انجام پر میرا دل رو تا رہے گا مگر تم میری کوئی آواز نہیں سنو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ مظہر جی جانتے ہیں کہ میں اپنا قول نبھانے والا آدمی ہوں۔"

میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ مارو تی جیسی خوب رو اور دلکش خاتون کا مزاج داں شوہر تھا جو باہمی اعتماد کے نام پر اپنی بیوی کی ہر بے راہ روی سے نظریں چرا لینے کا عادی تھا۔ اس نے گفتگو کی روانی میں میرا نام لے دیا اور میں چپ رہا کیونکہ وہ ایک بے ضرر سی بات تھی۔ اپنی زبان بند رکھنے میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔

لینڈ روور فراٹے بھرتی ہوئی حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوئی تو سڑک پر رکشا' گاڑی اور ٹرک کے ساتھ ہی بھانت بھانت کی ہاتھ گاڑیاں اور بیل گاڑیاں بھی رینگ رہی تھیں۔ اول خان نے ایک بٹن دبا کر سائرن آن کردیا۔

ہم کراچی سے یہ سوچ کر نکلے تھے کہ ہمیں حیدر آباد سے کافی آگے' بھٹ شاہ تک جانا تھا جہاں رات کی تاریکی کی وجہ سے ہری چند تک پہنچنا مشکل تھا۔ ہم تینوں اس مہم پر اپنی رات برباد کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے مگر وہ معاملہ بھٹ شاہ سے بہت پہلے حیدر آباد کے مضافات ہی میں طے ہوگیا تھا۔ ہم حیدر آباد اور جام شورو سے ہوتے ہوئے باہر نکلے تو میری رسٹ واچ کی سوئیاں رات کے دس بجے سے بھی ذرا پیچھے تھیں۔

ساڑھے گیارہ بجے ہم گلشن اقبال پہنچ چکے تھے' روی اطمینان سے ہری چند کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ہری چند کا سانس چل رہا تھا مگر اس پر گہری بے ہوشی طاری تھی۔

اول خان نے نیپا کا چوراہا گھوم کر گاڑی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی اور کہا "روی! یہاں سے ہمارا اور تمہارا راستہ جدا ہوجاتا ہے۔ ٹیکسی پکڑو اور گھر لوٹ جاؤ۔ ماروتی تمہارا انتظار کررہی ہوگی۔"

"اپنے بڑے بھائی کی بدمزاجی اور زبان کی خرابی کی وجہ سے اس نے ماروتی کو ہوٹل میں چھوڑ دیا تھا" موقع آنے پر میں نے اول خان کو آگاہ کیا "وہ اس کا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹل میں آرام کررہی ہوگی۔"

"اوہ! تم ان دونوں کے گھر سے اسی لیے پی سی ہوتے ہوئے آئے تھے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "ارادہ یہی تھا مگر وہ شیرٹن میں ہوگی۔"

میں نے محسوس کیا کہ روی موہن گاڑی سے اترنے میں تردد کررہا تھا۔ اول خان کے کسی کڑوے کسیلے تبصرے سے پہلے میں نے اس سے کہا "جلدی اترو۔ ہم بے ہوش ہری کے ساتھ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتے۔"

"مجھ سے یہ نہ کہو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ پولیس والوں نے ہری کو دیکھ کر بھی تم سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا" اس نے کھسیانی آواز میں کہا "تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو میں جارہا ہوں۔"

"پیدل نہ جانا' یہاں سے ٹیکسی لے لینا" اول خان نے طنزیہ لہجے میں اسے تاکید کی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بہت بہتر... گڈ بائی!" اس نے طنز کو سمجھے بغیر سعادت مندی سے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔

"اسٹیشن فور جانے کے لیے تمہیں ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا "تم ٹول پلازا کے بعد ہی مڑ کر سیدھے ملیر چھاؤنی پہنچ سکتے تھے۔"

"وہاں سے تمہارے روی کو سواری حاصل کرنے میں دقت ہوتی۔ اس کی وجہ سے ادھر نکل آیا" اس نے مسکرا کے کہا۔

"حیدر آباد سے آنے والی بسیں ٹول پلازا سے سوار ہونے والوں کو دس روپے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچا دیتی ہیں۔ تم نے بلاوجہ اتنی زحمت مول لی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اسے گھر لے جانے کا فیصلہ کر چکے ہو۔"

"یہ گھر کے قابل نہیں ہے۔ اس کی طویل بے ہوشی نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔ اسے فوری طور پر طبی امداد نہ ملی تو یہ کچھ بتانے سے پہلے جہنم واصل ہو جائے گا۔"

○☆○

"میں تم سے تیسری اور آخری بار کہہ رہا ہوں" اول خان نے کرسی آگے سرکا کر غراتے ہوئے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو تمہارے زخموں پر نمک اور مرچوں کا پانی ڈالنا شروع کر دیا جائے گا اور تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ یہاں کوئی تمہاری چیخیں نہیں سنے گا۔"

"تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تو مجھے سوچنے کے لیے ذرا سی مہلت دے دو" ہری چند کے زخمی اور متورم ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میری آنکھیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔ میرا پورا بدن سن ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے۔ میں زندہ بھی ہوں یا مر چکا ہوں۔"

میں نے اول خان کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رکھا اور کہا "ہم منکر نکیر نہیں ہیں۔ ابھی تم زندہ ہو مگر زخمی ہو۔"

"کیا روی موہن بھی تمہارے ساتھ ہے؟" اس کی آواز کسی جذباتی اتار چڑھاؤ سے عاری تھی۔

"وہ واپس جا چکا ہے۔ تمہارا پتا ماروتی نے دیا تھا اور تمہاری پہچان کے لیے روی ہمارے ساتھ تھا۔ اپنا کام پورا کر کے وہ چلا گیا۔"

اس نے بستر پر پڑے پڑے' اپنے سر کو متاسفانہ انداز میں دائیں بائیں جنبش دی اور کہا "میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا مگر تم اپنی آواز سے نرم دل اور مہربان معلوم ہوتے ہو۔ اتنا بتایا ہے تو یہ بھی بتا دو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ میں کہاں ہوں؟ وقت کیا ہوا ہے؟"

"تم حیدر آباد کے ایک اسپتال میں ہو اور اس وقت رات کے دس بجے ہیں" میں نے اسے حیدر آباد میں موجودگی کا یقین دلانے کے لیے وقت میں ان دو گھنٹوں کی کمی کر دی جو اسے حیدر آباد سے کراچی لانے اور پھر ہوش میں لانے میں صرف ہوئے تھے۔

"یہ اسپتال ہے تو پھر یہاں کوئی میری چیخیں کیوں نہیں سنے گا؟"

رات گہری ہونے دو۔ یہاں تمہیں دوسرے مریضوں کی چیخیں بھی سنائی دیں گی۔ اسپتال کا عملہ ایسی آوازوں کا عادی ہے۔ وہ تمہاری چیخوں کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیں گے۔ تم نے یہاں زبان نہیں کھولی تو ہم تمہارا علاج ترک کر کے کہیں اور لے جائیں گے۔"

"کیا تم واقعی میرا علاج کرا رہے ہو؟" اس بار اس کی آواز میں امید کی ایک تڑپ نمایاں تھی "میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی؟"

"تمہارے بدن اور چہرے میں شیشے کے ٹکڑے پیوست تھے۔ تمہارا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے۔ تمہارا علاج نہ کیا گیا ہوتا تو اس وقت تم درد اور اذیت سے بری طرح تڑپ رہے ہوتے۔ ہم تمہارے نرم دل حریف ہیں۔ سفاک ہوتے تو اس وقت تمہارا حال کچھ اور ہوتا۔"

"تم کچھ اور باتیں کر رہے ہو۔ تمہارا ساتھی واقعی سفاک ہے" اس نے کہا۔

"وہ جو کچھ پوچھ رہا ہے' شرافت سے بتا دو۔ وہ من مانی پر تل گیا تو میں اسے نہیں روک سکوں گا۔"

"کیا وہ یہاں نہیں ہے جو تم اس کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو؟"

"ہاں' وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ اب تم زیادہ وقت برباد مت کرو۔"

"وہ کیسے چلا گیا؟" اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے پوچھا "میں نے اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں سنی۔"

اس کی جرح پر میں دانت پیس کر رہ گیا "تم پیدائشی اندھے نہیں ہو کہ ذرا سی دیر میں اتنی ہلکی آوازوں کو محسوس کر سکو۔ اگر تم اس کی زبان سمجھنے پر مصر ہو تو پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی تم پر رحم کرے گا۔"

میں نے اس سے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ویسے تو ایس ٹی ایف کا پورا عملہ ہی ابتدائی طبی امداد کے

Downloaded from https://paksociety.com

سارے اصولوں سے واقف تھا لیکن عملے میں کئی باقاعدہ تربیت یافتہ ڈسپنسر بھی موجود تھے جنہوں نے ہمارے اسٹیشن فور پہنچتے ہی ہری چند کے زخموں سے شیشوں کی کرچیں نکالنی شروع کردی تھیں مگر اس کی آنکھوں کو وہ ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔

اس اثنا میں اول خان نے ایک قریبی فوجی یونٹ سے دو ڈاکٹروں کی خدمات مستعار لے لی تھیں۔ انہوں نے ہری چند کے ٹوٹے ہوئے بازو اور زخموں کا معائنہ کرکے بتایا تھا کہ جلد میں دیر تک شیشے پیوست رہنے کی وجہ سے زخموں کے گرد خون جم چکا تھا۔ اس وجہ سے زخمی کا زیادہ خون ضائع نہیں ہوا تھا مگر اس کے بعض زخم زہریلے اور خطرناک ہوگئے تھے جو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتے تھے۔

زخموں کی مکمل صفائی اور مرہم پٹی کے بعد ہری چند کے جسم کے تمام کھلے ہوئے حصے ڈریسنگ کی پٹیوں اور ٹیپ میں چھپ گئے تھے۔ امکان یہ تھا کہ وہ ہوش میں آتے ہی درد کی اذیت سے چیخنا چلانا شروع کردے گا۔ وہ دونوں پیشہ ور ڈاکٹر تھے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے طریقہ کار سے واقف نہیں تھے۔ انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اول خان نے ان کو صرف اتنی تجویز پیش کی کہ زخمی کو انجکشن وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسی دوائیں دے دی جائیں جن کے اثرات سے متاثرہ حصے چند گھنٹوں کے لیے سن ہوجائیں اور وہ ہوش میں آنے کے بعد زیادہ شور شرابا نہ کرسکے۔

بظاہر وہ انسانی ہمدردی پر مبنی تجویز تھی جس میں اول خان کی اپنی حکمتِ عملی بھی مضمر تھی۔ ڈاکٹروں نے باہمی مشورے کے بعد ہری چند کے جسم کے مختلف حصوں میں کئی انجکشن لگائے اور ہوش میں آنے پر اس کے پرسکون رہنے کی یقین دہانی کرا کے رخصت ہوگئے۔

ہم دونوں کے دل ہر وقت نرمی اور انسانی ہمدردی سے لبریز رہتے تھے لیکن اپنے ملک کے غداروں کے ساتھ ہم ذرا سی بھی نرمی کے قائل نہیں تھے۔ ڈاکٹروں نے ہری چند پر جو توجہ دی وہ ان کے پیشے کے تقاضوں کے عین مطابق تھی مگر اول خان کو صرف ہری چند کی کہانی سے دلچسپی تھی۔ اسے خلش تھی کہ کرشن کمار سے بازپرس ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اس کمی کو ہری چند کے بیان سے پورا کرنے کا خواہاں تھا۔ جبکہ مجھے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔

یہ طے ہوچکا تھا کہ اطمینان سے پوچھ گچھ مکمل ہونے کے بعد ہری چند کو ہمیشہ کی نیند سلادیا جائے گا۔ وہ ردی موہن کے مقابلے میں کرشن کمار کا بہت زیادہ قریبی ساتھی تھا اور جلد از جلد اپنے دوست تک پہنچنے کا حق دار تھا۔ اس کام میں تاخیر مناسب نہیں تھی۔

"جو کچھ وہ پوچھ رہا ہے' اس کے جواب اسے معلوم ہیں" ہری چند نے خاموشی کے دوران میں چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد کہا "کرشن کمار میرا گہرا دوست تھا اور وہ یہاں جو کچھ کررہا تھا اس میں اسے کافی حد تک میری مدد اور حمایت حاصل تھی۔ پھر اب میں کیا بتاؤں؟"

"تمہارے یہاں کن لوگوں سے رابطے تھے؟ کرشن کمار کو کہاں سے ہدایات ملتی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کا سارا کام کرشن کمار نے سنبھالا ہوا تھا" اس نے بتایا "میرپور خاص اور حیدرآباد میں اس کی ایک ٹیم تھی جو اس کی ہدایات پر عمل کرتی تھی۔ باقی رابطے ضرورت کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔"

"حیدرآباد تمہارا شہر ہے۔ یہاں اس کی ٹیم میں کون لوگ شامل تھے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اس کا اپنا گروہ نہیں تھا۔ اس کی زیادہ تر امیدیں صحرا سے وابستہ تھیں۔ وہ بہت فراخ دلی سے مراد ظریف کی سرپرستی کرتا تھا اور اس کی این جی او کرشن کے مقاصد کو آگے بڑھا رہی تھی۔ مراد کے غائب ہونے پر وہ بہت پریشان تھا۔"

ہری چند نے کرشن کمار کی پریشانی کی بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ جب تک مراد ظریف آزاد اور زندہ تھا' کرشن کمار تھر کے صحرا کی وسعتوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی سازشوں کے جال پھیلانے میں مصروف تھا اور جوں ہی مراد منظرِ عام سے غائب ہوا' کرشن کمار اپنے سارے کاموں کو بھول بھال کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور پھر اسی کے نتیجے میں وہ مارا گیا۔

"تم تھر میں اس کے لیے کیا کام کرتے تھے؟" اس بار میرا سوال زیادہ چبھتا ہوا تھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ ہم دونوں کی دوستی بہت پرانی اور گہری تھی۔ وہ ہر کام میں مجھ سے مشورہ ضرور کرتا تھا اور پھر جو کام چاہتا' مجھے سونپ دیتا تھا۔"

"وہ یہاں جو کچھ کررہا تھا' اس کے لیے کس کو جواب دہ تھا؟"

"وہ کسی کو نہیں۔ یہاں وہ اپنی مرضی کا مالک اور صحرا کا بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا' کرگزرتا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میری نرمی کے نتیجے میں وہ راہِ راست پر آگیا تھا اور کسی مزاحمت کے بغیر میرے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اول خان ستائشی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوالات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے پوچھا "اکھنڈ بھارت کا منصوبہ ایسا نہیں تھا کہ کرشن جیسا آدمی اپنی مرضی سے اس پر کام شروع کردیتا۔ اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ وہ نیا چھورمیں فوجی تربیتی کیمپ چلا رہا تھا۔ وہاں کے لیے ہتھیار اور میگزین کی ضرورت تھی۔ یہ سب کہاں سے آتا تھا؟"

"وہ آزادی سے سرحد پار آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے وسائل وہیں سے مہیا کیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ نئی دہلی میں کسی انل بسواس سے بات بھی کرتا تھا۔ تم یہ بتاؤ کہ میری زخمی آنکھوں کے بارے میں تمہارے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

اسے شاید اپنی زندگی کی آس بندھ گئی تھی اسی لیے اس کے دماغ پر اپنے اندھے پن کا خوف سوار ہوگیا تھا۔ میں نے نرمی سے جواب دیا "ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تمہاری آنکھوں کے زخم بھر جائیں تو پھر کچھ بتایا جاسکے گا۔ ابھی اس بارے میں کچھ نہیں۔"

"تم لوگوں نے مجھے برباد کردیا۔" اس پر یکایک مایوسی نے غلبہ پالیا اور وہ میری بات کاٹ کر اونچی آواز میں بولنے لگا "مجھے اس حال کو پہنچانے والے تم دونوں ہو۔ ابھی تمہارا وقت ہے۔ جو چاہو کرلو۔ مجھے زندگی نے مہلت دی، تو میں یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔"

اول خان کی بے چین نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں خود بھی ہری چند کی زبان سے انل بسواس کا نام سن کر چونکا تھا مگر ہری چند نے مجھے اس نئے نام کے بارے میں مزید کوئی سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور پٹڑی سے اتر گیا۔

اس وقت ہری چند کو قابو میں رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اس سے اپنی بات کرنے کے بجائے اس کی بات سنی جائے، اسے تسلی دی جائے۔ اسے ٹھنڈا کرلینے کے بعد میں دوبارہ سوالوں کا سلسلہ شروع کرسکتا تھا۔

"شش!" میں نے ہونٹوں سے دھیمی آواز نکال کر اسے تادیب کی "ایسی باغیانہ باتیں زبان سے مت نکالو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ڈپریشن میں مبتلا ہو کر یہ سب کہہ رہے ہو ورنہ تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں انگلی تک نہیں لگائی۔ حادثہ تمہاری غلطی سے ہوا ہے۔"

"سب قصور میرا ہے۔ میں موت کے منہ سے بال بال بچا، میری آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور یہ غلطی بھی میری تھی کہ میں نے اپنی گاڑی سے آگے جاتے ہوئے ٹرک کو بروقت کیوں نہیں دیکھا۔ تم دونوں روی کے ساتھ ملک الموت بن کر حیدر آباد کے ہوٹل میں آئے تھے۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ موت کے فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھ لینے کے بعد بڑے بڑے سورماؤں کے پیشاب خطا ہوجاتے ہیں۔"

"تمہارا ذہن ہماری طرف الجھا ہوا تھا، تمہیں آگے جانے والا ٹرک نظر نہیں آیا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ ہونے والی باتیں تھیں جن پر کسی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اس وقت تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے۔ ہاں! تم انل بسواس کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"کون انل بسواس؟ میں کسی انل کو نہیں جانتا۔ میں نے اس کا نام تک نہیں لیا۔"

اس کے وہ فقرے بالکل بے ساختہ تھے۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اپنی آنکھوں کی تشویش اور غائب دماغی کی حالت میں وہ نام اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ وہ دانستہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہری چند کے جواب نے انل بسواس کی اہمیت میں اچانک اضافہ کردیا۔

"تم کہہ کر بھول گئے ہو تو اور بات ہے۔ مجھے الہام نہیں ہوسکتا تھا کہ انل بسواس دہلی میں ہوتا ہے۔"

وہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ تکیے پر اس کا سر ہل کر رہ گیا۔ اس نے کہا "میری زبان سے کوئی بات نکل گئی ہے تو بس اتنا ہی کافی ہے۔ تم یقین کرو کہ میں کسی انل کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

وہ ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں کررہا تھا۔ صحیح رخ پر چلتے چلتے وہ اچانک بدمعاشی پر تل گیا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے پلستر میں لپٹے ہوئے داہنے ہاتھ کو انگلیوں سے پکڑ کر فضا میں کچھ اوپر اٹھایا اور اچانک چھوڑ دیا۔ پلستر گیلا تھا۔ اس کا بازو اپنے زور میں بستر پر گرا تو اذیت سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"تم سب ذلیل اور بے رحم ہو۔ ایک زخمی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کررہے ہو۔ تم مرو گے اور سسک سسک کر۔"

میں نے گرج کر اس کی بات کاٹ دی "ایسی موت اب تیرا مقدر بنے گی۔ اگر تو انل کے بارے میں نہیں جانتا تو میں تجھے نہیں جانتا تو آدمی کا نہیں، کسی شیطان کا بچہ ہے۔ اب تیرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے اپنی قوت کو مجتمع کیا اور اچانک بستر سے اٹھ گیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے بازو میں درد کی ٹیس اٹھی۔ اس کے حلق سے دبی دبی ایک چیخ نکلی اور اس کا بایاں ہاتھ بے اختیار داہنے بازو پر چلا گیا۔ اگلے لمحے وہ بستر سے اتر کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اپنے ڈریسنگ میں چھپے ہوئے چہرے اور آنکھوں کی وجہ سے وہ کوئی ڈراؤنا عفریت نظر آرہا تھا۔

"میں زندہ ہوں۔" وہ بایاں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا "میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ اگر میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو میں پھر پہلے جیسا ہو سکتا ہوں۔ یہ بات سب جانتے ہیں، تم بھی جانتے ہو۔ تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

میں نے اس کے ایک ٹخنے پر ٹھوکر سے ضرب لگائی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سنبھلنے کی ناکام کوشش میں اپنے شکستہ بازو کو ہلاتا اور چیختا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے لیے وہ اذیت اتنی شدید تھی کہ وہ جس حالت میں گرا تھا، اسی طرح پڑا رہا۔

"انل کو جانتا ہے یا نہیں؟" اول خان نے اپنی کرسی چھوڑے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

ہری چند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں اس کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"اس کے بازو کا پلستر اتار کر اس کا داہنا بازو وہاں سے کاٹ دو جہاں سے ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور ہری چند کے پہلو پر گرا ہوا، اس کا مجروح ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

وہ بائیں ہاتھ سے مزاحمت کرتے ہوئے چیخا "ٹھہرو۔ ٹھہر جاؤ، مجھے کسی جانور کی طرح مت کاٹو۔ مارنا ہے تو میرے دل میں گولی مار دو یا دماغ میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ درندوں سے زیادہ ظالم ہو گے۔"

"ایسے کھیلوں میں یہی ہوتا ہے۔ پہلے تم بھیڑیے بنے ہوئے تھے۔ اب بھیڑ بننے کی کوشش مت کرو۔" اول خان نے درشت آواز میں کہا "اپنے انجام کے بارے میں تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے کرشن کمار کے لیے کام کرنا شروع کیا تھا۔"

"میں اس کا ملازم نہیں تھا۔" وہ حلق کے بل چیخا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس سے میری دوستی تھی جو کچھ ہوا، دوستی میں ہوا۔ وہ کہتا رہا، میں کام کرتا رہا۔ میں نے جان بوجھ کر کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم دانستہ کیا جائے یا نادانستہ۔ اس کی سزا ایک ہوتی ہے جو تم کو مل کر رہے گی کیونکہ تم انل بسواس کو جاننے سے انکاری ہو۔" میں نے پسپائی اختیار کر لی تھی اور وہ گفتگو اول خان ہی آگے بڑھا رہا تھا۔

"انل بسواس!" وہ کراہنے کے انداز میں بولا "کچھ تو بتاؤ کہ میں نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں، جو کچھ جانتے ہو، بتاتے چلے جاؤ۔ تمہاری نجات کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے۔"

"مجھے اس کے بارے میں زیادہ باتیں معلوم نہیں ہیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ کرشن کمار میرے دفتر سے کبھی کبھی اسے فون کرتا تھا اور پھر کسی عجیب سی زبان میں اس سے مختصر سی بات کرتا تھا۔"

"وہ تمہارا دوست تھا۔ اس نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ وہ انل بسواس سے کیا باتیں کرتا ہے؟"

"باتیں بتانے والی ہوتیں تو وہ میرے سامنے نامانوس زبان نہ بولتا۔" ہری چند نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے پاس انل بسواس کا نمبر ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہری چند نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا۔ "میرے پاس نمبر نہیں ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ہری چند کے جواب پر اول خان نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ مجھے مجبوراً دخل انداز ہونا پڑا "تم جھوٹے ہو۔ تمہارے ریکارڈ میں اس کا فون نمبر محفوظ ہو گا۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہے۔ تم میری ہر بات کو جھوٹ کیوں سمجھ رہے ہو؟" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

"شہر اور ملک سے باہر کی جانے والی ہر کال کی تفصیل بل میں موجود ہوتی ہے۔"

"بل یہاں حیدر آباد میں نہیں رہتے۔" اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ حیدر آباد ہی میں موجود تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "دفتر کے خرچ اور آمدنی کے حساب کے ساتھ میں ہر مہینے کے بل روی کو بھجوا دیتا ہوں۔ وہ اس کے پاس ہوں گے۔ وہ پکا دغا باز ہے۔ اس نے اور ماروتی نے مجھے مروایا ہے۔ میں زندہ رہا تو تم دیکھنا کہ میں جلد ہی ان دونوں سے کیا انتقام لوں گا۔"

روی کا نام لیتے ہی اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔

"تم نے کبھی چیونٹی بھی نہیں ماری ہو گی۔ تم کیا انتقام لو گے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"میں خود کسی سے نہیں الجھتا لیکن مجھ سے الجھنے والوں نے ہمیشہ خاک چاٹی ہے۔ میرا ایک رقیب میرے ہاتھوں جہنم کی آگ میں پہنچ چکا ہے اور مجھ سے بے وفائی کرنے والی میری پہلی محبوبہ آج بھی اپنے تیزاب سے جھلسے ہوئے ڈراؤنے چہرے کے ساتھ کنواری بیٹھی ہے۔ مجھ جیسا ٹھنڈا آدمی جب کسی سے بدلہ لینے پر تل جاتا ہے تو اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"یہ تمہارا اور ماروتی کا گھریلو معاملہ ہے۔ جس طرح چاہو، نمٹا لینا۔ اب جلدی سے یہ بھی بتاتے چلو کہ کرشن کمار سرحد پار سے آنے والا اسلحہ اور میگزین کہاں ذخیرہ کرتا تھا۔" میرے ذہن میں وہ آخری اہم سوال تھا جس کا جواب ہری سے مل سکتا تھا۔

"کھوکھرا پار میں اس نے فرضی نام سے ایک دکان کرائے پر لی ہوئی تھی۔ میگزین اور ہتھیاروں کے چوبی کریٹ رات کے اندھیرے میں وہاں رکھے جاتے تھے اور پھر ضرورت کے مطابق وہاں سے تھوڑا تھوڑا سا سامان نکلتا رہتا تھا۔"

"وہ دکان کھوکھرا پار کے کس علاقے میں ہے؟" یہ سوال اول خان نے کیا تھا۔

"میں کبھی وہاں نہیں گیا۔ مجھے نہیں معلوم۔ کاغذ پر نام کسی اور کا ہے مگر شہر میں سب کو معلوم ہے کہ وہ دکان کرشن کے استعمال میں تھی۔ تم آسانی سے وہاں تک پہنچ جاؤ گے۔" تھوڑے سے تشدد کے بعد وہ راہ راست پر آچکا تھا۔

وہ بستر سے نیچے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہم اسے اسی حال میں چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔ وہ شدید زخمی اور اندھا ضرور ہوچکا تھا مگر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ بائیں ہاتھ سے ٹٹول کر وہ دوبارہ بستر پر جا سکتا تھا۔

ہمارے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ فرش پر پڑا ہوا تھا یا بستر پر تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ وہ اسٹیشن فور پر ہی نہیں بلکہ دنیا میں اس کی آخری رات تھی پھر وہ ہر شکوے شکایت کے جھنجٹ سے آزاد ہوجاتا۔

اسٹیشن فور سے گھر جاتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر انل بسواس کا نام چکرا رہا تھا۔ اول خان نے ہری چند تک پہنچنے کے لیے جس بے تابی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا محرک بس وہی ایک نام تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ نئی دہلی میں بیٹھا ہوا ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ کرشن کمار کے عمل کا دائرہ تھا اور راجستھان کے علاقوں تک محدود تھا۔ اس کی ساری ضروریات بھی ان علاقوں کی مشترکہ سرحدوں سے پوری ہوجاتی تھیں مگر پھر بھی وہ انل بسواس سے رابطہ کرنے پر مجبور تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں میں وہ کوئی اہم مہرہ تھا۔

رات کافی گہری ہوچکی تھی۔ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ اول خان کی لینڈ روور ہمارے دروازے پر رکی تو ہمارے ڈور بیل بجانے سے پہلے ہی ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت میں یہ بات بالکل فراموش کر بیٹھا تھا کہ امریکیوں کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کا موثر مقابلہ کرنے کے لیے اول خان نے ہماری چھت پر چوبیس گھنٹے دو آدمیوں کی پہرے داری کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

اول خان مجھے باہر ہی سے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ میں گھر میں گھسا تو وہاں ہر طرف رات کے سکوت اور سناٹے کا راج تھا۔ روشنیاں گل تھیں اور وہ تینوں اپنی اپنی خواب گاہوں میں اتنے بے خبر سو رہے تھے کہ دروازے پر لینڈ روور کے رکنے اور پھر روانہ ہونے کی آوازیں بھی ان کی نیند پر اثر انداز نہیں ہوسکی تھیں۔ میں گھر میں اتنی احتیاط سے داخل ہوا تھا کہ سرے سے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہوئی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہم اپنی پوری رات برباد کرکے صبح واپس لوٹیں گے۔ اس اطمینان کی وجہ سے وہ سب گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کا بند دروازہ کھول کر دبے پاؤں اندر داخل ہوا تو نائٹ لیمپ کی دھیمی سبز روشنی میں مسہری پر غزالہ نظر آئی۔ وہ یوں سو رہی تھی کہ مجھے اس پر ترس آنے لگا لیکن اسے اٹھانا ناگزیر تھا۔ بھوک کی وجہ سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ ہری چند نے حیدر آباد میں اچانک نمودار ہو کر ہمارے سارے پروگرام پر پانی پھیر دیا تھا اور ہمیں کھانا کھائے بغیر ہوٹل سے روانہ ہونا پڑا تھا۔ اس وقت میں بھوکا رہ لیتا تب بھی غزالہ کی نیند میں خلل پڑنا ناگزیر تھا۔ میرے بستر پر بیٹھتے ہی اس کی آنکھ کھل جاتی۔

میں نے بہت نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی نیند اچٹ گئی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر خواب ناک مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کی غزالی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

اس نے سمٹ کر بستر سے اٹھتے اٹھتے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر خوشگوار حیرت سے بولی "آپ بہت جلد واپس

Downloaded from https://paksociety.com

آگئے۔"

"میں منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل رہا ہوں۔ تم کھانا گرم کرلو۔ شام سے بس چائے پر گزارہ ہے۔"

کچن کے معاملات میں غزالہ ہمیشہ بہت مستعد رہتی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر باورچی خانے کی طرف چل دی۔

غزالہ کی احتیاط کے سبب سارے مراحل خاموشی سے طے ہوگئے۔ میرا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میرے ساتھ شریک ہوگئی۔ خواب گاہ میں کھانا شروع کرنے سے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسی وقت میجر بخشی کی نیند خراب کرکے اسے تنگ کروں۔ میں نے پچھلی بار ہری چند بن کر اسے فون کیا تھا تو اس نے مجھے اگلے دن فون پر رابطہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مجھے وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔

میرے پاس اس غیر حاضری کے لیے نادیدہ خطرات کا مضبوط عذر موجود تھا۔

ہری چند ہمارے قبضے میں تھا۔ یہ طے ہوچکا تھا کہ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ ٹریفک کے خوفناک حادثے کا شکار ہونے کے نتیجے میں اس کا چہرہ اتنی بری طرح مسخ ہوا تھا کہ چہرے سے اس کی شناخت ہونی ممکن نہیں تھی۔ ایک دو روز میں پولیس یہ کڑیاں ملا لیتی کہ حیدر آباد سے آگے سڑک اور کار کے حادثے کے بعد پُراسرار طور پر غائب ہونے والا زخمی کار ڈرائیور ہی کراچی کے کسی علاقے میں مردہ پایا گیا ہے۔ اس وقت تک میں اطمینان سے ہری چند بن کر بخشی کے اعصاب پر سوار رہ سکتا تھا۔

شکم سیر ہوتے ہی میری طبیعت پر کسل مندی سوار ہونے لگی۔ آرام کی خواہش سے مغلوب ہو کر میں نے بستر کا رخ کیا اور میجر بخشی کو فون کرنے کا ارادہ اگلے دن تک کے لیے ملتوی کردیا۔ غزالہ بستر پر آئی تو میں اسے ہری چند کے بارے میں بتاتے بتاتے سوگیا۔

اگلی صبح میں شاید دیر تک سوتا رہتا مگر ویرا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔

"کل شام سے تم ماروتی کے چکر میں نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے رہے ہو۔ اب یہاں پڑے نیستی پھیلا رہے ہو۔ کھڑے ہوجاؤ۔" آنکھیں کھولتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تیز آواز آئی۔ وہ شاید رات کو خواب میں بھی ماروتی کو دیکھتی رہی تھی۔

"بعض اوقات تم بشاشتگی کی ساری حدیں پار کرجاتی ہو۔" میں نے منمنا کر ناخوشگوار لہجے میں کہا "یہ میرا کمرا ہے۔ تم کس سے اجازت لے کر یہاں آئی ہو؟"

"مجھے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ کچن میں ہو تو میں دستک دیے بغیر یہاں آسکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم سلیپنگ سوٹ پہن کر قریبے سے سوتے ہو۔ اب بستر چھوڑ دو۔ آج کے اخبار میں تمہارے مطلب کی ایک خبر موجود ہے۔"

"کیسی خبر؟" میں انگڑائی لیتے ہوئے بستر سے نیچے اتر آیا۔ وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔

"صاف ستھرے اور تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلو اور خود دیکھ لو۔"

"تو کیا میں اس وقت تمہیں گندا نظر آرہا ہوں؟" مجھے اس پر واقعی غصہ آگیا۔

"میں کیا جانوں ایسی بات تم خود جانتے ہو یا پھر غزالہ کچھ بتا سکے گی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا "میں تم دونوں کے نجی تعلقات کے بارے میں اتنی زیادہ باخبر نہیں رہتی۔"

وہ مجھے بستر سے اٹھانے میں کامیاب ہوگئی تھی اس لیے وہ یہ تبصرہ کرتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئی۔

ناشتا کرتے ہوئے میں نے اخبار کے صفحات پر نظر دوڑائی تو پہلی نگاہ میں مجھے تین خبریں دلچسپ نظر آئیں۔

پہلی خبر قومی شاہراہ پر ٹرک اور بس کے حادثے کے بارے میں تھی جس میں کار کا ڈرائیور شدید مجروح ہوا تھا۔ ٹریفک پولیس نے حیدر آباد بلکہ حیدر آباد ڈویژن کے سارے


دیوتا کا 40 چالیسواں حصہ
25 ستمبر 2000 کو شائع ہو رہا ہے
بڑے شہروں میں ہمارے سول ایجنٹ یہ ہیں
الکوثر نیوز ایجنسی — فریئر مارکیٹ۔ کراچی
رابعہ بک ہاؤس — الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار لاہور۔ فون نمبر 7121555
اشرف بک ایجنسی — کمیٹی چوک۔ راولپنڈی
کتابیات پبلی کیشنز
رضوان چیمبرز، بلور یا اسٹریٹ آگرہ تاج چورنگی روڈ
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
Email: kitablar@una.net
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200


Downloaded from https://paksociety.com

اسپتال چھان مارے تھے مگر زخمی ڈرائیور کا کہیں سراغ نہیں مل سکا تھا۔ پولیس کو تشویش تھی کہ وہ ڈرائیور کہاں گیا اور اسے جائے حادثہ سے اپنا عزیز قرار دے کر لے جانے والے کون تھے۔

دوسری خبر کا تعلق ان امریکی ماہرین سے تھا جو جی اور ڈیوڈ کی لاشوں کا معائنہ کرکے ان کی موت کے اصل اسباب کا کھوج لگانے کے لیے کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ انہیں مرنے والوں کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹنے کے علاوہ موت کا کوئی اور سبب معلوم نہیں ہوسکا تھا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ مقامی حکام کو دیتے ہوئے یہ پخ لگا دی تھی کہ وہ اپنی حتمی رپورٹ دونوں لاشوں کے امریکا میں مزید معائنے کے بعد جاری کریں گے۔

تیسری خبر میں براہِ راست میرا نام ملوث تھا۔ کیا ڈینی پاکستان میں ہے۔ یہ سرخی جما کر امریکی سفارتی ذرائع کے حوالے سے شکایت کی گئی تھی کہ میں نے فون پر ان کے ایک اہم سفارتی افسر کو سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ جان اسمتھ کا نام ظاہر کیے بغیر' انہوں نے دفترِ خارجہ سے شکایت کی تھی کہ ان کا ایک مطلوب اور مفرور مجرم مزے سے پاکستان میں عیش کررہا تھا اور پاکستانی حکام اسے پکڑ کر امریکا کے حوالے کرنے کے بجائے اس کی طرف سے مکمل چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ خبر کے ساتھ اخبار نے اپنے ریکارڈ کے حوالے سے میرا تعارف شائع کرتے ہوئے اس انعام کا بھی ذکر کیا تھا جو امریکیوں نے میری گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس حوالے سے میرے ساتھ ویرا کا ذکر ناگزیر تھا۔

اخبار والوں کے لیے وہ اس نکتہ نظر سے اہم تھی کہ وہ ایک خوب رو اور نوجوان امریکی لڑکی تھی جو اپنے ہم وطنوں سے بغاوت کرکے پوری طرح میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی اور امریکی حکام اس تک پہنچنے میں بری طرح ناکام تھے۔

ان میں سے کوئی خبر میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ امریکی سفارت کار ہر طرف سے ہزیمت اٹھانے کے بعد میرے ٹیلی فون کی شکایت جیسے پھپھورے حربے پر اتر آئے تھے۔ اخبار میں خبر ضرور آگئی تھی مگر وہ سفارتی حلقوں میں ان کی اپنی تضحیک کے مترادف تھی۔

چوتھی خبر کا تعلق امریکیوں سے نہیں' بھارتیوں سے تھا۔ ان کا معاملہ امریکیوں سے مختلف نہیں تھا۔

کرشن کمار کے راسے تعلق کے بارے میں اس کا اعتراف ہمارے سامنے تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا ایک مایہ ناز کمانڈو تھا۔ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اس لیے اس کے قتل پر بھارتی کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کرسکے تھے مگر بھارتی اخبارات نے اس کی بڑی بڑی تصویریں چھاپ کر اس کی ذات کو پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ سفاکانہ مظالم کا موضوع بنالیا تھا۔ کراچی جیسے تعلیم یافتہ شہر میں ایک ہندو شہری کے بے رحمانہ قتل کی اس کہانی میں کرشن کمار کی شہری حیثیت اور خراب شہرت کا ذکر گول کردیا گیا تھا۔

ناشتا ختم کرتے ہوئے میں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور میز چھوڑ دی۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" ویرا نے مجھے دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔

"فی الحال کوئی نیا کام سامنے نہیں ہے اس لیے آرام کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "تم کہو تو شام کو ماروتی سے ایک اور ملاقات کی جاسکتی ہے۔"

"تم اس سے ہری چند کی تعزیت کے سوا کوئی اور بات نہیں کرسکو گے۔"

"ٹھیک ہے' پھر آرام ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ابھی تک ہمارا یہ ٹھکانا امریکیوں کی نظروں سے بچا ہوا ہے۔"

"میں انل بسواس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" ویرا نے تنک کر کہا "اس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بھارت میں اس جیسے ہزاروں دشمن موجود ہیں۔ تم کس کس کا پیچھا کروگی؟"

"ویرا کی بات درست ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی حمایت کی "ایک نام سامنے آیا ہے تو ہمیں ہر پہلو سے اس پر غور کرلینا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کے برعکس انل بسواس یہاں کام کرنے والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔"

میں سنبھل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔ میرے ذہن میں جلال کے الفاظ گونج اٹھے تھے۔ اس نے مجھے اپنے آدمیوں کے درپردہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے بھارتی سرزمین پر کچھ جارحانہ کارروائیاں کرگزرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آج تم نے کافی مدت کے بعد ویرا کی ایک بات کی حمایت کی ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر چوٹ کی۔

"بس!" میں نے ان دونوں میں شروع ہونے والی کسی متوقع بحث کو وہیں ختم کرکے ویرا سے پوچھا "کیا تم مجھے نئی دہلی میں انل بسواس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا مشورہ دے رہی ہو؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو تو تمہیں ماروتی سے ایک مرتبہ پھر مل بیٹھنے کا موقع مل سکتا ہے۔"

"معنی خیز باتیں کرنے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"شاید رات کو تم نے غزالہ سے ذکر کیا تھا کہ انل بسواس کا فون نمبر روی سے مل سکتا ہے۔"

"صرف فون نمبر سے کیا ہوگا۔ اگر وہ واقعی کوئی اہم افسر ہے تو جلال بھی اس کا نمبر دے سکتا ہے۔"

"جلال آپ کو بار بار اپنی مجبوریوں سے آگاہ کرتا رہا ہے۔" اس بار غزالہ نے زبان کھولی تھی "وہ از خود کسی کام میں دلچسپی لیتا ہے تو اور بات ہے۔ آپ کو اپنے طور پر اس سے زیادہ توقعات نہیں رکھنی چاہئیں۔"

"وہ صرف امریکیوں کے بارے میں محتاط ہے۔ ان سے دور رہنا چاہتا ہے۔ بھارتی ایجنٹوں کے خلاف خود اس نے مجھے کوئی جارحانہ منصوبہ بنانے کی پیشکش کی تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں اس کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"ویسے تو تم بخشی سے بھی ابتدا کر سکتے ہو۔ تمہارے پاس بس آج کا دن ہے۔ کل تک ہری چند کی لاش کی گتھی سلجھ جائے گی اور تم اس کا نام استعمال کر کے بخشی سے کوئی بات نہیں کر سکو گے۔ اس پیشے میں ڈرپوک نظر آنے والے بھی اندر سے بہت کائیاں اور تیز ہوتے ہیں۔ وہ دوبارہ اتنی آسانی سے تمہارے کسی جال میں نہیں پھنسے گا۔ اس موقع سے آج ہی فائدہ اٹھالو۔"

میں نے وہ فیصلہ رات ہی کو کر لیا تھا مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے اسے صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ جب ویرانے بھی وہی تجویز دہرائی تو میں نے اس پر اسی وقت عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہمارے سامنے بات کر لو۔ کوئی تم سے ریسیور نہیں چھینے گا۔" ویرانے مجھ پر طنز کیا۔

"تمہارا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ ویسے میں سی ایس ڈی دیکھ کر واپس یہیں آرہا ہوں۔"

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے اس کا سوئچ آن کیا اور ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔ وہ دفتری اوقات تھے۔ میرا خیال تھا کہ میجر بخشی نے ایک آدھ روز میں ہی کرشن کمار کی لاش کی ہیئت سے نجات حاصل کر لی ہوگی اور دفتر جانا شروع کر دیا ہوگا۔ میں نے اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی بجنے پر اس نے خود ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

## ترکیب استعمال

ا ریکا کے دیہی علاقے میں پیدل چلتے ہوئے ایک مسافر نے ایک دیہاتی کی بگھی میں لفٹ لی۔ راستے میں دیہاتی نے پوچھا "پیو گے؟"

"ضرور" مسافر نے جواب دیا۔ دیہاتی نے جیب سے ایک بوتل نکال کر اسے تھمادی۔ مسافر نے دیکھا وہ دیہات کی بنی ہوئی ایک ایسی شراب تھی جو بہت ہی تلخ و تند اور بدمزہ ہوتی تھی۔ اس نے معذرت کے ساتھ بوتل واپس کرتے ہوئے کہا "میں نہ ہی پیوں تو بہتر ہے۔ میرا گلا خراب ہے۔"

اس پر دیہاتی نے چاقو نکال لیا اور نوک اس کی پسلیوں پر رکھتے ہوئے حکم دیا "پیو۔۔۔"

مسافر نے بڑی مشکل سے چند گھونٹ حلق سے اتارے اور کھانستے کھانستے ہانپنے لگا۔ تب دیہاتی نے چاقو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اب تم اس کی نوک میری پسلیوں پر رکھو۔ میں بھی تھوڑی سی پیوں گا۔"

پچھلی بار میں نے اس سے تلخ بلکہ جارحانہ لب و لہجے میں بات شروع کی تھی۔ بعد میں اس کے ازالے کے لیے معافی مانگنے کی نوبت آگئی تھی۔ میں نے اس کی آواز سنتے ہی ادب و احترام سے کہا "بخشی جی! میں ہری چند بول رہا ہوں۔"

"دو روز سے تم کہاں تھے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کی آواز سے خفگی مترشح تھی۔

"بس، جب موت سائے کی طرح آدمی کے پیچھے لگی ہوئی ہو تو وقت اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ وہ چاہتا کچھ ہے، ہوتا کچھ اور ہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے کرشن کمار کے بعد انہوں نے مجھے ہر قیمت پر پکڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ یہ زمین مجھ پر ہر لمحے تنگ ہوتی جا رہی ہے یہاں رہ کر میں خلجان کا مریض ہو جاؤں گا۔"

"تم اس روز بھی بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ خود کو مار لینے کی باتیں کر رہے تھے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم کچھ دن کے لیے سرحد پار نکل جاؤ۔ ہفتہ دس دن اپنے دیش میں رہو

Downloaded from https://paksociety.com

گے تو تمہارے دل سے سارا ڈر اور خوف نکل جائے گا۔ اس وقت تک تمہاری تلاش کا قصہ بھی دب جائے گا۔ تم خاموشی سے لوٹ آنا۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کرشن کی جگہ کون آیا ہے۔"

"میں اپنی پناہ گاہ سے نکلتے ہوئے ڈر رہا ہوں، تم مجھے سرحد پار نکل جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ سنا ہے کہ نیا چھور والا فوجی کیمپ پکڑنے کے بعد انہوں نے سرحدوں پر بھی سخت نگرانی شروع کردی ہے۔ ایسا نہ کہ سرحد پر ہی ان کی چلائی ہوئی کوئی گولی مجھے چاٹ لے۔"

"کرشن کمار آج ہم میں نہیں ہے لیکن اس کے آدمی حیدر آباد سے کھوکھرا پار تک میں موجود ہیں۔" ایک گہرے سانس کے بعد بخشی کی آواز آئی "تم اس کے کیسے ساتھی ہو کہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتے وہ تمہیں مخمل میں رکھے ہوئے نگینے کی طرح اس پار پہنچا سکتے ہیں۔"

"میں ان آدمیوں کو بھی جانتا ہوں اور یہ سب باتیں بھی مجھے معلوم ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں ان تک کیسے پہنچوں؟" میری طرف سے بے بسی کا وہ اظہار اسے زچ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے جواب دیا "جب تک تم اپنے لیے ہاتھ پیر نہیں مارو گے، کوئی تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکے گا۔ یہ امید نہ رکھنا کہ میں تمہیں اپنے کندھے یا گاڑی پر لاد کر کہیں پہنچادوں گا۔"

"کرشن کمار نے مجھے دو نمبر تمہارے گھر اور دفتر کے دیے تھے۔ تیسرا نمبر کسی انل بساواس کا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ انل چٹکی بجاتے میں میرا ہر مسئلہ حل کردے گا۔" میں نے سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے یا پھر اس وقت کرشن کمار نشے میں ہوگا۔" بخشی کی آواز میں حیرت اور بے یقینی عود کر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ انل کون ہے اور تم کتنی بے تکلفی سے اس کا نام لے رہے ہو؟ وہ مجھ سے بہت بڑا افسر ہے۔"

"کرشن کہتا تھا کہ بڑا وہ ہے جو بڑے کام کرکے دکھائے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انل بابو کوئی بڑے افسر ہیں۔"

"افسری عقل اور تعلیم سے ملتی ہے۔" میری وضاحت پر وہ شاید قدرے طیش میں آگیا "ورنہ ہم سے کہیں زیادہ محنت کا کام تو وہ مزدور کرتے ہیں جو تپتی ہوئی دھوپ میں صبح سے شام تک زمین کھودتے ہیں اور مشکل سے چند روپے کماتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میرے لیے دعا کرنا۔ میں آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کرشن نے تم کو انل کا کیا نمبر دیا تھا۔۔۔؟" انل اور اس کے فون نمبر والی بات ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر لگی تھی "مجھے نمبر بتاؤ۔"

"مشکل یہ ہے کہ اس کا نمبر گھر پر رہ گیا۔ وہاں پولیس میری تاک میں بیٹھی ہوگی۔"

"کرشن کا دیا ہوا اتنا اہم فون نمبر تم اتنی غیر ذمے داری سے گھر چھوڑ آئے۔" اس بار بخشی باقاعدہ غرایا تھا۔ اسپیکر فون پر اس کی غراہٹ سن کر ویرا اور سلطان شاہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔

"جان بوجھ کر نہیں چھوڑا۔ گھبراہٹ میں گھر بھول آیا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر معصومیت سے کہا۔

"بس آج یہاں سے نکل ہی جانا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کرشن تم جیسے سادہ لوح آدمی سے کیا کام لے رہا تھا۔"

کلک کی آواز کے ساتھ دوسری طرف سے لائن بند کردی گئی۔ میں نے بھی اسپیکر فون بند کردیا۔

ویرا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "ڈینی اور سادہ لوح آدمی! کیسی عجیب بات کہہ رہا تھا بخشی بے چارہ۔"

"آپ نے بہت خوب صورتی سے انل بساواس کا ذکر نکالا۔" غزالہ بولی "اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔"

"دراصل ڈینی کو جھوٹ سے جھوٹ ملانے کی اتنی پختہ عادت ہوگئی ہے کہ اسے پکڑنا مشکل ہوجاتا ہے۔" ویرا نے غزالہ کی تعریف سن کر خرابی کا ایک پہلو نکال لیا "یہ خوبی یا خرابی خدا داد ہوتی ہے۔ روانی سے جھوٹ کو نبھاتے چلے جانا ہر ایک کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"فہرست سے اس کا نام نکل گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "مگر یہ تصدیق ہوگئی کہ ہری چند نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ انل بساواس واقعی نئی دہلی میں کوئی اہم افسر ہے۔ بخشی احترام سے اس کا نام لے رہا تھا۔"

"میں نے تم سے بلاوجہ تمہارا پروگرام نہیں پوچھا تھا۔" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "یہ خاصی پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ یہ ایف بی آئی سے تربیت لینے امریکا گیا تو اس کے امریکی افسر اتنے متاثر ہوئے کہ اسے وائٹ ہاؤس کے سیکیورٹی چیف کا اعزازی نائب مقرر کردیا۔ یہ اعزاز اب تک بہت کم لوگوں کو ملا ہے۔ پاکستان کے خلاف سازشوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہے۔ تم نے اسے راستے سے ہٹا دیا تو برسوں کے لیے سکون ہوجائے گا۔"

"غنیمت ہے کہ انل بساواس سے تمہارا کوئی ذاتی قصہ

Downloaded from https://paksociety.com

وابستہ نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات مکمل ہوجانے پر کہا "ورنہ تم ہر نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور سناتی ہو جس میں تمہاری خوب صورتی کا قصیدہ لازماً شامل ہوتا ہے۔"

"تم ایڈیٹ ہو۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی "مغرب کی مخلوط پارٹیوں میں یہی سب ہوتا ہے۔ سب دل کھول کر شراب پیتے اور پرائی عورتوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ انہیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ ان کی بیوی یا بیٹی کہاں اور کس کی بانہوں میں ناچ رہی ہے۔ ایسی آزادی سے صرف اور صرف اسکینڈل جنم لیتے ہیں۔ اندر کے قصے لوگ اندر ہی بھول جاتے ہیں۔ بہت کم کہانیاں باہر آتی ہیں۔"

"اور باہر آنے والی ہر کہانی میں تم کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہو۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"میں تمہیں آپ بیتیاں سناتی ہوں جن میں میری موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ دوسروں میں کیڑے نہیں نکالتی۔"

"حالانکہ کیڑے محض کیڑے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آئیں انہیں نکال دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا' اب تم جاؤ یہاں سے۔" ویرا نے اسے صوفے سے دھکیل دیا "کمرے میں جاکر اپنے پوشیدہ کیڑے نکالو۔"

سلطان شاہ ڈھٹائی سے پھر صوفے پر جم گیا۔ غزالہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں کا ایسا جارحانہ مذاق عام طور پر کسی ایک فریق کی بدکلامی پر ختم ہوتا تھا۔

میں بھی ہاتھ روم کا عذر کرکے وہاں سے ٹل گیا۔ گھر کے اس پرسکون گوشے میں مکمل تنہائی کے چند منٹ گزار کر میں واپس لوٹا تو ویرا' سلطان شاہ سے چھٹکارا حاصل کرکے اکیلی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی تنہائی کا احساس دور کرنے کے لیے اس نے ٹیلی ویژن کھول لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "میں نے فون کرکے اول خان کو بلالیا ہے۔"

"اس وقت اسے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

"کورم پورا نہیں تھا اس لیے بلالیا۔ وہ بھی شاید فارغ بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً رضامند ہوگیا۔"

"اس کے سامنے کوئی بدمزگی پیدا نہ کرنا۔ وہ بردبار آدمی ہے۔ تمہاری شوخیاں پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ میری ساری عمر


## مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

**روشنی کے مینار**

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تبسم بلگرامی کے قلم سے

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**عظمت کے مینار**

ضیاء تبسم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**ایمان کا سفر**

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے' جن کی آپ کو تلاش ہے۔

قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**کچرا گھر**

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**آدھا چہرہ**

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پکیجری کے بہانے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں

قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**کالی کہانیاں**

جرائم' جادو' شیطان' رُوح' ارواح' طنز و مزاح' اسرار و خوف' سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں

قیمت ۳۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

**نک ویلوٹ کی چوریاں**

مشہور چور نک ویلوٹ جو بیش قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چُراتا ہے۔

قیمت جلد اوّل ۵۰/- جلد دوم ۵۰/-

ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

**کتابیات پبلی کیشنز**

پوسٹ بکس ۲۳ سیدمٹھا بلیو پرنٹ سٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱


Downloaded from https://paksociety.com

مردوں میں ہی گزری ہے۔ میں اس کا ٹائپ خوب سمجھتی ہوں۔" وہ منہ بنا کے بولی "مرد کو ہر شوخ عورت اچھی لگتی ہے۔ کچھ اپنی خوشی کا برملا اظہار کرتے ہیں' کچھ کے من ہی من میں لڈو پھوٹتے ہیں مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے۔ تیسری اور بدترین قسم وہ ہوتی ہے جو اپنی پسند کو چھپا کر صرف بھرم رکھنے کے لیے ناک بھوں چڑھاتی ہے۔"

"تمہیں تین اقسام کا تجربہ ہوا ہے۔ اول خان مردوں کی چوتھی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔"

"غلط۔ ایسی کسی قسم کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ یہ سب تیسری قسم کے مرد ہوتے ہیں۔ ویسے تمہیں یہ علم نہیں کہ اول خان نے آج تک میری کسی حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ میرا ساتھ دیتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویرا سے بحث بے سود تھی۔ وہ ہر بات کو اس کی انتہا تک پہنچانے کی عادی تھی۔ ویسے بھی اس کا یہ دعویٰ درست تھا کہ اول خان نے کبھی اس پر کھل کر تنقید نہیں کی تھی۔ میری دانست میں اس کا اکلوتا سبب یہ تھا کہ وہ امریکی نژاد ہونے کے باوجود پاکستان سے اتنی زیادہ محبت کرتی تھی کہ بہت سے پاکستانی اس سے حب وطن کا سبق سیکھ سکتے تھے۔

ہماری نئی قیام گاہ اس اعتبار سے اچھی تھی کہ وہاں سے اسٹیشن فور کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اول خان تھوڑی ہی دیر میں آپہنچا۔

"ہاں! تو کیا پروگرام طے کیا ہے تم لوگوں نے؟" اس نے علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

سلطان شاہ نے اس کے لیے پھاٹک اور دروازہ کھولا تھا' غزالہ بھی اس کا بلند آہنگ سلام سن کر آگئی تھی۔ ہم تینوں نے اول خان کے سوال پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تینوں کے چہرے سپاٹ تھے مگر ویرا کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"ابھی کوئی پروگرام طے نہیں ہوا' یہ صرف تجویز تھی میری!" ویرا نے لب کشائی کی اور مجھے فکر لاحق ہوگئی نہ جانے وہ اول خان سے کیا کہہ بیٹھی تھی۔

"یہ صرف تجویز تھی تو اس پر بعد میں بات ہوگی..... فی الحال میرے پاس ایک بری خبر ہے۔"

اول خان اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ اول خان روشن ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "شاید ابھی تک باقاعدہ خبر جاری نہیں کی گئی مگر اب سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اسلام آباد کے ایک بازار میں طاقت ور بم کا دھماکا ہوا ہے جس میں تین شہری شہید اور سات زخمی ہوگئے۔"

"اوہ!" تقریباً سب ہی کا ردِعمل یکساں اور صدمے سے بھرپور تھا۔ میں نے پوچھا "تمہیں یہ خبر کب ملی؟"

"یہاں آتے آتے اطلاع ملی تھی۔ ابتدائی خبر ہے کہ بم غیر ملکی ساخت کا تھا جسے ریموٹ کنٹرول سے اڑایا گیا ہے۔"

"یہ جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ بھی ہوسکتا ہے۔" ویرا سوچتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ہربات کو ایک دوسرے میں گڈمڈ مت کرو۔ وہ لوگ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اسلام آباد میں حفاظتی انتظامات بہت سخت ہیں۔ مشتبہ بھارتیوں کی نقل و حرکت کی ہر لمحے نگرانی کی جاتی ہے۔" اول خان بتانے لگا "اس واقعے میں ان کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی بھی ہوسکتی ہے۔"

"میں امریکیوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" ویرا نفرت آمیز لہجے میں بولی "یہ بہت انا پرست اور منتقم مزاج ہوتے ہیں۔ اپنی تسکین کے لیے یہ اس سے بڑا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے حکومت کے لیے ایک پیغام بھی ہوسکتا ہے۔"

"حکومت نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو امریکی اس کے لیے مسائل پیدا کریں گے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"پاکستان کی سرزمین پر جو کچھ ہوتا ہے اس کی ساری ذمے داری حکومت پر آتی ہے۔" تم اس مراسلے کا متن بھول رہے ہو جو جلال نے ڈینی کو سنایا تھا۔ اس کا زہریلا متن بہت شرانگیز تھا۔ مراسلے کے بعد یہ بم دھماکا بہت دور رس نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔"

"امریکیوں کے موڈ کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ پرسوں انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دو دھماکوں سے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔" میں نے ان کو یاد دلایا "اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آدمیوں کی موت کا بدلہ دہشت گردی کے ذریعے لے رہے ہیں تو سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی ہی ہوسکتی ہے۔"

"ابھی اتنے یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بس امکانات کو نظر میں رکھنا ہوگا ورنہ ایسے واقعات کا اعادہ بھی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو سکتا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"اس بارے میں صحیح رپورٹ جلال سے مل سکتی ہے۔" غزالہ نے ہمیں یاد دلایا۔

"میں کوشش کر چکا ہوں۔ وہ غائب ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دباؤ اسی کے محکمے پر ہوگا کیونکہ اسلام آباد کی سیکیورٹی کی بعض ذمے داریاں براہ راست ان کے سپرد ہیں۔ اسلام آباد میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ کوئی اہم افسر اپنے دفتر میں نہیں ہے۔"

"ان کے رویے میں یہ سفاکانہ سختی بوب رافیل والے واقعے کے بعد آئی ہے۔" ویرا کی نیلی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں "ان کے صدر نے اپنے وقار کو داؤ پر لگا کر اسے رہا تو کرالیا لیکن امریکی اپنی اس تذلیل کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکے۔ جب یہاں کوئی نیا واقعہ رونما ہوتا ہے' ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو جاتا ہے اور وہ کسی بدتر کارروائی پر تل جاتے ہیں۔"

"اگر بھارتیوں کو بالکل الگ کر دیا جاتا ہے تو اس کے سوا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔" میں نے کہا۔ میرا ذہن اس امکان کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کے طریقوں میں الجھ گیا تھا۔ ایک بات اس قدر واضح ہو کر سامنے آ رہی تھی تو اس پر کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دھماکا انہوں نے کرایا ہے تو اس کا بہترین جواب یہ ہوگا کہ اگلا دھماکا ان کے سفارتی عملے کی وفتر سے روانگی کے وقت ہو تاکہ انہیں بھی دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو سکے۔" سلطان شاہ نے غصیلے لہجے میں اپنی رائے دی۔

"ایسے معاملات بہت نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔" اول خان نے تحمل سے اسے سمجھایا "ایک فریق دیوانگی پر تل جائے تو دوسرے کو درگزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ دونوں ایک سطح پر آجائیں تو معاملات بہت تیزی سے کنٹرول سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ صرف ہم درگزر سے کام لیتے رہیں؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔

"وہ دیوانگی کا مظاہرہ کر چکے ہیں اس لیے ہمیں برداشت سے کام لینا ہوگا۔ اس کا مزہ کسی اور وقت چکھایا جا سکتا ہے۔"

"بالکل اسی طرح جیسے بوب رافیل کے پکڑے جانے پر انہوں نے چالاکی سے کام لے کر اسے چھڑا لیا اور اب ہمیں اس جسارت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔" ویرا نے زہریلی ہنسی کے ساتھ دخل اندازی کی "یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"میں ذرا سی دیر کے لیے خاموشی چاہتا ہوں۔" میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پر تشویش نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"جان اسمتھ سے بات کروں گا۔ وہ بڑبولا ہے۔ ذرا سی دیر میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"سوچ لو۔ کہیں یہ رابطہ الٹا گلے نہ پڑ جائے۔" اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں کافی دیر سے اسی بارے میں مغز زنی کر رہا تھا۔ وہ اتنے پاگل نہیں ہو سکتے کہ میری دوسری کال کے جواب میں کوئی دوسرا دھماکا کرنے کا احمقانہ فیصلہ کر لیں۔"

سب خاموش ہو گئے کیونکہ اس وقت ہمارے پاس کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔

میرے پاس بخشی کی طرح اوبرائن ڈی ہنٹ کے دیے ہوئے دونوں نمبر موجود تھے۔ مجھے امید تھی کہ اگر اولی کا گھر جان کے استعمال میں تھا تو اس کا دفتر بھی اسی کے تصرف میں ہوگا۔ میں نے نمبر ملایا' گھنٹی بجی اور پھر میں نے بولنے والے کی آواز پہچان لی۔

"جان! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

ریسیور میں اس کا گھن گرج والا قہقہہ گونجا "کیا بات ہے؟ اس وقت تمہاری آواز بہت نڈھال ہے۔"

"میں دوسروں کے زخم اپنے جسم اور سینے پر محسوس کرتا ہوں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"آج تم کس کس کے زخموں کی کسک محسوس کر رہے ہو؟" جان کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔

"میں ان تینوں کی بات کر رہا ہوں جو تمہارا نشانہ بنے ہیں۔ وہ سب مقابلے سے باہر کے آدمی تھے مگر انہیں کسی امتیاز کے بغیر' بے رحمی سے نشانہ بنا دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟ وہ کیوں مار دیے گئے؟"

"اگر تم جمی اور ڈیوڈ کے قصور بتا دو تو میں بھی ان تینوں کی غلطیاں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میرے ہاتھ بالکل صاف تھے۔ اب تمہارے ماہروں کی رپورٹ بھی آگئی ہے۔ وہ حادثے میں گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنا رہی ہے۔ کیا تم لوگوں کو اپنے آدمیوں کی لکھی ہوئی باتوں پر بھی اعتبار نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

رہا ہے؟"

"یہ کہیں نہیں لکھا کہ گردنیں حادثے میں ٹوٹی ہیں۔ انہیں گردنیں توڑ کر بھی کار سمیت پھینکا جاسکتا تھا اور ہاں' یہ سن لو کہ تمہاری طرح میرے ہاتھ بھی بالکل صاف ہیں میں کراچی میں ہوں۔ آدمی نہ جانے کہاں مارے گئے ہیں۔" اس نے براہِ راست کسی بات کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے مجھے جتا دیا تھا کہ بم کا دھماکا جمی اور ڈیوڈ کے قتل کے بدلے میں کیا گیا تھا۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ دھماکے کا فیصلہ میری فون کال کے ردِعمل میں کیا گیا تھا؟"

"اتنے بڑے فیصلوں کے لیے تم بہت کم تر اہمیت رکھتے ہو۔ تمہارے لیے دس چوہوں والا کام کافی تھا۔" اس نے دس چوہوں کا ذکر کرکے واضح کردیا تھا کہ اس کا اشارہ مائیکرو سینٹر کی طرف تھا۔ اس کی بات جاری تھی "بڑے فیصلے بڑے لوگوں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ تمہارے بڑے وہ ہیں جو اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہر امریکی کے لہو کا بدلہ لیا جائے گا۔"

"تمہیں کسی جواب کا خوف نہیں ہے؟ جانتے ہو کہ یہ سلسلہ کہاں جاکر رکے گا؟"

"سب معلوم ہے۔" جان اسمتھ کا لہجہ پُرغرور تھا "چیونٹی ہاتھی سے لڑے گی تو خود مسلی جائے گی۔ ہاتھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"پیغام رسانی کا یہ طریقہ باعزت نہیں ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ ہو مگر پیغام اس سے زیادہ واضح نہیں ہوسکتا تھا۔" اس پر میرا لہجہ بے اثر رہا۔

"اب تم اپنے طریقوں پر عمل کرو۔ ہم اپنے طریقے سے جواب دیں گے۔" میں نے سخت آواز میں کہا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ اس سے نرم اور مصالحانہ گفتگو بے سود تھی۔ ویرا کے بقول وہ ہر امریکی کی طرح اندر سے بزدل تھا اور صرف طاقت کی زبان سمجھ سکتا تھا۔

"ابھی تک میں نے تمہاری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ آئندہ تم نے مجھے فون کیا تو تمہاری سی ایس ڈی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ میں پوری بات چیت کا ٹیپ اخبارات والوں کو جاری کرا دوں گا اور پھر تمہاری آواز تمہاری موت بن جائے گی۔"

اس نے فون بند کردیا۔ یہ بات ہر شک وشبے سے بالا ہوچکی تھی کہ اسلام آباد میں ہونے والی مہلک دہشت گردی کی پوری پوری ذمّے داری ان لوگوں پر عائد ہوتی تھی۔ اول خان کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ دیوانگی کے مظاہرے پر تل چکے تھے۔

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' جان اسمتھ کو یہاں سے زندہ نہیں لوٹنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے پوری گفتگو سننے کے بعد غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ہوجائے گا لیکن اس کے لیے ہمیں اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنی پڑے گی۔"

"اس تبدیلی میں خوف یا بزدلی کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔" ویرا نے شرط عائد کردی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری تجویز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"تمہاری تجویز کا ذکر میں دوسری بار سن رہا ہوں۔ تم نے اول خان سے کیا بات کی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی میرا خیال تھا کہ ہمیں اب بھارت کا رخ کرنا چاہیے۔ وہاں انل بسواس تمہارے لیے بہترین نشانہ ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم یہاں رہ کر دفاع کررہے تھے۔ اب بڑھ کر دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آگیا ہے۔" ویرا نے جواب دیا۔

"ویرا کی اس تجویز کا جان اسمتھ سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس وقت جان اسمتھ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے پہلے اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"میں ایک پنتھ دو کاج کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے مبہم سا جواب دیا "شاید اس بارے میں اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

"انل بسواس کے علاوہ دوسرا کاج کس کو بنانا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے تجسّس سے سوال کیا۔

"جان اسمتھ!" اول خان کے جواب نے سب کو چونکا دیا "وہ ایک بڑے ایشیائی خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ اس نے پاکستان اور خاص طور پر کراچی کو اپنا مرکز بنایا ہوا ہے مگر وہ اکثر دوسرے ایشیائی ملکوں کے دورے پر جاتا رہتا ہے۔ اسے نئی دہلی کے کسی دورے پر زیادہ آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہم اس الزام سے بچ جائیں گے کہ پاکستان میں امریکیوں کا خون ارزاں ہوگیا ہے۔"

اول خان کی پوری بات میری سمجھ میں آگئی۔ پاکستان کے بارے میں اس کے دشمنوں کے رویّے میں سختی اور تندی

Downloaded from https://paksociety.com

آگئی تھی۔ ان کے کسی انتہائی اقدام سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ ہم فوری طور پر ملک اور ٹھکانا تبدیل کرلیں۔ پاکستان سے باہر رہ کر ہم زیادہ بے خوفی سے اپنا کام سرانجام دے سکتے تھے۔ مقامی مسائل کے تدارک کے لیے ایس ٹی ایف سمیت دوسرے ادارے ہمہ وقت فعال تھے۔

"تم اپنے ساتھ کس کس کو بھارت لے جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"خدا کا خوف کرو ڈینی!" وہ فوراً ہی بول پڑی "میری یہ تجویز تمہارے لیے تھی۔ تم بتاؤ گے کہ کون کون تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس فہرست میں میرا نام سب سے اوپر ہونا چاہیے۔ میں تمہارے لیے ہمیشہ بہترین مددگار ثابت ہوئی ہوں۔"

"ملک سے باہر کے مشن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "دو نفری ٹیم سب سے بہتر رہے گی۔ ایک کے ساتھ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آجائے تو دوسرا اس کی خبر کے ساتھ گھر واپس آسکتا ہے۔"

"امریکا ہم دونوں گئے تھے۔ بھارت کے لیے بھی میں تمہارا ساتھ دینے پر تلی بیٹھی ہوں۔" ویرا بولی۔

"بھارت کے لیے اول خان میرا بہترین ساتھی ثابت ہوگا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر مجبوری ہے۔" اول خان نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایس ٹی ایف کا ہر رکن پاکستان کی حدود میں رہ کر کام کرنے کا پابند ہے۔ یہاں ہمیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے۔ پاکستان کی سرحدوں سے قدم نکالتے ہی ہماری کوئی حیثیت نہیں رہتی' سارے تحفظات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔"

"بس' پھر میں ہی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اول خان کے انکار پر ویرا خوش ہوگئی۔

"تم امریکا جاچکی ہو۔ وہاں کے ماحول میں گھل مل گئی تھیں۔ بھارت میں ایسا نہیں ہوگا۔" اس موقع پر سلطان شاہ بھلا کیوں کر خاموش رہ سکتا تھا "اپنے رنگ و روپ اور خدوخال کی وجہ سے تم ہر جگہ نگاہوں کا مرکز بنی رہو گی اور ڈینی کے لیے مسائل کھڑے ہوتے رہیں گے۔ اس بار میں ڈینی کے ساتھ جاؤں گا۔"

غزالہ خاموش بیٹھی تھی اور گفتگو میں پوری دلچسپی لے رہی تھی مگر میں کن انکھیوں سے جائزہ لے چکا تھا کہ وہ بار بار پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نرمی سے کہا "تم دونوں خ
غرض ہو اور شاید یہ بھول چکے ہو کہ غزالہ میری بیوی ہے
میں بار بار اس کی حق تلفیاں نہیں کرسکتا۔ اگر میں بھار
گیا تو غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔"

میرا وہ فیصلہ اس قدر بھرپور اور صائب تھا کہ سار
بحث وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے لیے کچھ بو
کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اگر مگر کی گنجائش نہیں ہے۔" اول خان نے میر
طرف متوجہ ہو کر کہا "جان اممتھ سے ہونے والی گفتگو
روشنی میں اب یہ فیصلہ ناگزیر ہوچکا ہے ایسا نہ ہوتا تو میں
اس وقت یہ بات ہی نہ چھیڑتا۔ تم دونوں کو یہاں سے جلد
جلد نکل جانا چاہیے۔"

"کاغذات وغیرہ کی تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت تو ضرو
صرف ہوگا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر کل مجھے کوئی کام نہ ہوا تو تمہارے سفری کاغذا
کل ہی مکمل ہوجائیں گے" اول خان نے جواب دیا "تم ذا
طور پر اپنی تیاری کرلو اور سفر کے لیے بازار سے کچھ خریدار
کرنی ہے تو وہ بھی کرلو۔ مجھے پروگرام بتادو تاکہ اس کے
مطابق نشستیں بک کرائی جاسکیں۔"

"کیوں نہ جہاز کے بجائے ٹرین سے سفر کیا جائے؟"
غزالہ نے اپنے حق میں فیصلہ سننے کے بعد پہلی بار زبان
کھولی۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ٹرین سے ایسے لوگ
کثرت سے آتے جاتے ہیں جو دونوں طرف سے بھاری
مقدار میں تجارتی سامان اپنے ساتھ لاتے اور لے جاتے
ہیں۔ ہر پھیرے میں وہ معقول رقم کماتے ہیں اور یہی ان
روزگار بھی بن گیا ہے۔ یہ لوگ کسٹم والوں کو بھاری رقمیں
دے کر سامان نکلواتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سرحدی عملے میں
بہت سی خرابیاں پھیل گئی ہیں جن کی وجہ سے عام مسافروں کو
بھی شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے" اول خان بھارت
کے لیے ٹرین سے سفر کے بارے میں اپنی معلومات کا در
بہائے چلا گیا۔

"ٹرین میں آدمی کسی کی نظروں میں آئے بغیر' بھیڑ میں
مل جل کر گزر جاتا ہے۔ جہازوں میں مسافروں کی تعداد محدو
ہوتی ہے اس لیے شناخت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ ورنہ سفر جہا
کا ہی بہتر ہے" غزالہ نے اپنی فرمائش کا سبب بھی واض
کردیا۔

"تم روانگی کے بارے میں بلاوجہ اتنی سنجیدہ ہو رہی ہو

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ بولا "آج یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ اگلے کسی اجلاس میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ اس وقت سفر کا ذریعہ بھی طے کرلینا۔"

سلطان شاہ اتنا سنجیدہ تھا کہ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو" اول خان نے غزالہ کو تسلی دی۔

اچانک ٹیلی ویژن اسکرین پر نظر آنے والا پروگرام غائب ہوگیا اور اسکرین پر اسپیشل بلیٹن کی سلائڈ نظر آنے لگی۔

"شاید اسلام آباد میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کوئی خبر آنے والی ہے" ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اپنا خیال ظاہر کیا "سب لوگ اپنی گفتگو بھول کر ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔

پس منظر موسیقی کے ساتھ وہ سلائڈ کچھ دیر تک نظر آتی رہی پھر اسکرین صاف ہوئی اور خبروں کے پس منظر کے ساتھ مرد اناؤنسر اسکرین پر نظر آنے لگا۔ اس نے مختصر انداز میں بتایا کہ صبح دس بجے اسلام آباد کے ایک مصروف علاقے میں غیر ملکی ساخت کا ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم پھٹنے سے تین افراد ہلاک اور سات زخمی ہوگئے۔ پولیس نے تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

اس خبر میں ہمارے لیے صرف ایک بات نئی تھی کہ جان اسمتھ کے کسی گرگے کی دہشت گردی کی تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد پولیس کے عتاب میں آچکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام مشتبہ افراد مقامی رہے ہوں گے۔

"پولیس چاہے تو مار مار کر کسی ہاتھی سے یہ اعتراف کراسکتی ہے کہ وہ چوہے کا بچہ ہے۔ مقامی افراد بلاوجہ اس مصیبت میں آئے ہیں۔ کیا تم ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتے؟" وہ خبر سننے کے بعد میں نے دردمندی کے ساتھ اول خان سے پوچھا۔

"یہ بڑی واردات ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران خود ساری تفتیش کررہے ہوں گے۔ اس سطح پر عام طور پر تشدد نہیں کیا جاتا۔ ہاں، کسی کے جرم کا ہلکا سا سراغ بھی ہاتھ آجائے تو اس کی شامت آجاتی ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں بات بھی کرلوں گا۔"

اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس سے بات کرلے گا مگر میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے باس سے براہ راست بات کرے گا۔ وہی پولیس کے اعلیٰ افسران کو سمجھا سکتا تھا کہ اسلام آباد کی واردات میں کون سے عناصر ملوث تھے۔

"تمہیں ڈینی کے ساتھ بھارت جانے کی خوش خبری مل گئی ہے۔ جانے سے پہلے دو چار دن اپنے بنائے ہوئے کھانے کھلاتی رہو تاکہ ہم تمہارے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم آج ہی باورچی خانے کی چھٹی کردو۔" ویرا نے غزالہ سے کہا۔

"تو کیا تم کھانے کھائے بغیر دعائے خیر نہیں کروگی؟" غزالہ نے تیوریوں پر ہلکا سا بل ڈال کر پوچھا۔

"مجھ پر اول خان جیسے بزرگوں کا سایہ ہے۔ پیٹ بھرتا ہے تو دل سے دعا نکلتی ہے۔"

غزالہ ہنستی ہوئی اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔ اس کے جانے کے بعد سلطان شاہ بولا "یہ مزے زیادہ سے زیادہ کل تک کے ہیں۔ کچن میں ویرا کا راج ہوگا تو فاقے ہوں گے


صحیح اور باکفایت
ہومیوپیتھک علاج

مرض کچھ بھی ہو کوالیفائڈ اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی نگرانی میں امپورٹیڈ دواؤں کے ذریعے علاج کے لئے رجوع کریں۔

معلومات کے لئے

فون: 5058064

کلینک کے اوقات

شام 5 بجے سے رات 10 تک (جمعہ تعطیل)

ہومیوڈاکٹر محمود احمد مودی

کلینک کا پتا:

I-H-6 پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی
نرسری اسٹاپ۔ نزد نظام ملک شاپ۔
(پلاٹینم بینک والی گلی)


Downloaded from https://paksociety.com

یا ہوٹل بازی پر گزارہ کرنا پڑے گا۔"

"یہ سمجھ لینا کہ ڈینی اور غزالہ کے جانے کے بعد تم میرے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ ان کی واپسی تک میں..... گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گی" ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا "کھانا میں بناؤں گی' برتن تم دھوؤ گے۔"

"پاسپورٹ اور ویزا کے لیے مجھے اپنی تصویریں اور شناختی کارڈ دے دینا۔ کل نہیں تو پرسوں تک ہر چیز تیار ہو جائے گی۔" اول خان نے ان دونوں کی بحث کو نظر انداز کر کے مجھ سے کہا "اس بار پرانا نام ہی استعمال کرنے کا ارادہ ہے؟"

"اب مظہر خان چل پڑا ہے تو یہی رہنے دو۔ شناختی کارڈ بھی نیا بنوالو' پرانا کارڈ میں تلف کردوں گا۔"

"بس تو پھر تم تصویریں دے دینا۔ تم دونوں کے دستخط اتنے سادہ ہوں گے کہ تم آسانی سے نقل کرلو گے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ تم کل یا پرسوں تک ہر کام کیسے مکمل کرلو گے؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"دو پاسپورٹوں پر صرف تصویریں بدل کر سب کام ہو جائے گا" اول خان نے اطمینان سے کہا۔

"پھر مرضی کا نام پوچھنا بے کار ہے۔ جو کچھ پاسپورٹ پر لکھا ہوگا' وہی قبول کرنا پڑے گا۔"

اول خان مسکرا دیا "تم ہر بات پر اتنی باریکی سے غور کرتے ہو کہ کمزوری فوراً تمہاری نگاہوں میں آجاتی ہے۔ مجھے تمہارا پسندیدہ نام پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' یہ میری غلطی تھی۔"

"ایک اور نکتہ بھی اپنے ذہن میں رکھنا" میں نے اسے یاد دلایا "پاکستان اور بھارت والے ایک دوسرے کے شہریوں کو زیادہ لمبا اور آزاد ویزا نہیں دیتے۔ ہر سفر کے لیے نیا ویزا حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ بات میرے علم میں نہیں تھی" اول خان نے اعتراف کیا "ایسا ہوا تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسلام آباد سے ایک دن میں تم دونوں کا ویزا لگوالیا جائے گا۔ یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"سفر شروع کرنے سے پہلے میں کاغذات کی طرف سے اپنا پورا اطمینان کرنا چاہوں گا۔ یہ معاملہ بھارت کے سفر کا ہے۔ کہیں بھی کوئی خامی رہ گئی تو ہم دونوں کو ائرپورٹ پر اترتے ہی پاکستانی جاسوس قرار دے کر دھر لیا جائے گا۔"

"ویزا حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ جعلی یا پھر اصلی۔ میں کسی بھی جعلی کاغذ کے حق میں نہیں ہوں۔ ہمارا کوئی بھی آدمی انڈین ہائی کمیشن سے ویزے لگوا لے گا۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ فیکس' کمپیوٹر اور ای میل کا دور ہے۔ وہ روزانہ جاری کیے جانے والے ویزوں کی فہرست بھارت بھیجتے ہوں گے اور سفارشی ویزوں کی نشان دہی کرتے ہوں گے۔ شاید ایسے مسافروں کو زیادہ کڑی جانچ پڑتال کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے ناموں سے ایسا کوئی پہلو وابستہ ہو۔ یہ عام طریقے سے حاصل کیے ہوئے ویزے ہونے چاہئیں۔"

اول خان فکرمند ہوگیا۔ "تمہاری ہر بات درست ہے لیکن ویزا حاصل کرنے کا عام طریقہ بہت دشوار ہے۔ روز سویرے لائنیں لگتی ہیں اور بعض اوقات وہاں کئی کئی دن خوار ہونا پڑتا ہے۔ تم دونوں کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑے گا اور پھر وقت بھی لگے گا۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا۔ ہم ایک دو روز میں بھارت کے سفر پر روانہ نہیں ہوسکتے" میں نے زور دے کر کہا۔

"اپنے تحفظات کے پیش نظر تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو مگر میری خواہش ہے کہ پاکستان میں مامور بھارتی سفارتی عملے سے تمہارا سامنا نہ ہو۔ یہ ایک بے سبب اور معصوم سی خواہش ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ ایک دو روز میں تمہاری روانگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے" اول خان نے پوری سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بھی ہماری محفل جمی رہی۔ بھارت کے سفر کے امکان نے ہمارے درمیان تجسس اور سرگرمی کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔

چار بجے میرے موبائل فون پر جلال کی کال آئی "تم نے ٹیلی ویژن پر آج کی بدترین خبر سن لی ہوگی!" اس نے اداس اور تھکی تھکی آواز میں پوچھا "اس حادثے کا ایک اور زخمی چل بسا ہے۔ مرنے والوں کی تعداد اب چار ہوگئی ہے۔"

"پرانی خبر اول خان سے مل گئی تھی۔ مرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی اطلاع نئی ہے۔"

"صبح سے میں تھک کر چور ہوگیا ہوں اور ابھی تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا" وہ کہہ رہا تھا "پکڑے جانے والوں میں تین افغان بھی ہیں لیکن جس ساخت کا بم پھٹا ہے' وہ اب

Downloaded from https://paksociety.com

تک افغانوں کی دسترس میں نہیں ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہوسکے تو سارے مشتبہ افراد کو رہا کردو۔ صبح کا دھماکا امریکی ایجنٹوں کی طرف سے ہمارے لیے ایک دھمکی آمیز پیغام تھا۔ اس میں شاید کوئی مقامی یا افغانی باشندہ ملوث نہیں ہے۔"

"تم یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز کی اداسی یکایک دور ہوگئی۔

"میں نے دوپہر کو جان اسمتھ سے براہِ راست فون پر بات کی تھی۔ میں اسی کی کہی ہوئی باتیں دہرا رہا ہوں۔"

"کاش! میں کسی طرح یہ بات ریکارڈ پر لاسکتا" اس کی آواز سے غصے اور بے بسی کا اظہار ہورہا تھا "میں پچھلے کئی ہفتوں سے ایسے کسی سانحے کی بو سونگھ رہا تھا۔ اسی لیے تمہیں امریکیوں سے دور رہنے کے مشورے دے رہا تھا۔ آخری گفتگو میں تم نے میرے مشورے کا بہت برا بھی منایا تھا اس وقت بھی یہی امکان میرے سامنے تھا۔ دشمنی میں یہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔"

"ہمارے درمیان آخری گفتگو میسن گوٹھ کے واقعے کے بعد ہوئی تھی۔ تم نے کھل کر اس کی توثیق کی تھی۔"

اس نے میری بات کاٹ دی "مجھے یاد ہے۔ میں اس کارروائی پر خوش ہوا تھا۔ اس خوشی میں اسلام آباد کے بہت سے لوگ میرے شریک تھے مگر آج ان سب کے چہرے اداس اور اترے ہوئے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ آج کی دہشت گردی اسی واقعے کی بازگشت تھی۔"

"تم سے میرا اختلاف جان کے بارے میں تھا۔ تم نے مجھے روکا تھا اور میں اس سے فون پر بات کربیٹھا تھا۔ اگر ہم نے اس موذی کی گردن کچل دی ہوتی تو آج کا سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا۔ یہ ساری منصوبہ بندی اسی کی تھی۔"

"میں اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ یہ تمہارا گمان تھا۔ تمہارا نام ان کے لیے مادر زاد گالی بنا ہوا ہے۔ اگر تمہارا نام پردے میں رہتا تو شاید وہ اتنے مشتعل نہ ہوئے ہوتے مگر جو ہونا تھا' ہوگیا۔ اسے بھول جاؤ۔ یہ میری اپنی تلی رائے ہے کہ جان کو کچھ ہوا تو ان کا ردِعمل آج سے کہیں زیادہ شدید ہوگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ جان نے اسکول کے کسی بچے جیسی حرکت کی ہے۔ تمہارے فون کی شکایت دفترِ خارجہ سے کی گئی ہے اور خط کی نقول براہِ راست اخباروں کو جاری کردی گئیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے آج کے فون پر بھی ایسی ہی کوئی کارروائی کرگزرے۔"

"آج اس سے بالکل مختلف موڈ میں باتیں ہوئی ہیں۔ تم سے ہونے والی گفتگو میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اگر دھماکے کے بارے میں ابہام نہ ہوتا تو میں ہرگز اسے فون نہ کرتا۔ آج اس کے پاس شکایت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"جان دشمن کے خلاف اعصابی اور نفسیاتی سرد جنگ کا خصوصی ماہر ہے۔ مقامی رائے عامہ کے سامنے خود کو مظلوم اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے وہ بھی نکتہ نکال سکتا ہے۔ اس سے اسے دہرا فائدہ ہوگا۔ تمہاری ایک اور شکایت ریکارڈ پر آجائے گی اور دھماکے کے بارے میں کوئی بھی اس پر شبہ نہیں کرسکے گا' اس نے تم سے جو کچھ کہا ہے' اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں میرے بیان پر شبہ ہے؟" میں نے چونک کر جلال سے پوچھا۔

"کیسی باتیں کررہے ہو ڈینی!" اس کی آواز آئی "مجھے پورا یقین ہے۔ میں دوسروں کی بات کررہا ہوں۔ تم سے منسوب کوئی بھی ایسی بات منظرِعام پر آئی تو اسے تمہاری بے بنیاد الزام تراشی قرار دے کر مسترد کردیا جائے گا۔"

"بہرحال' اب میں نے اس سے بہت دور چلے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔

اس بار اس کے چونکنے کی باری تھی "کیوں؟ کیا تم کسی لمبے سفر پر جارہے ہو؟"

"سفر زیادہ لمبا نہیں ہے مگر ملک ضرور بدل جائے گا۔ پچھلے دنوں تم نے بھی مشورہ دیا تھا کہ میں بھارت چلا جاؤں۔"

"وہ بھارت جانے کی بات نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تم وہاں جاکر کچھ کام کرو" اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

"اب میں جانے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ موجودہ الجھن سے نجات ملنے کے بعد کام کے بارے میں بھی بریف کردینا۔"

"لیکن تم وہاں کس مقصد سے جارہے ہو؟" میرے جواب سے وہ تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"اتل بسواس نامی ایک بھارتی سے ملاقات کا ارادہ ہے!" میں نے دھیرے سے کہا۔

میری زبان سے وہ نام سنتے ہی وہ پھڑک اٹھا "اس خبیث کا نام تمہیں کہاں سے مل گیا۔ بھارتی صفوں میں اس وقت وہی ہمارے لیے سب سے بڑا دردِ سر بنا ہوا ہے۔ تمہارے لیے میں نے اس کا نام سرفہرست رکھا ہوا تھا۔"

"یہ نام کرشن کمار کے ایک ساتھی نے اگلا ہے۔ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

سب انل بسواس سے ہدایات لیتے رہے ہیں۔"

"وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے۔ اسے پاکستان کے خلاف ہروقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے کے عوض بھاری تنخواہ اور مراعات دی جارہی ہیں۔ تم نے اس کا قصہ پاک کردیا تو یہاں کئی برسوں کے لیے سکھ چین ہوجائے گا" اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا "میرے جو آدمی وہاں درپردہ کام کررہے ہیں' وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔ ضرورت کے وقت وہ تمہیں فنڈز بھی فراہم کرسکیں گے۔"

"ابھی تک میں اپنی گرہ سے رقم خرچ کررہا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو ان سے لے لوں گا۔ میرے پاس جو کچھ ہے' اسی ملک کے طفیل ہے۔ اگر اس کی کوڑی کوڑی بھی ملک کے کام آجائے تو مجھے ذرا بھی قلق نہیں ہوگا۔"

"تمہارے بارے میں یہ کہانیاں میں سن چکا ہوں۔ میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔"

"اور اب یہ بھی نوٹ کرلو کہ کھوکھراپار میں کرشن کمار نے ایک دکان کسی فرضی نام سے کرائے پر لی ہوئی تھی۔ وہاں چھاپا مارا جائے تو میگزین اور ہتھیاروں کی بھاری تعداد برآمد ہوگی۔ یہ ہتھیار سندھ میں بے چینی پھیلانے کے مذموم ارادے سے جمع کیے گئے ہیں۔"

"تم سے بات کرکے میرے دل کے کئی بوجھ ہلکے ہوگئے ہیں۔ میں ابھی اس علاقے کے ایریا کمانڈر کو دکان کے بارے میں مطلع کردوں گا۔ مسلح دستے آج ہی وہاں تربیت یافتہ لڑکوں اور ہتھیاروں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"بم دھماکے میں پکڑے جانے والے مشتبہ لوگوں کی گلوخلاصی کے بارے میں ضرور سوچنا" میں نے اسے تاکید کی اور الوداعی فقروں کے رسمی تبادلے کے بعد فون کا بٹن آف کردیا۔

پچھلی بار اس سے تلخی ہوجانے کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کروں گا۔ اس نے بات کرنے میں پہل کرکے میرے دل کا سارا غبار صاف کردیا تھا۔ یہ شاید ہماری صاف نیتوں کا کمال تھا کہ ہم بروقت ایک دوسرے سے رابطے کرتے تھے اور اپنی اپنی معلومات کے سہارے کوئی نہ کوئی پیچیدہ مسئلہ حل کرلیتے تھے۔ یہی صورت حریفوں کے بارے میں تھی۔ کہیں سے اچانک ایک نام سامنے آتا تھا اور پھر دوسرے ذرائع اس کی اہمیت کی تصدیق کرتے چلے جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی اطلاع مسترد کی گئی ہو۔

"یہ بات واقعی حیران کن ہے" جلال سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران میں اول خان نے حیرت سے کہا "وہ انل بسواس کا نام کسی مناسب وقت کے لیے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا اور ہری چند نے وہی نام ہمارے سامنے اگل دیا۔"

"جلال آدمی کام کا ہے۔ بروقت ہماری مدد کرتا رہا ہے" میں نے وہ اعتراف ضروری سمجھا۔ "ہم کرشن کمار کا ہر سراغ کھو بیٹھے تھے کہ اس نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی نشان دہی کی اور آخر کار وہ پکڑا گیا۔ امریکیوں کے میمن گوٹھ پہنچنے کی خبر بھی کے ون سے ملی تھی جسے جلال نے مامور کیا ہوا تھا اور اب انل بسواس کا قصہ ہے۔ اس کی معلومات کے ذرائع بہت موثر ہیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اس کے آدمی سست رفتار ہیں۔"

"تم اس کے آدمیوں کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اصل خرابی طریقہ کار کی ہے" ویرا نے کہا۔

"مجھے تو اس کے طریقہ کار میں ابھی تک کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ بس وہ اپنے ضابطوں کی پابندی کرتا ہے۔"

"اکثر اوقات ضابطے ہی کام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوتی ہے" ویرا نے زور دے کر کہا "صحیح فیصلہ صحیح وقت پر نہ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہیں۔ تاخیر کی وجہ سے حالات بدل جاتے ہیں اور وہی فیصلہ ناقص ہوجاتا ہے۔"

وہ کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی۔ جلال بھی ان نکات سے واقف تھا اسی لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کا خواہاں تھا۔

اس بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر ایک کی اپنی رائے تھی مگر ہم میں سے کوئی بھی جلال کو مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اپنے ضابطوں اور طور طریقوں کو ہم سے زیادہ جانتا تھا اور ان کی حدود میں رہنے کا عادی تھا۔

گفتگو سمٹی تو اول خان چل دیا۔ اسے رخصت کرنے کے بعد ویرا آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جاگھسی۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر بستر پر آلیٹا۔ بھارت کے سفر کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ مجھے اس سفر کی ضروریات کا اندازہ لگا کر ان معاملات کو نمٹانا تھا جو کراچی میں بکھرے ہوئے تھے۔

میں بستر پر لیٹا ہوا ان ہی خیالات میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ہمارے گھر کا فون نمبر قابل اعتماد اور گنے چنے لوگوں کے

Downloaded from https://paksociety.com

پاس تھا۔ ان کے سوا کوئی ہمیں فون نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں سے اول خان کچھ دیر پہلے تک ہمارے ساتھ موجود تھا' جلال موبائل فون پر بات کر چکا تھا۔ میں تردد میں پڑ گیا کہ وہ کس کی کال ہو سکتی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اول خان کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے وہ نمبر ماروتی' روی اور جگدیش تک بھی پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے ماروتی ہی اس نمبر پر فون کر سکتی تھی۔ اس دوران میں دوسری گھنٹی بجی اور ڈرائنگ روم میں کسی نے ریسیور اٹھالیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سلطان شاہ نے کمرے میں آکر مجھے اطلاع دی کہ فون پر روی موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"مظہر اسپیکنگ!" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"مظہر جی! میں روی بول رہا ہوں" اس کی آواز دبی دبی اور سرگوشیانہ سی تھی "ماروتی نہانے کے لیے گئی ہے تو میں اس سے چھپ کر تم کو فون کر رہا ہوں۔ دراصل میں نے ہری چند کے بارے میں اس سے تھوڑا سا جھوٹ بولا ہے۔"

"شاید تم چاہتے ہو کہ میں ماروتی سے تمہارے اس جھوٹ کی تردید نہ کروں؟" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بالکل' بالکل یہی بات ہے..... مظہر جی! تم تو فون پر بھی دل کی بات پڑھ لیتے ہو" میری صحیح قیاس آرائی پر وہ خوش ہو گیا کیونکہ اس طرح اس کا سمجھانے کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔

"اب وقت ضائع مت کرو اور اپنا جھوٹ بتا ڈالو..... میں کسی سفید جھوٹ کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"بات کچھ یوں ہے کہ تم تو اسے مارنے کا ارادہ کر ہی چکے تھے۔ میں تو اسے دیکھتے ہی دھوکا کھا گیا تھا کہ وہ سرگباش ہو چکا ہے۔ اسی لیے میرا دل پھٹنے لگا تھا۔" اس نے اپنی تمہید کو ضرورت سے زیادہ طول دے دیا تھا جسے میں خاموشی سے برداشت کرتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے بھی دیکھا تھا کہ وہ بالکل مُردے جیسا نظر آرہا تھا۔ میں نے ماروتی سے کہا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ ہم لوگ اسے اسپتال لے جانے کے لیے واپس چلے مگر حیدر آباد پہنچنے سے پہلے ہی اس کا دم نکل گیا۔ ہم لوگ یعنی کہ تم حیدر آباد میں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے اس کی لاش کو کراچی لے آئے۔ تم سے کوئی سزا ملنے سے پہلے وہ مر چکا تھا۔ میں نے اس کی معافی کے لیے تم سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے لوٹ آیا۔"

"تمہیں اپنی بیوی سے یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس نے کہا تھا کہ میں موقع نکال کر تمہاری خوشامد کروں اور کسی بھی طرح ہری کو معافی دلوادوں مگر میں پاگل نہیں ہوں۔ تم نے مجھے بتادیا تھا کہ میں نے ایسی کوئی بات کی تو کیا ہوگا۔ گاڑیوں کی ٹکر میں جو ہوا' میں نے سوچا اس سے فائدہ اٹھالوں۔ اس میں تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہے نا؟" وہ بہت سوچ سوچ کر اور جملے جوڑ جوڑ کر بول رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی ٹنکی الکحل سے بھری ہوئی تھی۔

"اتنا جھوٹ چل جائے گا۔ اس طرح ماروتی سے میرا میل جول بھی برقرار رہ سکے گا۔"

"بالکل بالکل!" میری رضامندی پر اس کی مسرت سے بھرپور مگر سرگوشیانہ آواز ابھری "اسے میری نہیں' اپنی ہی بی..... وی..... مطلب یہ کہ دوست ہی سمجھو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوتی ہے" بے ساختگی میں بیوی کہتے کہتے اسے بروقت اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور اس نے رشتہ بدل دیا۔

"بس اب فون بند کر دو۔ وہ نہا کر نکل آئی تو ضرور پوچھے گی کہ تم کسے فون کر رہے ہو؟"

"شکریہ..... بہت بہت شکریہ مظہر جی!" یہ کہہ کر اس نے فون فوراً ہی بند کر دیا۔

ماروتی اور روی۔ میرے لیے وہ عجیب و غریب اور دلچسپ جوڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے' دونوں بدترین بے راہ روی کا شکار تھے اور شاید اس سے باخبر بھی تھے لیکن ہر وقت بے خبر بنے خوش و خرم رہتے تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ دونوں انسان ہوتے ہوئے' حسد و رقابت کے انسانی جذبوں سے یکسر عاری تھے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ کمرے میں آئی تو اسی تجسس میں مبتلا تھی کہ ماروتی کے بجائے روی نے کیوں فون کیا تھا؟ اس وقت بھی میں اسی جوڑے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے غزالہ کو روی کے مدعا سے آگاہ کر دیا۔

"حیرت ہے کہ بعض مرد اپنی بیویوں سے اتنا ڈرتے ہیں" پوری بات سن کر اس نے ہنستے ہوئے کہا "آپ تو مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتے!"

"شوہروں کو ڈرانے والی بیویاں اور ہی ہوتی ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خامی تو نہیں ہے" میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر پر اپنے قریب ہی بٹھالیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ہاتھ چھوڑیں" اس نے نیم دلانہ سی فرمائش کی "دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ابھی سلطان شاہ آکر کھڑا ہوجائے گا تو کیا سوچے گا؟"

"یہی سوچے گا کہ اب اسے بھی جلد از جلد اپنا گھر بسالینا چاہیے۔ وہ اس بارے میں بات تک نہیں کرتا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے اپنے ساتھ بھارت لے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ دونوں یکجا رہیں گے تو انہیں اندازہ ہوگا کہ انہیں ایک دوسرے کے سہارے کی کتنی ضرورت ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں واپسی پر ان میں سے کوئی ایک نظر آئے۔ دوسرا گھر چھوڑ کر کہیں بہت دور جاچکا ہے۔"

"ویرا گھر چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ان میں کوئی اَن بن ہوگئی تو وہ سلطان شاہ کو گھر سے بھاگنے پر مجبور کردے گی۔"

"اس بارے میں تمہارا مشاہدہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ یہ سب واپسی پر دیکھا جائے گا۔ آج کے لیے یہ یاد رکھنا کہ ہمیں آٹھ بجے جہانگیر کے گھر جانا ہے۔ اس سے ملے بہت دن ہوگئے ہیں۔ بھارت جانے سے پہلے یہ کام آج ہی نمٹ جائے تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اس سے کوئی پروگرام طے کرلیا ہے؟" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"بس، بغیر اطلاع دیے ان کے سروں پر سوار ہوجائیں گے۔ سلمٰی خوش ہوجائے گی۔"

"آپ ہر ایک کی خوشنودی کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ پر رشک آنے لگتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سلمٰی کو خوش کرنے کے لیے وہاں پہنچیں اور وہ دونوں کسی دورے پر نکلے ہوئے ہوں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کے ابتدائی فقرے میں پوشیدہ لطیف سے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا "جب سے وہ گولڈن فارمیسی کے چکر میں الجھا ہے، شام کو بلکہ رات کو گھر سے کہیں نہیں جاتا۔ بوتل کھولے بیٹھا رہتا ہے۔ سلمٰی زیادہ سے زیادہ سودا سلف لینے کے لیے باہر نکلتی ہے تو تھوڑی دیر میں لوٹ آتی ہے۔ آج رات کا کھانا ہم ان ہی کے ساتھ کھائیں گے۔"

"ویرا ضرور ہمارے ساتھ چپکے گی۔" غزالہ کے ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ رقصاں تھی "کئی بار کہہ چکی ہے کہ آپ کے تائب ہونے کے بعد پینے میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ وہ جہانگیر کے ساتھ بیٹھ کر پینے کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گی۔"

"ویرا چلی جائے گی تو سلطان شاہ یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"اسے بھی ساتھ لینا پڑے گا۔ ہم تو چار کا ٹولہ بن کر رہ گئے ہیں۔ معلوم نہیں یہ دونوں ہماری خواب گاہ کی خلوت کیسے برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ دونوں دروازہ توڑ کر اندر نہ گھس آئیں۔"

غزالہ کے اس عجیب اندیشے پر میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکا۔ وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ان دونوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم جہانگیر کی طرف جارہے ہیں" ہنسی تھمنے پر میں نے سنجیدگی سے کہا "ہم ہوا خوری کے بہانے نکلیں گے اور ان سے مل آئیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔"

وہ میری اس تجویز سے متفق ہوگئی۔ وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی کہ ہم چار کا ٹولہ بن گئے تھے۔ جہاں جاتے تھے، چاروں جاتے تھے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پیرو تفریح کی کوئی آزادی میسر نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس صرف ایک ہی گاڑی تھی جو اکثر میرے استعمال میں رہتی تھی۔ کبھی کوئی پروگرام بنتا تھا تو وہ دونوں ہم سے پہلے چلنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ اس دوران میں ٹیلی ویژن سے اسلام آباد میں چوتھے شخص کی ہلاکت کی خبر نشر ہوچکی تھی۔ اس کے سوا سب حالات جوں کے توں تھے۔ کہیں سے کسی تبدیلی کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ویرا اور سلطان شاہ کو بھی احساس تھا کہ ان کے ساتھ ہم دونوں کتنی پابند اور لگی بندھی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے کسی نے ہماری ہوا خوری میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو اب میں کہاں ہوتی؟" گھر سے روانہ ہونے کے بعد غزالہ کے ذہن پر ایک ہلکا سا رومان سوار ہونے لگا۔ "آپ کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"تمہارے ذہن میں ایسے خیالات کیوں آتے ہیں؟ میرے بغیر زندگی کے تصور کا مطلب ہے کہ تمہیں میری مکمل ازوقت موت کے اندیشے ستاتے رہتے ہیں۔"

اس نے آس پاس سے گزرتے ہوئے ٹریفک کی پروا کیے

Downloaded from https://paksociety.com

بغیر بے ساختہ میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا "خدا نخواستہ! میری دعا یہی ہوتی ہے کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے لیکن جب آپ پُرخطر مہمات پر نکل کھڑے ہوتے ہیں تو میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ موت کی جو گھڑی لکھ دی گئی ہے' وہ اٹل ہے۔ جب آدمی کا وقت پورا ہوتا ہے تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح وقت سے پہلے موت کبھی کسی کو نہیں گھیرتی۔ یہ یقین مضبوط ہو تو انسان کی زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے۔"

"سچ سچ بتائیں کہ آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں؟" اس نے ذرا سے توقف کے بعد پوچھا۔

"اتنا یا پھر اتنا" میں نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہتھیلیاں ملائیں پھر انہیں ایک دوسرے سے بہت دور لے گیا "یا پھر شاید ففٹی ففٹی!" میں نے پچھلی گاڑی کو راستہ دینے کے لیے جلدی سے اسٹیئرنگ تھام کر کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"ہم روز تھوڑی دیر کے لیے اسی طرح باہر نکل آیا کریں تو کتنا اچھا ہو؟" اس نے خواہش ظاہر کی۔

"بھارت پہنچ کر اس پر ضرور عمل کریں گے" میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا۔

اسی طرح ہنسی مذاق اور باتیں کرتے ہوئے ہم نو بجے سے پہلے جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ ڈور بیل کے جواب میں سلمٰی نے دروازہ کھولا اور غیر متوقع طور پر ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے گلنار ہوگئی پھر اس نے غزالہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"اندر بلاؤ گی یا یہیں سے مل ملا کر رخصت کرنے کا ارادہ ہے؟" میں نے معانقہ طویل ہوجانے پر سلمٰی کو ٹوکا۔

"اوہ! آجاؤ" اس نے فوراً ہی راستہ چھوڑ دیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی "تم دونوں بہت بروقت آئے ہو۔ وہ ابھی فارمیسی سے آئے ہیں اور اپنے کام میں مصروف ہونے سے پہلے غسل فرما رہے ہیں۔"

"اس سے کہو کہ سارے کام دکان پر پورے کرکے آیا کرے۔ گھر آکر کون سا کام پھیلا لیتا ہے؟" میں نے کہا۔

"گھر میں وہ پینے کے علاوہ کیا کام کریں گے۔ بازار سے تنکا تک لاکر نہیں دیتے۔ سارا بوجھ میرے اوپر ہے" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی آواز دھیمی کرلی "تم تو چھوڑ چکے ہو۔ آج انہیں بھی نہ پینے دو تو میں تمہیں مان جاؤں گی۔"

"وہ مجھے بددعائیں دے گا اور آئندہ گھر میں بھی نہیں گھسنے دے گا" میں نے ہنس کر کہا۔

"واہ بھئی واہ! آج تو اس گھر میں ڈینی کی آواز سنائی دے رہی ہے" خواب گاہ کی طرف سے جہانگیر کی مسرت آمیز چہکار سنائی دی۔

"کپڑے پہن کر آنا۔ غزالہ بھی میرے ساتھ آئی ہے" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ دونوں عورتیں منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔

اسے ہدایت دینے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ پوری طرح بن سنور کر خاصی دیر میں اپنے کمرے سے برآمد ہوا اور غزالہ کو سلام کرنے کے بعد مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کے بدن سے کلون کی بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"تم نے دل خوش کردیا آج" وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "بس اسی طرح کبھی کبھی چلے آیا کرو۔ کراچی میں ہم ایسی اپنائیت کو ترسے ہوئے ہیں۔ روز رات کو ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں تھک گئی ہیں۔"

"اسی لیے تم دونوں بلے بلیوں کی طرح آپس میں لڑپڑتے ہو" مجھے ان کا پچھلا جھگڑا یاد آگیا جو شراب کی ایک بوتل کے بہانے پر ہوا تھا۔

"چھوڑو ان فضول باتوں کو" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے۔ کھانا ہم دیر سے کھائیں گے۔"

"ہم دونوں صرف چائے پئیں گے۔ سلمٰی بھی ہمارا ساتھ دے گی۔ تم کیا پیو گے؟" میں نے الٹا اس سے پوچھ لیا۔

"کوک!" اس نے سوکھا سا منہ بنا کے کہا "میں رات کو چائے یا کافی نہیں پیتا۔ اس سے بھوک مرجاتی ہے۔"

"اپنی کوک تم خود لے آنا' میں چائے بنانے جارہی ہوں" سلمٰی نے ناک چڑھا کر کہا۔ غزالہ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی جہانگیر مجھ سے مخاطب ہوگیا "یار! سلمٰی کو یہ نہ بتادینا کہ اس دن میں نے صلح صفائی کرانے کے لیے تمہیں فون کیا تھا۔ سلمٰی سمجھ رہی ہے کہ میں نے اس پر ترس کھا کر غصہ تھوکا تھا۔ پول کھل گئی تو وہ پھر شیر ہوجائے گی۔ اس دن وہ کموڈ میں بہائی ہوئی بوتل کے بدلے' نہ جانے کہاں سے ایک سربمہر بوتل نکال کر' آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ آئی تھی۔ میں نے فوراً بوتل لے کر اسے گلے سے لگالیا تھا۔"

"مجھے تمہارے ان جھگڑوں کو دہرانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں۔ سلمٰی

Downloaded from https://paksociety.com

سے کچھ پیسے لوں گا اور چلا جاؤں گا۔"

"تم نے بلاوجہ اتنا بڑا بوجھ ہم پر ڈالا ہوا ہے۔ سلمٰی کب تک تمہاری وہ امانت سنبھالتی رہے گی؟"

"اسے کچھ سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کو کپڑوں کے پیچھے پڑا رہنے دو اور بھول جاؤ۔ تجوری میں رقم کو خطرہ ہوسکتا ہے' کپڑوں کی الماری میں کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ بس یہ خیال رہے کہ کپڑے زنانہ نہیں' مردانہ ہوں۔"

"میں اپنے لیے کوک لے کر آتا ہوں" اس نے بھونڈے انداز سے دائیں آنکھ دبا کر کہا "دو چار چسکیاں مارنی ہوں تو تم بھی آجاؤ۔"

"کہو تو میں تمہیں اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے" میں نے اسے ڈانٹا۔

"پھر تم بیٹھو' میں ابھی آیا" وہ لپک کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ اسے روکنے کی کوشش بے سود تھی۔ میں نے سگریٹ سلگالی۔

سلمٰی نے خاصی پھرتی دکھائی۔ جہانگیر کی واپسی سے پہلے ٹرے میں چائے سجا کر لے آئی "جہانگیر کہاں گئے؟" مجھے تنہا دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"اپنے لیے کوک بنانے گیا ہے" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تو کیا کوک گھر میں بھی بنائی جاسکتی ہے؟" غزالہ نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

جہانگیر شاید اس کی بات سنتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس اور دوسرے میں کوک کی بوتل تھی۔ اس نے جلدی سے وضاحت کی "دراصل کوک میں گیس زیادہ ہوتی ہے' میں اس میں پانی ملا کر پیتا ہوں۔"

"کوک میں پانی' میں پہلی بار سن رہی ہوں" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔

جانگیر نے بوتل تپائی پر رکھی' گلاس سے کھڑے کھڑے ایک بڑا گھونٹ لیا پھر بیٹھتے ہوئے گلاس بھی بوتل کے سامنے رکھ دیا پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں غزالہ سے کہا "دراصل یہ ترکیب مجھے ایک حکیم نے بتائی تھی۔ اس طرح عرق النساء بھی نہیں ستاتا۔"

"تمہارا گلاس بھرا ہوا ہے۔ بوتل بھی آدھی سے زیادہ ہے لیکن پانی کہیں نظر نہیں آرہا" غزالہ سنجیدہ رہ کر اس سے تفریح لے رہی تھی۔

جہانگیر نے بے بسی سے میری طرف دیکھا' میں نے اپنی توجہ پنکھے پر مرکوز کردی۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنی پیشانی صاف کی اور بولا "میں پہلے گلاس میں زیادہ پانی ملالیتا ہوں۔ جیسے جیسے یہ خالی ہوگا' اسی میں تھوڑی تھوڑی کوک ملاتا جاؤں گا۔ کبھی تم بھی ٹرائی کرنا۔ اس طرح کوک کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔"

"اور عرق النساء کی بیماری کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"بالکل!" غزالہ کے بے ساختہ سوال کے جواب میں وہ بے چارگی سے سرہلا کر رہ گیا۔

غزالہ کے چبھتے ہوئے معصومانہ سوالات اور جہانگیر کے بے تکے جوابات سنتے سنتے سلمٰی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکی کہ اس کا شوہر غزالہ سے اپنی درگت بنواتا رہے۔ اس نے تنگ کر جہانگیر سے کہا "بلاوجہ ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے مسلسل بے تکے جھوٹ بولے جارہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم کوک میں اسکاچ ملا کر پی رہے ہو۔ غزالہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ وہ ڈینی اور ویرا کو ایک مدت سے شراب پیتے دیکھتی چلی آرہی ہے۔ اس کے لیے شراب نوشی کوئی انوتھی عادت نہیں ہے۔"

جہانگیر کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے قدرے آہستگی سے کہا "ہر بات ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی۔ لحاظ اور مروت بھی کوئی چیز ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم غزالہ کو اپنے کمرے میں ہی لے جاؤ۔ ٹھیک دس بجے کھانا لگالینا۔"

سلمٰی فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اور غزالہ نے اپنی چائے کی پیالیاں اٹھائیں اور دونوں ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔

"دیکھ لیا تم نے؟" جہانگیر نے اپنے گلاس سے اگلا گھونٹ لے کر کہا۔ یہ خاتون آج کل میری احسان مند ہے تو یہ حال ہے۔ ابھی تم اسے مصالحت کا اصل واقعہ بتادو تو اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے گا۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ غزالہ کو معلوم ہے کہ تم شراب نوشی کرتے ہو پھر اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا "غزالہ تم کو موقع دے رہی تھی اور تم جھوٹ بولے جارہے تھے۔"

"چھوڑو اس قصے کو۔ اب تو میں ایسی کل کل کا عادی ہوگیا ہوں۔ تم اس کی حمایت کرکے کیوں میرا لطف غارت

Downloaded from https://paksociety.com

# بیورو کریسی

ایک عقل مند عورت اپنے میاں کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے گئی۔ دونوں نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک بہت ہی خوب صورت عورت آئی اور اس کے میاں سے لپٹ گئی۔ شوہر نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو بیوی نے غصے سے غرا کر اپنے میاں سے پوچھا۔ "کون تھی... مشٹنڈی۔"

میاں نے صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میری دوست تھی۔"

بیوی کو بہت غصہ آیا اس نے کھانے کی پلیٹ پٹخ دی اور کہا کہ اسے فوری طور پر طلاق چاہیے۔

میاں نے کہا "ٹھیک ہے، تم طلاق لے لو، مگر پھر تمہیں اس پر تعیش زندگی، محل نما گھر، قیمتی گاڑیوں، مہنگے زیورات ملبوسات سمیت ہر چیز سے محروم ہونا پڑے گا۔"

"بیوروکریٹ" نما عقل مند بیوی نے چند لمحے غور کیا تو اسے طلاق والی بات گھاٹے کا سودا لگی اس لیے اس نے غصہ تھوک کر کھانا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد میاں کا دوست ایک عورت کے ساتھ اسی ہوٹل میں داخل ہو تو عورت نے اسے پہچان کر اپنے شوہر سے پوچھا۔ "تمہارے دوست کے ساتھ یہ عورت کون ہے؟"

میاں نے پھر صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میرے دوست کی سہیلی ہے۔"

اب کی بار "بیوروکریسی" بولی "لو، ہمارے والی تو اس سے لاکھ درجے خوب صورت ہے۔"

محمد محمود احمد آکاش کا پتہ، صادق آباد سے

---

کر رہے ہو۔"

"تمہارا مزاج بالکل شتر مرغ جیسا ہے۔ حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہو۔ ریت میں منہ دے کر یہ سمجھ لیتے ہو کہ طوفان گزر گیا ہے۔" میں نے اسے پھٹکار کر اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔ سلمٰی نے مزے دار چائے بنائی تھی۔

"مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ تم شراب نوشی سے تائب ہو چکے ہو، افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنا ایک اچھا ساتھی گنوا دیا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر ڈھٹائی سے بولنے لگا "نئے آدمی کے لیے اسے منہ لگانا مشکل ہے اور پرانے عادی کے لیے چھوڑنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا تمہیں اپنی زندگی روکھی پھیکی اور بے کیف محسوس نہیں ہوتی؟"

"شروع میں بہت کچھ ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا۔ کوشش کرو تو تم بھی اسے چھوڑ سکتے ہو۔"

"مجھے غزالہ جیسی بیوی اور ویرا جیسی خوش اخلاق دوست ملی ہوئی ہوتی تو میں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ اب مل رہی ہے تو کیوں چھوڑوں؟ اس لیے کہ سلمٰی ہر وقت میرے کان کھاتی رہے؟"

اگر وہ سچ بول رہا تھا تو اس کا اصل مسئلہ اس کی بیوی تھی۔ شریکِ سفر اچھا نہ ہو تو زندگی اس سے زیادہ کٹھن ہو جاتی ہے۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس بار اس کی سوئی ویرا کی ذات پر اٹک کر رہ جائے گی۔

میری وہ خاموشی بے سود ثابت ہوئی تھی۔ جہانگیر کچھ دیر تک میرے جواب کا منتظر رہا پھر پوچھ بیٹھا "آج تم ویرا کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ وہ ہوتی تو ماحول ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ وہ کم از کم میرا ساتھ تو دے رہی ہوتی۔"

"تم چاہو تو میں اسے مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہنے کا مشورہ دے سکتا ہوں۔"

"ایک میان میں دو تلواریں رہ سکتی ہیں، سلمٰی کے ساتھ کوئی اور عورت یہاں نہیں رہ سکتی۔ وہ گھر کے کام کاج

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے کسی خوش شکل عورت کا وجود برداشت نہیں کرتی تو ویرا کو چین سے یہاں کب رہنے دے گی!" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔

"یہاں شی کے عروج کے دنوں میں جب وہ بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو اس کے نام سے سب کی جان نکلتی تھی۔" میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا "سب کو یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی لڑکی ہے لیکن اس کا سیک سراپا سر سے پیر تک چست سیاہ لباس میں پوشیدہ ہوا کرتا تھا۔ تم اس کے سامنے بولنا تک بھول جاتے تھے اور آج اس کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرنے پر قادر ہو۔"

"یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے اور وقت سدا ایکساں نہیں رہتا۔ اب تو وہ خود بھی بھول چکی ہوگی کہ ایک زمانے میں اس کا کیا دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ آج وہ ایک عام سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"اس تبدیلی کے باوجود اس کی انفرادیت برقرار ہے۔ کوئی اسے آسانی سے نظرانداز نہیں کر سکتا۔"

"کسی دن تمہارا گھر دیکھنا پڑے گا" جہانگیر نے معنی خیز لہجے میں کہا "جب ویرا سے ملنے کو دل چاہا' تھوڑی دیر کے لیے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"فی الحال اس پروگرام پر عمل نہ کرنا۔ دو تین دن میں' میں شہر سے باہر چلا جاؤں گا۔ واپسی پر میں تمہیں فون کر کے بتادوں گا۔ اس کے بعد تم جب چاہو' اس سے ملنے کے لیے ہمارے گھر آسکو گے۔ میرے پیچھے وہ تمہیں نچا کر رکھ دے گی۔"

"ارے یار! ایسی نچانے والیاں بھی قسمت سے ملتی ہیں" وہ مسکرا کے بولا "تمہاری غیر حاضری میں وہ زیادہ آسانی سے بے تکلف ہو جائے گی۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ تمہارا بہت زیادہ لحاظ کرتی ہے۔ تمہارے سامنے ایک خاص حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ تم شادی شدہ آدمی ہو اور وہ بہتی گنگا ہے۔ مجھے اس میں ہاتھ دھونے سے کیوں روک رہے ہو؟"

"اگر میں شادی شدہ ہوں تو تم بھی کنوارے یا رنڈوے نہیں ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تمہاری بیوی زندہ ہے۔ میں تمہیں تمہاری بھلائی کے لیے مشورہ دے رہا تھا۔ اگر تم اس کے باوجود ویرا سے پینگیں بڑھانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے چلے جانے کے بعد بھی وہ دونوں تم کو ہر وقت خوش آمدید کہیں گے۔ بس تم بعد میں مجھ سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔"

"میں نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ ہمیشہ تمہارا ممنون رہا ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ گھر پر اس کے ساتھ کون رہے گا؟"

"غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ گھر پر رہیں گے۔ تم سلمٰی سے لڑجھگڑ کر دو چار راتیں وہاں بسر کرنا چاہو تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ تمہارے لیے میرا بیڈ روم کھول دیں گے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا اور میرے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "سلمٰی سے لڑائی جھگڑے کا ذکر کر کے تم نے مجھے بالکل نئی راہ سجھائی ہے۔ میں نے اسے مشورہ سمجھ کر گرہ سے باندھ لیا ہے۔ دوست ہو تو بس تمہارے جیسا ہو ورنہ نہ ہو۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں نے تمہیں کوئی مشورہ نہیں دیا۔ تمہارے اور سلمٰی کے معمولات کا ذکر کیا ہے۔"

"دراصل ہوٹلوں میں رہنے سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کئی بار اس سے کئی کئی دن بول چال بند رہی ہے مگر میں اس کے ساتھ اسی چھت کے نیچے رہنے پر مجبور تھا کیونکہ میرے ذہن میں گھر کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اب تمہارا گھر موجود ہے۔ میں ہر وقت وہاں جاسکتا ہوں۔ ویرا وہاں ہو یا نہ ہو' کم از کم سلمٰی تو نہیں ہوگی۔ اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ شہر میں میرا کوئی اور ٹھکانا موجود ہے۔"

مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے اپنے گھر پر رہنے کی دعوت کیوں دی؟ میں نے وہ بات صرف اور صرف ویرا کے حوالے سے کہی تھی۔ اس نے مفہوم ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ کبھی کبھی ایسی ذہنی کج روی کا شکار ہوتا تھا کہ ہر بات کے منفی پہلو پر فوری چھلانگ لگا دیتا تھا۔

وہ جس انداز میں اپنا گلاس اور کوک کی بوتل لے کر آیا تھا' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک تگڑے گلاس کو دھیرے دھیرے ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر دونوں عورتوں کے چلے جانے کے بعد اس کے پینے کی رفتار یکایک تیز ہو گئی تھی۔

اس نے کسی ندیدے کی طرح اپنا گلاس خالی کیا اور اٹھ کر اندر غائب ہو گیا۔ اس بار وہ گلاس میں صرف اسکاچ انڈیل کر لوٹ آیا۔ بوتل میں بچی ہوئی کوک ملا کر اس نے اپنا گلاس پورا کیا اور پھر آسودہ انداز میں میری طرف متوجہ ہو گیا "اب میں کھانے میں پوری طرح تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔ پہلے گلاس کے بعد میری بھوک کبھی نہیں کھلتی۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اپنی بسیار نوشی کی

Downloaded from https://paksociety.com

وجہ سے تم گوشہ نشین ہو کر رہ گئے ہو۔ شاید پورے شہر میں میرے سوا تمہارا کوئی ملاقاتی نہیں ہے۔ اپنے ساتھ تم نے سلمٰی کو بھی اس چار دیواری کا قیدی بنا دیا ہے۔"

"خدا کے لیے یہ بات اس کے سامنے نہ کہہ دینا" وہ بوکھلا کر بولا "وہ ہمیشہ یہی رونا روتی رہتی ہے۔ تمہاری زبان سے اپنے دل کی بات سنے گی تو میری زندگی اجیرن کر دے گی۔ تم خود بتاؤ کہ میں اسے کہاں اور کس سے ملوانے لے جاؤں۔ جس عمر میں پکی دوستیاں ہوتی ہیں' وہ ہم نے پوری دنیا سے کٹ کر ہیروئن بیچنے میں گزار دی۔ اب الگ تھلگ رہنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ کسی سے ملنے ملانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"تم دکان پر جا کر وقت کا بڑا حصہ گزار لیتے ہو۔ ملازموں اور گاہکوں سے باتوں میں تمہارا وقت کٹ جاتا ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ سلمٰی پہاڑ جیسے دن کیسے کاٹتی ہوگی۔ ایسی ہی بہت سی باتوں نے اسے چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیا ہے۔"

"اس کی حمایت نہ کرو" اس نے ہلکی سی ترنگ میں کہا "اس پر دنیا کی کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ وہ پیدائشی بدمزاج ہے۔ یہ بلڈنگ بہت بڑی ہے۔ وہ چاہے تو یہاں رہنے والوں سے میل جول بڑھا سکتی ہے مگر اس کی کسی سے نہیں بنتی۔ اس سے جس پڑوسی کے بارے میں ذکر کرتا ہوں' وہ اس کی دس خرابیاں گنوانے بیٹھ جاتی ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی اس کے مزاج کا حصہ ہے۔"

اگر وہ سلمٰی کے بارے میں کوئی مبالغہ نہیں کر رہا تھا تو اس کی بات درست تھی۔ جہانگیر گوشہ نشین تھا تو سلمٰی پاس پڑوس سے تعلقات اچھے رکھ کر بہتر وقت گزار سکتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے سوا کسی سے بھی خوش اخلاقی سے ملنا نہیں جانتی تھی۔

جہانگیر کی ساری دنیا اس کی دکان اور گھر تک محدود تھی۔ اس سے جب بھی ملاقات ہوتی تھی' ہمارا بیشتر وقت اس کے ذاتی مسائل پر تبادلہ خیال کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ مے نوشی کے دوران میں اسی گول دائرے میں چکراتا رہا۔

جب اس کا دوسرا گلاس بھی نصف رہ گیا تو میں سلمٰی کو آواز دیتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں صوفے پر ایک دوسرے سے جڑی بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو کے دوران میں کوئی تلخ مرحلہ نہیں آیا تھا۔

"آج کچھ پیسوں کی ضرورت ہے" میں نے مسکرا کر سلمٰی سے کہا اور اس نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ غزالہ کو اپنی خواب گاہ میں لیے بیٹھی تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ میرے ساتھ جہانگیر کے کمرے کی طرف چل دی۔ جہاں میرے ڈالروں کا تھیلا محفوظ تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ غزالہ کو ساتھ لے آئے لیکن کبھی کبھی اکیلے بھی آتے رہا کرو" دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلمٰی نے میرے بدن سے لگ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "ہمیشہ وعدہ کرتے ہو لیکن فوراً اسے بھول جاتے ہو۔"

میں گھبرا کر اس سے الگ ہٹ گیا "آؤں گا... آؤں گا۔ اس وقت تو ذرا محتاط رہو۔ بہت ممکن ہے کہ جہانگیر ہی تیرا گلاس بنانے کے لیے اس کمرے میں گھس آئے۔ دوسروں کی موجودگی میں تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

"تم مجھ سے یوں دور بھاگتے ہو کہ مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگتا ہے" اس نے جھلا کر کہا اور تالا کھول کر الگ کھڑی ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رقم کا تھیلا سب سے نیچے والے خانے میں موجود تھا۔

## حمایت

ایک امریکی رپورٹر ایک سروے کر رہا تھا۔ ایک صاحب کو روک کر اس نے پوچھا "مغرب کے نوجوان غیر شادی شدہ جوڑوں میں بغیر شادی کے رہنے کا جو رواج زور پکڑ چکا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

وہ صاحب نہایت جذباتی انداز میں بولنے لگے "یہ بہت بے ہودہ رواج ہے۔ اسے ختم ہونا چاہیے۔ قانونی شادی' تہذیب' شائستگی اور شرافت کی بنیاد ہے۔ جب ایک گھر' ایک کنبے کی بنیاد رکھی جاتی ہے تبھی ملک اور قوم کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ اگر شادی کرنے کا رواج اسی طرح کم ہوتا رہا تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ خاموش ہوئے تو رپورٹر نے مرعوب لہجے میں پوچھا "کیا آپ باقاعدہ مقرر ہیں؟"

"نہیں... میں وکیل ہوں اور صرف طلاقوں کے کیس لیتا ہوں۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں تھیلے کی طرف متوجہ ہوا تو سلمٰی نے میرے شانے پر اتنی زور سے چٹکی لی کہ بے اختیار میری سسکی نکل گئی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے قہر بار نظروں سے گھورا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے لوٹ گئی۔ چابیوں کا گچھا اس نے تالے میں ہی لگا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے ڈالروں کی گڈیوں سے بھرے ہوئے تھیلے کا سرسری جائزہ لے کر سوڈالر کی دو گڈیاں نکالیں اور تھیلے کا منہ باندھ کر اسے دوبارہ اسی خانے میں ڈال دیا۔ میں تالا بند کر کے کمرے سے باہر نکلا تو دونوں عورتیں باورچی خانے میں موجود تھیں۔ شاید جہانگیر نے کھانا لگانے کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ میں نے چابیوں کا گچھا سلمٰی کو لوٹاتے ہوئے دیکھا کہ وہ ڈیپ فریزر سے کھانے کی کئی تھیلیاں نکال چکی تھی۔

میں انہیں دیکھ کر جہانگیر کے پاس لوٹ آیا۔ اس کی کوک کی بوتل خالی ہو چکی تھی' گلاس میں صرف ایک دو گھونٹ باقی رہ گئے تھے اور اس کا موڈ پوری طرح بحال ہو چکا تھا۔

"آج تم نے میرا ساتھ نہیں دیا لیکن تمہاری موجودگی میں پینے سے مزہ آگیا" یہ کہہ کر اس نے مجھے آنکھ ماری اور پھر اونچی آواز میں پوچھا "یہ بتاؤ کہ سلمٰی کے ساتھ تمہارا حساب کتاب کیسا چل رہا ہے؟"

اس کے سوال پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے سلمٰی کو میرے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کس حساب کتاب کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جو ڈالروں کے سلسلے میں چل رہا ہے۔ سنا ہے ابھی بھی وہ بہت بڑی رقم ہے" اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی۔

"رقم جوں کی توں پڑی رہتی ہے جو ضرورت ہوتی ہے' لے لیتا ہوں۔ باقی کی امانت دار سلمٰی ہے۔ سب ٹھیک چل رہا ہے۔"

چند منٹ میں گھر کی فضا کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکنے لگی۔ جہانگیر نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اب بھوک پوری طرح چمک اٹھی ہے۔ آؤ' میز پر ہی چلتے ہیں۔ فضا میں خوشبو میں چکرانے لگیں تو میز لگنے میں دیر نہیں لگتی۔"

اور میز واقعی تیار ہونے والی تھی۔ تین اقسام کے سالن اور گرما گرم بریانی دیکھ کر میں حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا "تم کمال کی عورت ہو۔ اتنی تیزی کے ساتھ اتنی چیزیں بنا ڈالیں۔ یہ تو اچھی خاصی ضیافت معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ سب چیزیں بنی بنائی رکھی تھیں" سلمٰی نے اپنی تعریف پر خوش ہو کر کہا "ہم دو آدمیوں کا کھانا ہی کیا ہوتا ہے۔ ہفتے میں دو دن پکاتی ہوں اور تھیلیوں میں جما کر رکھ دیتی ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے' اسے مائیکرو ویو اوون میں گرم کر کے پھر تازہ کر لیتی ہوں۔"

"ان سہولتوں نے عورتوں کے لیے بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں" میں نے بریانی کی ایک کھولتی ہوئی بوٹی منہ میں ڈال کر کہا۔

"سلمٰی میں کتنی بھی برائیاں ہوں' ایک اچھائی ضرور ہے" جہانگیر نے اپنی پلیٹ بھرتے ہوئے کہا "یہ کھانے بہت لذیذ بناتی ہے۔"

"کیا خرابیاں ہیں مجھ میں؟" سلمٰی نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

اس وقت انہیں بھول جاؤ" جہانگیر نے کسی کا انتظار کیے بغیر کھانے کا آغاز کر دیا۔ لقمہ چباتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہ دیکھو کہ میں دل کھول کر تمہارے کھانے پکانے کے ہنر کی تعریف کر رہا ہوں۔"

کھانے کی باقاعدہ ابتدا ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ میری جیب میں رکھے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں چیخنے لگی۔

میں نے کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنی جیب سے فون نکالا۔ ان دنوں موبائل فون پر سی ایل آئی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ میں نے لائن آن کی تو دوسری طرف سے سلطان شاہ بول رہا تھا "ابھی ابھی روی کا فون آیا تھا۔ وہ بہت بوکھلایا ہوا بلکہ دہشت زدہ تھا اور صرف تم سے بات کرنے پر مصر تھا۔ یہ کوئی اہم معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ذرا دیکھ لو کہ وہ کس مصیبت میں ہے" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں" مختصر سا جواب دے کر میں نے لائن منقطع کر دی۔ سلطان شاہ کے پیغام نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر میز سے دور گیا اور موبائل فون پر روی کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کی برباد یوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈبو ڈاسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے بعد پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیپل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے پکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری تحویل میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم ادریس ڈی منٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچ کرتل جمالی دستی کے روپ میں ایس پی ایف کے خدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیلی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے بہ وقت تیار ہوں۔ وہ دو سرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے معقل ثابت ہوا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی اولی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے ادلی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے اپنی قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرایا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جانتا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمالی دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ ادلی منٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی ناکام کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر ادلی منٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیلی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال اسے اس کے گھر کے مراسم میں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی طلب کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان کی انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی کو زور لگا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعدد اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا ناٹی ایب لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے یوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر وہ ہمارے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبت وطن نیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں یوب رائیل نے اپنی گھٹیا سی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا کا رخ کر گیا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی سے معرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر ہوا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے تعاقب میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو سیریو خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے کے بجائے ہمارے حوالے کیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ پر دیکھ رہا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے باوجود کارروائی نہیں کرے گا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ پر دیکھ رہا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے باوجود کارروائی نہیں کرے گا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ پر دیکھ رہا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اس کی امید کے عین مطابق وہ ہمارے گھر سے باہر سڑکوں پر منڈلاتے رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور وہ ہمارے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اس کی امید کے عین مطابق وہ ہمارے گھر سے باہر سڑکوں پر منڈلاتے رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور وہ ہمارے کو بے خیال پاتے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے نہیں لاکھ کا ارادہ اغوا کرکے نہیں لاکھ کا ارادہ اغوا کرکے نہیں لاکھ کا ارادہ

ان واقعات کی دھند صاف ہوئی اور ہماری طرف سے اشارہ ملنے کے بعد وہ گھر آیا تو کرشن کمار کا قصہ پاک ہو چکا تھا لیکن اول خان کے سر پر ہری چند کی تلاش کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس کی نشان دہی روی اور ماروتی ہی کر سکتے تھے۔ یوں روی کو فرصت کی چند گھڑیاں ملنے سے پہلے ہی ایک نیا چکر شروع ہو گیا اور اسے ہمارے ساتھ ایک سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ہری چند کی زندگی کی ڈور ہمارے ہی ہاتھوں منقطع ہوئی مگر وہ اس سے پہلے مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہو گیا۔ وہ ماروتی کا اکلوتا ماموں زاد بھائی تھا اور اسے بہت عزیز تھا۔ روی اپنی حسین اور چہیتی بیوی کی نظروں میں بُرا نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے حیدر آباد کے مضافات سے واپسی پر ماروتی کو ایک الگ ہی کہانی سنائی اور اسے بتایا کہ ہری چند ایک ٹریفک حادثے میں اس بری طرح مجروح ہوا تھا کہ حیدر آباد میں کسی قسم کی طبّی امداد ملنے سے پہلے چل بسا۔

اس نے اپنے گھر سے فون کر کے مجھے اپنے اس جھوٹ سے آگاہ کیا۔ وہ ماروتی کے سامنے اپنی سرخ روئی کے لیے مجھ سے صرف اتنے تعاون کا طلب گار تھا کہ میں ماروتی سے اگلی ملاقات میں روی کے جھوٹ کی تائید کروں۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی کہ ہری چند ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوا اور پھر جہنم واصل ہو گیا۔ اس درمیان میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا' مجھے اس کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنی تھی۔ میں نے روی کی کہانی کی تصدیق کرنے کا وعدہ کر لیا۔

وہ روی کے ذہن پر آخری بوجھ تھا۔ اس سے نجات ملتے ہی اسے یک بہ یک احساس ہوا کہ اس کی گذشتہ شامیں روکھی پھیکی اور بے جان گزر رہی تھیں۔ اس نے چند دوستوں کو فون کیے اور آزردہ خاطر ماروتی کو اپنے مرے ہوئے ماموں زاد بھائی کا سوگ منانے کے لیے گھر میں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر اپنے بے فکرے دوستوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے لیے بے چین تھا۔

روی اور اس کے سارے دوست بے راہ روی میں مبتلا تھے۔ ان کی محفلوں میں شراب کے دور چلتے تھے' شہر کی دل ربا اور بدنام لڑکیاں ان محفلوں کے محظور شرکا کو اپنے نازو انداز سے مسحور کر کے ان کی جیبیں خالی کراتی تھیں۔ شہر کے بگڑے ہوئے رئیس زادے نہ صرف ان پر پیسا لٹاتے تھے بلکہ جوئے میں بھی دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔

روی نے اس شام دل کھول کر اپنی چند روز کی محرومیوں کا حساب چکایا اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے وہ اس شام کی ساری رنگینیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر آسودہ ہو چکا تھا۔

اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پہنچ چکی تھی مگر وہ بلانوش تھا۔ چڑھتے ہوئے خون کی گرمی' شراب کے تیز نشے کو اس کے حواس پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کے بعد اسے دھیان آیا کہ اس شام اس کی بیوی اپنے ماموں زاد کی موت پر سوگوار بیٹھی تھی اور اسے اس کی دل جوئی کے لیے جلد ہی گھر کا رخ کرنا چاہیے تھا۔

وہ اپنے معمول کے برعکس' اس محفل سے جلد ہی اٹھ گیا۔

روی اس شام کی حسین یادوں کے بارے میں سوچتا ہوا' اولڈ کلفٹن کے رہائشی علاقے میں واقع اپنے گھر پہنچا تو پھاٹک سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ گھر کا ماحول سازگار نہیں تھا۔

روشن برآمدے میں اس کا بڑا بھائی خراب تیوروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ وہ شاید روی کی گاڑی کا ہارن سن کر برآمدے میں آیا تھا اور دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے' اس کا منتظر تھا۔ اس کی تیزی سے پھولتی اور پچکتی ہوئی توند سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غصے کی شدت سے ہانپ رہا تھا۔ روی کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس نے جگدیش کو اتنے بگڑے ہوئے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر اپنی گاڑی سے اترا اور ڈرائنگ روم کے سامنے' برآمدے میں کھڑے ہوئے جگدیش کو نظر انداز کر کے بغلی راستے کی طرف بڑھا لیکن جگدیش کی قہر بار آواز نے اسے اپنا رخ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

"جی' بھایا جی!" اس نے پلٹ کر ادب اور خلوص سے کہا اور اپنے بڑے بھائی کی طرف ہو لیا۔

جگدیش نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کیے بغیر مڑ کر ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف چل دیا۔ اس وقت اس کی چال ڈھال تک سے برہمی کا اظہار ہو رہا تھا۔

روی موہن اپنے بڑے بھائی کے رویّے سے ڈرا سہما' اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی موٹی اور بدشکل بھاوج پہلے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

روی نے وہ منظر دیکھا تو اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ دوستوں کے ساتھ گزارے ہوئے پرتعیش وقت کا احساس ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں تہ نشین ہو گیا۔ اس کے دماغ پر صرف بھایا جی اور اس کی بیوی کا تسلط باقی رہ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بھا... بھایا جی! کیا ہوگیا؟ خیریت تو ہے؟" روی نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

جگدیش بڑھتے بڑھتے' اچانک رک کر روی کی طرف پلٹ پڑا۔ روی رکتے رکتے بھی اپنے بڑے بھائی کے روبہ رو جا پہنچا۔

"پوچھتا ہے کیا ہوا؟" جگدیش آنکھیں نکال کر دبی دبی آواز میں غرایا "یہ پوچھ کہ آج کیا نہیں ہوا۔"

روی کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس کی استفسار طلب نگاہیں اپنی بے ڈول بھاوج کے ہراساں چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں خوف' تشویش اور بے یقینی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ روی کے وجود میں اترتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں وہ بے بسی سے نفی میں اپنا سر ہلا کر رہ گئی۔ روی کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی کہ وہ بے چاری اپنے شوہر کی برہمی پر خود پریشان تھی۔ گھر میں پائی جانے والی کشیدگی کا جو بھی سبب تھا' وہ صرف اور صرف بھایا جی کے علم میں تھا۔ وہ روی کے ساتھ جس انداز میں پیش آیا تھا' اس سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ اس گڑبڑ میں کہیں نہ کہیں اور کچھ نہ کچھ ماروتی کا بھی حصہ تھا۔ وہ بھایا جی کی کھوپڑی میں بھرے ہوئے بھس میں چنگاری ڈال کر خود کہیں غائب تھی۔

"بھایا جی! میں ابھی ابھی' تمہارے سامنے باہر سے آیا ہوں۔" روی نے لجاجت بھری آواز میں کہا "مجھے کیسے علم ہوا ہو سکتا ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے... تم بتاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔"

بھایا جی نے غصے میں اس کے سینے پر دو ہتڑ مار کر اسے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا اور دبی دبی' غراتی ہوئی آواز میں بولا "مجھ سے دور رہ کر بات کر۔ تیرے منہ سے شراب کی بو آرہی ہے۔ ہر وقت نشے میں دھت رہتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ تیری بیوی کے کیا کرتوت ہیں؟"

روی کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا اندیشہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ بھایا جی کی زبان پر آخر کار ماروتی کا نام آ ہی گیا۔ اس نے نیم مردہ آواز میں پوچھا "کیا آج پھر ماروتی نے کسی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے؟"

"بدتمیزی!" جگدیش کی آواز غصیلی اور تحقیر آمیز مگر نیچی تھی "تیری جورو نے ہم سب کے منہ کالے کر دیے۔ ہمارے پرکھوں کی ہڈیوں پر پیشاب کر دیا اور تو اس کی بدتمیزی کے بارے میں پوچھ رہا ہے..."

اس بار بھایا جی کے عائد کیے ہوئے الزامات سنگین تھے' اس کے الفاظ ہتک آمیز تھے۔ روی سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کی بات کاٹ کر درمیان میں پوچھا "کچھ بتاؤ گے یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتے رہو گے۔"

"ہماری عزت خاک میں مل گئی' ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" فرط جذبات سے بھایا جی کی آواز رندھنے لگی "میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے' میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں اپنی ذلت اور رسوائی کی کہانی خود دہرا سکوں... لے پڑھ لے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے' جا کر ماروتی سے پوچھ کہ اس میں کوئی بات جھوٹ تو نہیں ہے... اس نے یہ باتیں خود مجھے بتائی ہیں۔ وہ تجھ سے بھی انکار نہیں کرے گی۔ اگر تو موہن رام کا نطفہ ہے' تجھے اپنے بڑوں کی عزت کا ذرا سا بھی پاس ہے تو جا اور جا کر اس گشتی کو گولی مار دے۔"

وہ اندر سے واقعی کھول رہا تھا۔ بولتے ہوئے اس کے دہانے کے گوشے پر ہلکا سا کف آگیا۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر' ایک جھٹکے سے روی کی طرف بڑھا دیا۔

جگدیش کی باتیں مبہم تھیں لیکن ان میں پوشیدہ مفہوم بہت واضح تھا۔ روی نے اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ سے تہ کیا ہوا کاغذ لیا تو خود اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو نہ رکھ سکا۔

اس کاغذ پر جگدیش کی شکستہ تحریر میں ماروتی کے انتقام کی ہوش ربا کہانی نقش تھی۔ اس نے اپنے جیٹھ کی بدزبانی کا عملی انتقام تو اسی وقت لے لیا تھا جب اس نے کرشن کمار کی نشان دہی کے بدلے میں مجھے ایک ہوٹل کے خلوت میں خود سے ملنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس کا وہ انتقام ادھورا تھا۔ جگدیش کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ حسین و جمیل ماروتی' رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے فرار ہو کر کہاں گئی تھی اور کس کو اپنی دریا دلی سے فیض یاب کرنے کے بعد واپس لوٹی تھی۔

اس نے روی کے گھر سے چلے جانے کے بعد انٹر کام پر جگدیش کو وہ سب سنا کر اپنا انتقام مکمل کر لیا تھا۔ جگدیش واقعی انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور ماروتی شاید بے فکری سے اوپر والی منزل پر آرام کر رہی تھی۔

جگدیش کی تحریر میں سب کچھ وہی تھا جو ماروتی کے طے کیے ہوئے منصوبے کے تحت رونما ہوا تھا۔ بس اس میں کسی کا نام نہیں تھا۔ ماروتی نے اپنے بھایا جی سے صرف ایک مسلمان کا ذکر کیا تھا۔

روی کو وہ سب پڑھتے ہوئے' اپنی نگاہوں کے سامنے گھٹتے بڑھتے ہوئے دائرے چکراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ جگدیش نے ماروتی کی سنائی ہوئی کہانی قلم بند کی تھی۔ ماروتی اتنی بگڑی ہوئی نہیں تھی' وہ ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی!

روی نے تحریر پڑھنے کے بعد کاغذ کو پرزوں میں تبدیل

Downloaded from https://paksociety.com

کرنا شروع کردیا۔ اس کی بھاوج نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس وقت تک بھایا جی کی بیوی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے شوہر کے اشتعال کا کیا سبب ہے۔ جگدیش نے جن تعارفی کلمات کے ساتھ 'اپنا لکھا ہوا پرچہ روی کو دیا تھا ان کی بنا پر اس کے دل میں تجسس پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ وہ ایک عورت تھی اور یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کے شوہر نے ماروتی کے بارے میں کیا کچھ لکھا تھا۔

"روی... روی!" وہ فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی "یہ کیا کر رہے ہو... کاغذ مت پھاڑو!"

"بھابی! یہ کاغذ نہیں' گندی گالی ہے جو بھایا جی نے ماروتی کو دی ہے۔" روی کی آواز میں یک لخت تلخی عود کر آئی۔ شاید اس لیے کہ اس بار وہ اپنے آمر بھائی سے نہیں بلکہ اس کی بیوی سے مخاطب تھا۔

"گندی گالی!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لہجے میں تجسس بڑھ گیا۔

"یہ گالی نہیں' سچ اور صرف سچ ہے۔" جگدیش نے درشت مگر دھیمی آواز میں کہا "میری بات کا یقین نہ ہو تو اوپر جا اور اپنی چہیتی سے پوچھ۔ اس بے غیرت نے مزے لے لے کر ساری باتیں مجھے بتائی ہیں۔"

روی نے اپنے پھاڑے ہوئے کاغذ کے پرزے قالین یا فرش پر بکھیرنے کے بجائے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے جواب دیا "میں جب تک ماروتی سے بات نہ کرلوں' میں کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک گھر اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کیسی کیسی کدورتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔"

وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے۔ الزام تراشیاں کررہے تھے اور بحث کررہے تھے مگر ان کی آوازیں دھیمی تھیں۔ تینوں کو احساس تھا کہ معاملہ ان کے گھرانے کی عزت کا تھا۔ بات نکل کر ملازموں کے کانوں میں پڑجاتی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے..... قابل نہ رہتے۔

"روی! تو دو ٹکے کی عورت کے لیے میرے منہ آرہا ہے....." جگدیش کا وہ فقرہ ادھورا رہ گیا۔

روی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی "وہ دو ٹکے کی عورت نہیں' میری بیوی ہے' بھایا جی!"

"میرے منہ نہ لگ۔" جگدیش اپنی مٹھیاں بھینچ کر اور دانت پیس کر نیچی مگر تیز آواز میں بولا "جا کر اس سے پوچھ لے کہ میں نے کتنا جھوٹ لکھا ہے۔ پندرہ منٹ میں تو نے اسے گولی نہ ماری تو پھر وہ ہوگا جو تیرے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔"

"میں بلاوجہ اس کا خون اپنے سر نہیں لوں گا۔" روی کا لہجہ فیصلہ کن ہوگیا "اول تو یہ سب جھوٹ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تب بھی ہری چند کی طرح ماروتی کا انجام اس کا پیچھا کرے گا۔ میں نے پچھلے دن بہت خوف اور دہشت میں گزارے ہیں۔ مجھے آزادی کی زندگی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوچکا ہے۔ میں جذبات کے ریلے میں آکر کوئی غلطی نہیں کروں گا۔"

"مجھے بھی تو کچھ بتاؤ کہ اس چڑیل نے کیا کیا ہے۔" جگدیش کی بیوی نے قریب آکر اپنے شوہر کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے فریاد کی "میں اپنے ہاتھ سے اس کی ناک چوٹی کاٹ لوں گی۔"

"لاگ ہٹ!" جگدیش نے حقارت سے اپنی بیوی کو جھڑک کر دور دھکیل دیا "ماروتی کی باتوں نے عورت ذات پر سے میرا اعتبار تہس نہس کرکے رکھ دیا ہے۔ تو کہیں کی چوہدرانی نہیں ہے....."

"بھایا جی!" روی نے زندگی میں پہلی بار اپنے بھائی کو کڑی نظروں سے گھورا اور خوف ناک لہجے میں کہا "تم نے میرے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ آج اس گھر میں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

"مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" جگدیش نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں تیری طرح بزدل نہیں ہوں۔ گھڑی دیکھ لے' اگر پندرہ منٹ میں اوپر سے گولی چلنے کی آواز نہ آئی تو تو زندگی بھر سر پکڑ کر روئے گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

روی نے خوں خوار نظروں سے بھایا جی کی طرف دیکھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

وہ اوپر پہنچا تو ماروتی حریری لباس پہنے' مسہری پر دراز تھی۔ اس کے غمگین چہرے اور قدرے متورم آنکھوں پر نگاہ پڑتے ہی روی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ اپنے اکلوتے ماموں زاد بھائی کی ناگہانی موت کے صدمے سے نڈھال تھی اور بھایا جی اس پر الزام تراشی کررہے تھے۔

وہ جو کچھ سوچتا ہوا اوپر گیا تھا' وہ سب اس کے ذہن سے نکل گیا۔

ماروتی کوئی اناڑی لڑکی نہیں' ایک جہاں دیدہ عورت تھی۔ روی کی بدحواسی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور وہ پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گئی "کیا بات ہے روی؟ تم کچھ الجھے الجھے اور پریشان نظر آرہے ہو۔"

"کک..... کچھ نہیں..... دراصل بھایا جی کے دماغ پر کچھ سنک سوار ہے۔" ماروتی کی معصومانہ ہمدردی نے روی کو اندر سے بالکل پگھلا کر رکھ دیا۔ اس بوکھلاہٹ میں اسے بھایا جی کے رقعے میں لکھا ہوا بس ایک فقرہ ہی یاد رہ سکا اور اس

Downloaded from https://paksociety.com

نے سنبھل کر ماروتی سے پوچھا "بھایا جی سے مسلمانوں کی چار شادیوں کے بارے میں تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟"

ماروتی کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی۔ مجھے پوری بات یاد نہیں۔ شاید بھایا جی نے کچھ پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ مسلمان چار عورتوں کو خوش رکھ سکتے ہیں اس لیے چار شادیاں کرتے ہیں۔ دنیا کے بہتیرے مرد تو ایک ہی بیوی کا بوجھ ڈھو ڈھو کر گدھے کی طرح ہانپنے لگتے ہیں۔ کیا انہیں میری یہ بات بری لگ گئی؟ میں نے انہیں تو کچھ نہیں کہا تھا۔"

روی اس کے ساتھ ہی مسہری پر بیٹھ گیا اور ناصحانہ لہجے میں بولا "تمہیں معلوم ہے کہ بھایا جی تم سے جلتے ہیں۔۔۔ اپنے اوپر بڑا پن سوار کر کے وہ کچھ جھکی بھی ہو گئے ہیں۔ ان سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ نہ جانے انہیں کب کیا بات بری لگ جائے۔"

"آئندہ میں اور زیادہ احتیاط کروں گی۔" ماروتی نے پیار سے اپنی بانہیں روی کے گلے میں ڈال دیں۔

وہ نچلی منزل پر اپنے بھائی کے سامنے تھا تو اسے وہاں نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ماروتی کے پاس اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ اس کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بھایا جی کے الزامات کے بارے میں ماروتی پر کوئی جرح کر کے اس کے تازہ زخم پر نمک پاشی کرے۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی فطرت سے واقف تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ بک جھک کر خود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

جگدیش کے جارحانہ تیوروں نے روی کے پیٹ میں پڑی ہوئی شراب کے اثرات کو وقتی طور پر معطل کر دیا تھا۔ ماروتی کے پیار نے اسے تحریک دی اور روی نے بھایا جی کو بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

روی کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ اس شام بھایا جی کی انا صرف مجروح نہیں ہوئی تھی' لہولہان ہو کر رہ گئی تھی۔ خاندانی عزت' شرف اور وقار پر اس کا گھمنڈ ٹوٹ گیا تھا۔ ماروتی اس کی لگائی ہوئی ہر چوٹ کو سنار کی چوٹ سمجھ کر ایک مدت سے سہہ رہی تھی۔ موقع ملتے ہی اس نے بھایا جی پر لوہار والی ایک زبردست ضرب لگائی تھی جس نے اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وقت بہت دھیمے دھیمے اور غیر محسوس انداز میں سرکتا رہا۔ روی اپنی ماروتی کے ساتھ ہنستا کھیلتا رہا پھر اچانک زیریں منزل سے گولی چلنے کا ہولناک دھماکا سنائی دیا۔ اسی کے ساتھ ایک کربناک چیخ گونجی۔

وہ اس گھر کے لیے عجیب رات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ روی کی نظریں بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے یاد آیا کہ وہ ٹھیک پندرہ منٹ پہلے اوپر آیا تھا۔

اس کے ذہن میں آندھی کا سا ایک بگولا اٹھا' پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ اس کی نگاہوں میں بھایا جی کا مشتعل چہرہ مجسم ہونے لگا۔ وہ ماروتی کو چھوڑ کر اندھا دھند زینوں کی طرف بھاگا۔

نیچے سے اس کی بھاوج کے بین کی کریہہ آوازوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کئی کئی زینے پھلانگتا ہوا' بدحواسی کے عالم میں نیچے پہنچا تو بھایا جی کی لاش قالین پر چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔

جگدیش کی بیوی جنون کے عالم میں کبھی اپنے آپ کو اور کبھی اپنے شوہر کے بدن کو نوچ رہی تھی اور سینہ پیٹ پیٹ کر روتی اور چیختی جا رہی تھی۔ وہ دل کھول کر روی اور ماروتی کو کوس رہی تھی۔

وہ اوپر گیا تو وہ موٹی اور بھدی عورت بھایا جی کی بیوی تھی۔ پندرہ منٹ بعد نیچے آیا تو وہ بیوہ ہو چکی تھی۔ روی نے اسے نظرانداز کر کے اپنے بھائی کی نبض ٹٹولی' دل کی دھڑکن دیکھی اور مایوس ہو کر اٹھ گیا۔

بھایا جی کی آخری چیخ ایسی بھیانک اور دل دوز تھی کہ گھر میں موجود ہر فرد وہاں پہنچ چکا تھا۔ ان ہی کے درمیان ماروتی بھی تھی جو اپنے چہرے سے سب سے زیادہ سوگوار اور غمگین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے باریک لباس پر ایک بڑی سی چادر اوڑھ لی تھی۔

روی کے نزدیک اس بے چاری کا غم دہرا تھا۔ پچھلی رات وہ اپنے ماموں زاد بھائی کی موت کا صدمہ جھیل چکی تھی اور دن پورا ہونے سے پہلے اس کا جیٹھ اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکا تھا۔ ایک دن میں اپنے دو پیاروں سے محرومی کسی کے لیے بھی جاں گسل ہو سکتی تھی۔

گھر میں گولی چلی تھی اور بھایا جی نے واضح طور پر خودکشی کی تھی۔ روی کی نظروں میں پولیس والوں کی وردیاں اور ہتھکڑیاں گھومنے لگیں۔ اسے خوف تھا کہ واقعے کی تفتیش کے لیے پولیس موہن ہاؤس پہنچے گی تو وہ ضرور کسی نئی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

فرار کا نتیجہ وہ پچھلے چند دنوں میں بھگت چکا تھا۔ پناہ کے لیے اس کے پاس ہمارے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر بہت تیزی سے اوپر گیا اور پھر اس نے ہمارے گھر کا نمبر ملایا۔

وہ اظہریا مظہر سے بات کرنے کا خواہاں تھا مگر وہاں صرف سلطان شاہ تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو کچھ بتانے سے

Downloaded from https://paksociety.com

صاف انکار کردیا۔ سلطان شاہ کی طرف سے پیغام ملنے کے بعد میں نے اس سے رابطہ کیا تو وہ پھٹ پڑا اور رکے بغیر بہت کچھ بتاتا چلا گیا۔ جو رہ گیا تھا' وہ میں نے موہن ہاؤس پہنچنے کے بعد اس کی زبان سے سن لیا۔ وہ مجھ سے لان پر باتیں کرتا رہا۔ اول خان پہنچا تو وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ اوپر والی منزل پر لے گیا۔

روی اس وقت بھی مصر تھا کہ اس کے بھائی کی الزام تراشی کے بارے میں ماروتی سے کوئی بات نہ کی جائے۔

"منظور جی! تم خود گواہ ہو کہ اس روز ماروتی میری معافی کے بارے میں تم سے ملنے اور باتیں طے کرنے کے لیے ہوٹل گئی تھی۔" روی بہت جذباتی انداز میں مجھ سے کہہ رہا تھا "بھایا جی کو سر پیر کا کچھ علم نہیں تھا۔ بس انہوں نے ماروتی پر الزام لگادیا۔"

"تم بتا رہے ہو کہ بھایا جی نے لکھا تھا کہ وہ باتیں ماروتی نے خود اسے انٹرکام پر بتائی تھیں۔" اول خان نے کمزور لہجے میں نشان دہی کی۔ میری فون کال کے نتیجے میں وہ پولیس کی آمد سے پہلے موہن ہاؤس پہنچ چکا تھا۔ میں نے روی کے گھر سے ذرا دور اتر کر غزالہ کو گاڑی سمیت گھر کی طرف روانہ کردیا کیونکہ اس کا غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں آنا مناسب نہیں تھا۔

"میں ماروتی کو یہ سب بتانا بھی شرمناک سمجھتا ہوں۔" روی نے زور دے کر کہا "بھایا جی کو میری اور اس کی شادی پسند نہیں تھی۔ وہ اس سے جلتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں سرحد پار بھاگنے کے بجائے ان کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے دوبارہ گھر میں آگیا ہوں تو انہوں نے مایوس ہوکر ہم دونوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے ایک نیا سوانگ تیار کرلیا۔"

"اپنے سگے بھائی کی موت کو تم سوانگ قرار دے رہے ہو؟" اول خان بے ساختہ بولا۔

"ان کی موت تو ایک اٹل حقیقت ہے۔ سوانگ الزام تراشی کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں اوپر جاکر غصے میں ماروتی کو شوٹ کردوں گا اور پھر اس کے قتل کے الزام میں سولی پر چڑھ جاؤں گا۔ ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ بس' میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھایا جی سٹھیا گئے تھے۔ ان کا آخری حربہ ناکام ہوا تو ان کی عقل ماؤف ہوگئی۔ ہم دونوں سے اپنی جان نہ چھوٹتے دیکھ کر انہوں نے مایوسی میں خود کو مارلیا جو گڑھا وہ میرے لیے کھود رہے تھے' اس میں خود ہی جا گرے۔ اب یہ بات تم ہی پولیس والوں کو سمجھا سکو گے۔"

یہ اندازہ مجھے بھی ہوچکا تھا کہ جگدیش کی خودکشی کا معاملہ پولیس کیس تھا۔ مقامی پولیس کی بے رحمانہ تفتیش سے نمٹنا میرے بس سے باہر تھا کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی شناخت نہیں تھی جس کی بنا پر میں ان کی کسی کارروائی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شعبدہ اول خان یا اس کا کوئی ماتحت دکھا سکتا تھا۔ میں نے وہ سب بھانپتے ہوئے اسے جلد از جلد موہن ہاؤس پہنچنے کے لیے کہا تھا اور وہ میری توقع سے پہلے وہاں آگیا۔

"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم مرتے تو جگدیش مشکوک قرار پاتا۔ اس کی خودکشی کے بعد سب کچھ تمہارا ہوجائے گا اس لیے اب تم پر شبہ کیا جائے گا۔ خطرناک بات یہ ہے کہ تمہاری بھاوج' جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کی بات اچھالے گی۔"

"وہ کچھ نہیں جانتی کہ اس میں کیا لکھا ہوا تھا۔" روی نے جلدی سے وضاحت کی "اظہر جی! میں نے وہ خطرناک کاغذ' پڑھتے ہی پھاڑ ڈالا تھا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے اسے کموڈ میں بہادیا۔ ہم دونوں بھائیوں کی ساری باتیں اشاروں کنایوں میں ہوئی تھیں۔"

"میں نے تمہاری بھاوج کو دیکھا ہے۔" میں نے زبان کھولی "وہ اتنی سیدھی نہیں ہے کہ عزت اور موت کے حوالوں کے باوجود بات نہ سمجھی ہو۔"

"نہیں' نہیں... مظہر بھائی! اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا آدمی حرام موت مرا ہے۔ وہ کسی نہ کسی پر تو الزام ڈالے گی۔ وہ جو کچھ بکتی ہے' بکتی رہے۔ ثبوت کہاں سے لائے گی؟ تم کہو تو میں کاغذ سے ہی مکر جاؤں گا۔ کیسا کاغذ؟ کہاں کا کاغذ؟ اس کے پرزے میری جیب میں ہیں۔ وہ میں ابھی چولھے پہ ڈال کر ذرا سی دیر میں جلائے دیتا ہوں۔"

وہ اپنی مدافعت کے لیے سب کچھ کرگزرنے پر تلا ہوا تھا۔

"اگر ماروتی کے منہ سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی تو کیا بنے گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ بے چاری تو اپنے کمرے میں لیٹی' ہری چند کو رو رہی تھی۔" روی نے اپنی بیوی کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ نیچے کیا ہو رہا تھا۔ وہ کوئی غلط بات کہہ ہی نہیں سکتی۔ ہم ایک گھر میں اوپر نیچے رہتے ہیں۔ دن بھر میں بیسیوں دفعہ انٹرکام پر بات ہوتی ہے۔ بولنے اور سننے والے کے سوا تیسرے کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ جب کہ تم دونوں میرے ساتھ ہو' میری بھاوج کی باتوں پر کوئی کان نہیں دھرے گا۔"

"ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔" اول خان نے نرمی سے کہا "لیکن یہ ساتھ ہر جگہ کام نہیں آسکتا۔ ہم نے جس معاملے میں تمہارے پورے تحفظ کا یقین دلایا تھا' اس بارے میں کوئی تمہیں ملوث نہیں کرے گا۔ تمہارے منے اور گھریلو

Downloaded from https://paksociety.com

مسائل اس یقین دہانی میں شامل نہیں تھے۔"

"اوہ' اظہر جی! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟" روی نے فوراً ہی اعتراض جڑ دیا۔ "میں نے تمہیں کرشن کمار کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہاں ماروتی کا وعدہ پورا ہو گیا اور میں آزاد ہو گیا پھر بھی میں نے ہری چند کو پکڑوانے میں تمہارا پورا پورا ساتھ دیا۔ تم کو بھی میرا ساتھ دینا چاہیے۔ آڑے وقت میں مجھے یوں اکیلا نہ چھوڑو۔ حیدر آباد سے واپسی کے سفر میں' میں دیکھ چکا ہوں کہ پولیس والے تمہارا کیسا لحاظ کرتے ہیں۔"

اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے جواب دیا "ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑ رہے۔ اب بھی تمہارا ساتھ دیں گے لیکن کہیں نہ کہیں ہمیں بھی کوئی مجبوری پیش آ سکتی ہے۔"

"مطلب یہ ہے کہ اب یہ دیکھ لو کہ میرے گھر میں جو کچھ ہوا' وہ میری وجہ سے نہیں ہوا۔" روی نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا "بھایا جی کو ماروتی پر الزام تراشی کا موقع یوں ملا کہ وہ تم سے ملنے گئی تھی۔ نہ جاتی تو کچھ بھی نہ ہوا ہوتا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ بھایا جی اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں جا گرا۔" مجھے خاموش پا کر اول خان نے بات جاری رکھی "اس نے خود کشی نہ کی ہوتی تو وہ کہیں نہ کہیں تمہیں پھنسوا دیتا۔ اس دشمنی کا ماروتی کے جانے یا نہ جانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

اس دوران میں میری توجہ کسی اور طرف مبذول ہو چکی تھی۔ گھر کے نچلے حصے میں کہرام برپا تھا۔ سب لوگ اوپر والی منزل کو بھولے ہوئے تھے مگر میری چھٹی حس نے اچانک ہی مجھے خبردار کیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کوئی کمرے کے باہر چھپ کر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

میرا وہ احساس چند ہی لمحوں میں اس قدر توانا ہو گیا کہ میں اول خان کی بات مکمل ہوتے ہی' اپنی جگہ چھوڑے بغیر' اس نادیدہ شخص کو للکار بیٹھا "باہر کون ہے؟ سامنے آؤ۔"

میری کرخت آواز پر وہ دونوں بھی بھڑک اٹھے اور اسی لمحے فرش پر کسی کے ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک سنائی دی۔

میرا شبہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' میری آواز سنتے ہی بھاگ نکلا تھا۔

ہم تینوں نے بہ یک وقت دروازے کی طرف چھلانگیں لگائیں مگر ہمیں تاخیر ہو چکی تھی۔ ننگے پاؤں بھاگنے والا ہم سب کی توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا اور چشم زدن میں کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اس منزل کے کسی دور افتادہ حصے میں ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک بس مزید ایک لمحے کے لیے برقرار رہی اور پھر یکایک معدوم ہو گئی۔

ہم دونوں مکان کی ساخت سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے پیشوائی روی کے ذمے آ گئی تھی۔ اس نے مکان کے ایک مخصوص حصے کی طرف دوڑ لگائی اور ہم اس کے پیچھے ہو لیے۔ آگے وہ راستہ مسدود ہو گیا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ واقعہ اس قدر انوکھا اور سنسنی خیز تھا کہ ہم تینوں پریشان ہو گئے۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اس نے ہمارے درمیان ہونے والی بہت اہم باتیں سن لی تھیں۔

ہم تینوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر پورا فلور چھان مارا مگر کہیں کوئی ذی روح نہیں مل سکا۔

یہ بات یقینی تھی کہ بھاگنے والے نے زینوں کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ مکان کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا اور وہاں واقع اسٹور کی کھلی ہوئی دو کھڑکیوں میں سے کسی کے ذریعے نیچے پر کود کر نیچے پہنچ گیا تھا۔

مجھے اور اول خان کو وقت کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔ فرار ہونے والا نامعلوم شخص نیچے موجود سوگواروں کی بھیڑ میں مل کر بھی فوری طور پر اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ ہم دونوں تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔ اس بار روی ہمارے پیچھے تھا مگر وہ زینے ختم ہونے سے پہلے ہم سے آ ملا۔

"نیچے اسے کیسے تلاش کرو گے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا سانس چڑھا ہوا ہو گا۔ میری آواز پر وہ پوری رفتار سے بھاگا تھا۔" میں نے کہا۔

"حیرت ہے کہ کسی آہٹ کے بغیر تمہیں شبہ ہو گیا... میں دیکھتا ہوں۔" روی بڑبڑایا اور آگے بڑھ گیا۔

جگدیش کے لواحقین اور ملازم ڈرائنگ روم میں اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ روی ان کا جائزہ لے کر ناکام لوٹ آیا مگر اس بار وہ عجلت میں تھا۔ اس نے بہت بے تابی سے نچلی منزل کا جائزہ لیا۔ دو تین ملازموں سے پوچھ گچھ کی پھر شکست خوردہ انداز میں واپس آ گیا۔ "شیام غائب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ یہیں موجود تھا۔ میں نے اوپر جاتے ہوئے خود اسے دیکھا تھا۔"

"وہ موجود تھا تو اب کہاں گیا؟" اول خان نے زینوں کا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب باتھ روم کھلے ہوئے ہیں۔ رامو بتا رہا ہے کہ وہ اگلے حصے سے باہر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کہاں مرا ہوا ہے۔" روی اس واقعے سے خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

"ماروتی نے رات گئے گھر سے نکلنے کے لیے ایک نیا راستہ دریافت کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا "ہو سکتا ہے کہ شیام نے بھی بھاگنے کے لیے وہی راہ اختیار کی ہو۔ اس میں

Downloaded from https://paksociety.com

اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ للکارے جانے کے بعد گھر میں رکا رہتا۔"

اس بار ہم تینوں اوپری منزل کی لابی میں رک گئے۔ جہاں کسی کے چھپنے یا سن گن لینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مگر ہماری وہ احتیاط بعد از وقت اور قطعی بے سود تھی۔ ہمارا مجرم اپنا کام پورا کر کے فرار ہو چکا تھا۔

"اسے کرشن کمار نے بھیجا تھا۔" روی خود کلامی کے انداز میں بولا "صورت سے بہت مسکین اور ضرورت مند نظر آتا تھا مگر پکا نمک حرام نکلا۔ ہر ملازم بتا رہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے نیچے منڈلا رہا تھا۔ اب غائب ہے۔"

روی کے انکشاف پر ہم دونوں چونک پڑے۔ کرشن کمار جہنم واصل ہو چکا تھا مگر اس کا آسیب ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ شیام اس کا بھیجا ہوا آدمی تھا تو یقیناً اسی کا مخبر تھا جسے کرشن کمار نے جگدیش اور روی کی گھریلو سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے' ملازم کے روپ میں وہاں بھیجا تھا۔ وہ خود کراچی سے بہت دور' تھر کے ریگستانی علاقوں میں رہتا تھا۔ امکان یہ تھا کہ شیام اپنی اطلاعات کسی مقامی شخص کو پہنچاتا رہا ہوگا جو چیدہ چیدہ نکات کرشن کمار تک بڑھا دیتا ہوگا۔

اس وقت تک ایسا کوئی درمیانی شخص ہماری نظروں میں نہیں آیا تھا۔ وہ جہاں بھی تھا' بالکل محفوظ اور شیام کے ساتھ اس کا خفیہ رابطہ بدستور استوار تھا۔ جگدیش کی خودکشی کے بعد شیام نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا' وہ اس نامعلوم شخص کے علم میں آنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

دیکھے بھالے اور پہچانے ہوئے دشمن سے کوئی بھی سنگین نقصان نہیں اٹھاتا۔ پہلے سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دشمن کس کمزور پہلو پر وار کرے گا۔ اس سے دفاع میں خاصی مدد مل جاتی ہے لیکن ان دیکھے دشمن کا وار ہمیشہ خطرناک اور کاری ہوتا ہے۔

اس وقت نیچے سے خبر ملی کہ پولیس پارٹی موہن ہاؤس کا پھاٹک کھلوا کر اندر آ چکی ہے۔

"تم میری گاڑی لے کر نکل جاؤ۔" اول خان نے روی کو نیچے بھیج کر مجھے مشورہ دیا "یہاں مجھے اچھے آثار نظر نہیں آ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیام کے علاوہ بھی کوئی ملازم کسی کا زر خرید ہو۔ تمہارا زیادہ دیر تک یہاں رہنا مخدوش ہو سکتا ہے۔"

میں نے اس سے بحث نہیں کی اور سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکے تو پولیس پارٹی کو شیام کی راہ پر ڈال دینا۔"

"یہی کرنا ہوگا۔ اب تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی سے الجھے بغیر باہر نکلتے چلے جاؤ۔ مجھے یہاں کسی نئی سازش کی بو آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روی اپنی بیوی کو چارہ بنا کر تمہیں شکار کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو۔" اول خان یکایک بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔

اس کا آخری اندیشہ بعید از امکان تھا مگر میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

باوردی سپاہیوں اور افسروں کی بھاری نفری گھر میں داخل ہو کر' ہر شخص کو جگدیش کی لاش سے دور ہٹا چکی تھی۔ اس وقت لاش ان ہی لوگوں کے گھیرے میں تھی۔ انسپکٹر کے عہدے کا ایک افسر بہت غور سے لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک سب انسپکٹر گمبھیر تیوروں کے ساتھ روی سے بات کر رہا تھا۔ صوفے پر سرکاری فوٹو گرافر اپنے بیگ سے کیمرا اور اس کے لوازم نکال کر تاروں کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پیشہ ور فوٹو گرافر تھا اور محکمے سے صرف تصویر کشی کا معاوضہ لیتا تھا مگر پھر بھی اس کا کیمرا تیار نہیں تھا۔

اول خان نے انسپکٹر کو مخاطب کر کے نیچی آواز میں کوئی بات کی۔ وہ لاش کے قریب قالین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اول خان کی بات سنتے ہی وہ تیزی سے اٹھا اور اس سے ہاتھ ملانے لگا۔ اول خان نے اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے مجھے اشارہ کیا اور میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ انسپکٹر کی ہدایت پر اس کا ایک ماتحت میرے پیچھے آیا تھا تاکہ باہر پہرے پر مامور عملے کو میری طرف سے چشم پوشی کا حکم دے سکے۔

میں موہن ہاؤس سے نکلا اور اول خان کی گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

روی موہن کے تازہ ترین مسئلے کی اہم تفصیلات مجھ سے پہلے گھر تک پہنچ چکی تھی۔ وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر پیش آیا تھا کہ غزالہ اپنے ہیجان پر قابو نہیں پا سکی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا' وہ اس نے ویرا اور سلطان شاہ کے سامنے اگل دیا۔

میں گھر پہنچا تو وہ تینوں باہمی تبادلہ خیال سے تھک ہار کر میرے منتظر تھے۔

میں نے راستے میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ماروتی کے بارے میں جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کا ذکر بالکل گول کر دیا جائے۔ اس کے مندرجات کی بنا پر میری اور ماروتی کی ملاقات ایک مرتبہ پھر موضوع سخن بن جاتی۔ یہ نکتہ میرے حق میں تھا کہ روی موہن نے بھی اپنا دامن صاف رکھنے کے لیے بھایا جی کی اس تحریر کو اپنے بیان سے حذف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جگدیش نے خودکشی کرنے کے لیے بہت ناموزوں وقت کا انتخاب کیا۔" میرے گھر پہنچتے ہی ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"جرائم چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں مگر یہ حقیقت حیران کن ہے کہ دن دیہاڑے ہونے والے جرائم کی شرح ہمیشہ سے کم رہی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات پر سنجیدگی سے گرہ لگائی۔ "دنیا بھر میں جرائم..... سورج ڈھلنے کے بعد یا رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ اگر جگدیش موہن نے خود کشی کے لیے رات کا وقت منتخب کیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہیں وقت کی موزونیت پر کیا اعتراض ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر ویرا سے پوچھا۔

"اسے افسوس ہے کہ ہم دونوں سلمٰی کے تیار کیے ہوئے لذیذ کھانوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکے۔ ویرا کے بولنے سے پہلے غزالہ نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کھانا شروع ہوتے ہی ہمیں وہاں سے عجلت میں نکلنا پڑا۔"

"سلمٰی نے تمہارے لیے ضرور بہت اہتمام کیا ہوگا۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی "تمہاری دل جوئی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔"

"خرافات کو چھوڑو!" سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔ اور مجھ سے پوچھا "جگدیش کو خود کشی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"میں سر کھپا کر لوٹ آیا۔ اب پولیس والے یہی دریافت کرنے کی کوششیں کررہے ہوں گے۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا "بظاہر وہ کسی گھریلو تنازعے کا سنگین انجام نظر آتا ہے۔ وہ روی اور ماروتی کے کرتوتوں سے خوش نہیں تھا۔"

"اسے خوش ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔" ویرا نے برجستہ کہا "رات کے دو بجے گھر کی دیواریں پھاند کر بھاگنے والی عورت کو کوئی شریف آدمی خوشی سے برداشت نہیں کرسکتا۔ نہ معلوم اس نے روی کو کتنے آنسوؤں کا گوشت کھلایا ہوا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی بے راہ روی کی طرف سے اپنی آنکھیں بالکل بند کی ہوئی ہیں۔ ماروتی کسی عزت دار گھرانے کی بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔"

"تم دونوں یہاں سے ہوا خوری کے ارادے سے گئے تھے۔" سلطان شاہ کو اچانک خیال آگیا "پھر تم جہانگیر کے گھر کیسے پہنچ گئے؟"

"بس' ساحل کی طرف جاتے جاتے' راستے میں رک گئے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "انہیں کچھ ڈالر بھی لینے تھے۔"

"ڈالر لینے کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن پر سفر سوار ہورہا ہے!" ویرا نے سر کو جنبش دیتے ہوئے رائے زنی کی۔

"سفر ناگزیر ہوچکا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "کرشن کمار بار بار جاکے لیکچرار کا خفیہ نیٹ ورک اب بھی کام کررہا ہے۔ یہاں ایک ایک کی تلاش اور سرکوبی کے بجائے ہمیں نئی دہلی میں کام کرنا پڑے گا۔"

"اس کا خفیہ نیٹ ورک تمہیں کہاں نظر آگیا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

میں نے موہن ہاؤس میں پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ انہیں سنادیا۔ غزالہ بھی میرے اس تجربے سے لاعلم تھی۔ تینوں کے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہوئی کہ موہن ہاؤس میں کرشن کمار کا کوئی مخبر موجود تھا۔ ان کے لیے جگدیش کی خود کشی میں زیادہ دلچسپی کی گنجائش نہیں تھی لیکن شیام کا قصہ سامنے آتے ہی گفتگو میں دلچسپی کا ایک نیا عنصر پیدا ہوگیا۔

وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں شیام کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر تھی کہ اس نے چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی تھی اور پھر پکڑے جانے کے خوف سے موہن ہاؤس سے ہی فرار ہوگیا تھا۔ یہ عام گھریلو ملازمین کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ بظاہر سر جھکا کر اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن فطری تجسس کے تحت اپنے مالکان کی نجی گفتگو پر کان لگائے رہتے ہیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہوکر فرصت سے بیٹھتے ہیں تو گھروں میں ہونے والی باہمی نوک جھوک اور فقرے بازیوں کو دہرا کر اپنی اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ شیام کی حرکت اس زمرے سے خارج تھی۔ اس نے روا روی میں سن گن لینے کے بجائے سازشی انداز میں باتیں سننے کی کوشش کی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس سازش میں کون اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔

کرشن کمار نے اسے موہن ہاؤس میں ملازمت ضرور دلوائی تھی اور شاید اسے مخبری کی براہِ راست ہدایت بھی دی ہو لیکن کرشن کمار کے لیے براہِ راست شیام سے رابطہ برقرار رکھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ شیام یقینی طور پر کسی اور سے رابطے میں تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کرشن کمار کی موت سے بے خبر رہا ہو۔ اس کے بارے میں اخبارات میں اتنا کچھ چھاپا گیا تھا کہ اس کی بازگشت ان پڑھ لوگوں میں بھی پہنچنی چاہیے تھی۔ اس کے مرجانے کے بعد شیام کی مجرمانہ سرگرمیوں کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا۔ وہ موہن ہاؤس میں اپنے کام پر مستعد تھا مگر سوال وہی تھا کہ وہ کس کے لیے کام کررہا تھا۔

کرشن کمار کی سرکوبی کی مہم پر کام کرتے ہوئے ہمارے سامنے دو این جی اوز کے نام آئے تھے۔ فریڈم انٹرنیشنل امریکا کی رسوائے زمانہ فورڈ فاؤنڈیشن کی پروردہ غیر سرکاری تنظیم تھی۔ مراد ظریف کی صحرا نامی تنظیم مقبول چوہدری کی [illegible] تھی۔ میں نے اپنے جوابوں سمیت انجام کو پہنچ چکے

Downloaded From https://paksociety.com

تھے۔ ان کے سوا کوئی بھی بھارتی سفارتی اہل کار ہمیں اس محاذ پر سرگرم نظر نہیں آیا تھا۔

اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں میجر بخشی کا نام میرے سامنے تھا۔ میں خود ہری چند کے نام سے دو مرتبہ اس سے فون پر بات کر چکا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ میجر بخشی کو کرشن کمار اور اس کے مشن کے بارے میں بنیادی تفصیلات کا پوری طرح علم تھا' اس کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں لیکن وہ عملی طور پر ان کے مشن میں شامل نہیں تھا۔

میجر بخشی سے ہونے والی آخری گفتگو اس اعتبار سے اہم تھی کہ اس نے مجھے ہری چند سمجھتے ہوئے' سرحد پار فرار ہو جانے کا مشورہ دیا تھا۔ را اور اس کے مفادات سے ہمدردی رکھنے والوں کی ہلاکتوں میں تسلسل پیدا ہو جانے کے بعد میجر بخشی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پاکستان میں ان لوگوں کے لیے حالات مخدوش ہو چکے تھے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ وہ لوگ عارضی طور پر اپنی سرگرمیاں موقوف کر کے سرحد پار کر جائیں تاکہ ان کی جانیں محفوظ رہ سکیں۔ حالات بہتر ہو جانے پر وہ دوبارہ پاکستان آکر اپنی کارروائیوں کا آغاز کر سکتے تھے۔

وہ میجر بخشی کا مشورہ تھا۔ وہ کوئی ہدایت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لے دے کر بس اسی کا نام میرے ذہن میں چکراتا رہا۔ اپنی سرکاری حیثیت میں وہ اتنا باخبر ضرور تھا کہ میری زبان سے اٹل بسواس کا نام سنتے ہی چونک پڑا تھا۔ نادانستگی میں اس نے یہ اگل دیا تھا کہ اٹل بسواس ایک بڑے عہدے پر فائز تھا۔ میجر بخشی کو اس کے بارے میں میرا لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

ایک طرف مجھے اس سے کوئی سراغ ملنے کی امید نہیں تھی' دوسری طرف میں اس سے مزید ایک اور رابطے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ روک رہا تھا کہ اس وقت تک ہری چند کی موت کا راز فاش ہو چکا ہوگا۔

کراچی کے کسی حصے میں پائی جانے والی ہری چند کی لاش کی حالت سے پہلی ہی نظر میں یہ نشان دہی ہو سکتی تھی کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوا ہوگا۔ لاش ملنے کے چند گھنٹوں بعد ہی یہ معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ وہی قومی شاہراہ کے حادثے کا گم شدہ زخمی تھا جسے کسی لاوارث کی طرح پھینک دیا گیا تھا۔

"ہم مسلسل بول رہے ہیں اور تم اداس بیٹھے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"شیام کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں اسے للکارنے کی غلطی نہ کرتا تو وہ کسی دبکے ہوئے چوہے کی طرح ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ اب کہاں گیا ہوگا!"

"ایک مرتبہ پھر میجر بخشی کی دم مروڑو۔ وہ کچھ نہ کچھ اگل دے گا۔" ویرا نے خلوص سے مشورہ دیا۔

"اب تک ہری چند کی موت کا راز کھل چکا ہوگا۔ وہ بہت کایاں آدمی ہے۔ میں نے کسی اور نام سے اسے فون کیا تو وہ اپنے خول سے ذرا بھی باہر نہیں آئے گا۔ اسے چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا....."

"بخشی ویسے بھی کرشن کمار کے نیٹ ورک میں شامل نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"وہ نیٹ میں ہو یا نہ ہو' ایک ذمے دار افسر ضرور ہے۔ خاموشی سے ان سب کی سرگرمیاں مانیٹر کرتا رہتا ہوگا۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی "ایسا نہ ہوتا تو وہ کرشن کمار کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہو سکتا تھا۔"

"سب سے الگ تھلگ رہ کر وہ ان کی سرگرمیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا۔" غزالہ بولی۔

"یہ جدید مواصلاتی سہولتوں کا دور ہے۔" ویرا نے استہزائیہ انداز میں کہا "فون اور موبائل سے زیادہ وائرلیس اپریٹس استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ہر وقت اور ہر جگہ رابطے کی سہولت کی فراہمی ناگزیر ہوتی ہے۔ بخشی ایک آپریٹس آن رکھ کر ان کی زیادہ تر باتیں سننے کی پوزیشن میں ہے۔ ان کے مذاکرات میں دخل انداز ہوئے بغیر وہ پل پل کی خبر رکھ سکتا ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں اس پہلو کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ اگر شیام' را کا کوئی تجربے کار ایجنٹ تھا تو وہ ایک حساس مگر ننھے سے لاسلکی آلے کے ذریعے کسی کو بھی اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس کا کراچی ہی میں کسی سے رابطہ ہو۔

"پھر بھی میں اسے چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد فیصلہ کن لہجے میں کہا "شیام بہت کچھ سن لینے کے بعد فرار ہوا تھا۔ اگر وہ لوگ کرشن کمار کی موت کے بعد بھی فعال ہیں تو شیام کے فرار کا نتیجہ کہیں نہ کہیں سامنے ضرور آئے گا۔"

"تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ نتیجہ زیادہ خوش گوار نہیں ہوگا۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"سب سے پہلے روی کی شامت آئے گی۔" میرے دل میں جنم لینے والا اندیشہ سلطان شاہ کی زبان پر آگیا "تم بتا چکے ہو کہ گفتگو کے آخری موڑ پر وہ کرشن کمار اور ہری چند کے انجام کے بارے میں اپنی خدمات گنوا رہا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے اقرار کیا "شیام نے گفتگو کا وہ آخری حصہ ضرور سنا ہوگا۔ اب روی کو محتاط رہنا پڑے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ہم دونوں جہانگیر کے گھر سے خالی پیٹ لوٹے تھے۔ غزالہ نے کھانا لگایا۔ ویرا اور سلطان شاہ پہلے ہی اپنی شکم سیری کر چکے تھے۔ ہمارا ساتھ دینے کے لیے میز پر آبیٹھے۔ آپس کی باتیں ایک دائرے میں گھومتی رہیں۔ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کہ شیام کہاں گیا ہوگا۔

اول خان رات بارہ بجے کے بعد ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا۔ وہ خاصا تھکا ہوا تھا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ اگر اس کی گاڑی میرے پاس نہ ہوتی تو شاید وہ موہن ہاؤس کے معاملات نمٹانے کے بعد سیدھا اپنے گھر روانہ ہوگیا ہوتا۔ روی نے اسے اپنی گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش کی تھی جسے اول خان نے نرمی سے مسترد کردیا۔ وہ ہمارے فون نمبر سے پہلے ہی واقف تھا' اول خان اسے گھر دیکھا کر مزید کوئی انجھن مول لینے پر آمادہ نہیں تھا۔

موہن ہاؤس پہنچنے والی پولیس پارٹی کا سربراہ سمجھ دار اور نرم خو آدمی تھا۔ اول خان کو اسے یہ سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ جگدیش کی خود کشی ایک خالص گھریلو معاملہ تھا اور وہ گھرانا اپنی بعض مذموم سرگرمیوں کی وجہ سے اسپیشل ٹاسک فورس کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس کو زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔

جگدیش نے جن حالات میں خود کشی کی تھی ان کی بنا پر ماروتی اور جگدیش کی بیوہ کے درمیان خاصی تلخی تھی جو ایک مرحلے پر ہاتھا پائی تک پہنچ گئی مگر روی نے خاصی بردباری سے کام لیا۔ پولیس افسر رسمی کارروائی اور خانہ پری کے بعد آسانی سے اس پر آمادہ ہوگیا کہ مرنے والے کے پس ماندگان کی خواہش پر لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے۔

پولیس پارٹی کو گھر سے رخصت کرنے کے بعد اول خان روانہ ہوا تھا۔ روی اس کی مدد کے لیے تہ دل سے اس کا ممنون تھا۔

اول خان کو بھی شیام کے نکل جانے کا قلق تھا۔ اس نے انسپکٹر کے ساتھ دوسرے ملازمین سے خاصی بازپرس کی تھی جس کے نتائج میں اس سے زیادہ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اوپر والی منزل کے ایک حصے سے شیام کی چپلیں مل گئی تھیں لیکن اس کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ افراد خانہ اور ملازمین' شیام کی کسی غیر معمولی حرکت پر روشنی نہیں ڈال سکے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ وہ اپنے مالکوں اور ساتھیوں کے لیے ہمیشہ نہایت ہمدردانہ اور فرماں بردار ثابت ہوا تھا۔ اس کے اچانک غائب ہوجانے پر سب حیران تھے۔

اول خان زیادہ دیر تک رکنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن جب اسے شیام کے بارے میں ہمارے قائم کیے ہوئے نظریات کا علم ہوا تو اس نے پر یقین لہجے میں کہا "تم یہ سب باتیں کرتے ہوئے ہری چند کے اقبالی بیان کو بھول رہے ہو۔ اس نے صاف اور واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اندرون سندھ کرشن کمار کا اپنا کوئی گروہ نہیں تھا۔ وہ اپنا ہر کام مراد ظریف کی 'صحرا نامی این جی او سے لیتا تھا۔ یہ سب کے تجربے کی بات ہے کہ کرشن کمار ہر قیمت پر مراد ظریف کو آزاد کرانے کے لیے بلبلایا ہوا تھا اور وہ اپنی اسی کوشش میں کیفرِ کردار تک پہنچا تھا۔"

اول خان نے ہری چند کے کہے ہوئے الفاظ دہرا کر پورا منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ اس بیان کی روشنی میں شیام کی روپوشی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ بننے کے بجائے ایک مدافعانہ اقدام میں بدل کر رہ گئی تھی۔

"پھر بھی اس کا تلاش کیا جانا ضروری ہے۔ کرشن کمار کا ہمدرد ہمارا دوست نہیں ہوسکتا۔" میں کہا۔

"اس سے مجھے ذرا بھی اختلاف نہیں۔ اسے زندہ نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اول خان بولا۔

"جاتے ہوئے اپنے دونوں تحفوں کو واپس لیتے جانا۔" اول خان کو واپسی کے لیے پر تولتے دیکھ کر ویرا نے ہانک لگائی۔

"تحفے؟" اول خان نے حیرت سے دہرایا "میں نے تمہیں تحفے کب دیے تھے؟"

"میں ان دونوں کی بات کر رہی ہوں جو چھت پر مقیم ہیں۔ وہ اپنی زبان سے پانی تک نہیں مانگتے۔ ہر وقت ان کی ضروریات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔" ویرا نے اپنے مذاق کی وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا "کسی بھی وقت ذہن چوک گیا تو وہ بھوکے پیاسے رہ جائیں گے۔ ویسے بھی اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ مائیکرو سینٹر کی تباہی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ امریکی ہمارے اس ٹھکانے سے بے خبر ہیں۔"

اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں "آج رات انہیں رہنے دو۔ کل میں انہیں واپس بلالوں گا۔"

"ان کی واپسی کی تجویز میری نہیں' ویرا کی تھی۔ میرے لیے ان کی موجودگی اطمینان کا باعث ہے۔" میں نے دل کی بات کہہ دی۔

"بس تو پھر وہ یہیں ٹھیک ہیں۔ ان کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اول خان واپس چلا گیا۔ رات گہری ہوچکی تھی۔ میں ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا۔ غزالہ میرا موڈ سمجھتی تھی۔ اس نے خاموشی سے


Downloaded from https://paksociety.com

میری تقلید کی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔

شب خوابی کے لباسوں میں بستر پر دراز ہو کر ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر میری آنکھ لگ گئی۔

رات کے گہرے سناٹے میں کھٹاک کی ایک غیر معمولی آہنی آواز پر میری آنکھ کھل گئی اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اتر گیا۔ میرے حواس پر نیند پوری طرح غالب تھی۔ کوئی بات واضح طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکی مگر مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ میری آنکھ بلا سبب نہیں کھلی تھی۔ مجھے بستر سے اترے لمحہ بھر ہی گزرا تھا کہ پھر وہی آواز سنائی دی۔ اس بار مجھے باہر کی پرسکوت فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی دور ہوتی ہوئی آواز بھی آئی۔

اس مرتبہ مجھ سے اندازے کی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کھٹکے کی وہ آواز بے آواز رائفل سے ہونے والے فائر کا منطقی نتیجہ تھی۔

ہمیں اس نئے گھر میں آباد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں یکے بعد دیگر چند ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کی نگاہوں میں آگئے تھے۔ کرشن کمار کے براہ راست حملے اور پھر اس کے بھیجے ہوئے بھیلوں سے تصادم کے نتائج ایسے نہیں تھے جنہیں کسی گنجان آبادی میں معمول قرار دے کر نظر انداز کیا جا سکے۔ اس وجہ سے اول خان نے اپنے آدمیوں کو ایسی رائفلوں کے ساتھ بھیجا تھا جن کی نالوں پر سائلنسر چڑھے ہوئے تھے۔ سائلنسر دھماکے کا شور جذب کر لیتے ہیں مگر مشینی کھٹکے کی کرخت آواز کو تحلیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ دونوں آوازیں یقینی طور پر بے آواز رائفلوں کے فائر کی تھیں۔ دونوں فائروں کے درمیان بہت قلیل سا وقفہ تھا۔

میں مضطرب ہو کر خواب گاہ سے باہر نکل آیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ چھت پر کھلی فضا تھی مگر اس میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا کے ٹھہراؤ کی وجہ سے بو جھل بارودی دھواں بہت دھیرے دھیرے تحلیل ہو رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی اپنی رائفلیں سنبھالے دیوار کی اوٹ میں جھکے ہوئے تھے۔ ان کی عقابی نظریں باہر کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

میری آہٹ پا کر وہ دونوں چونکے' انہوں نے مجھے سلام کیا پھر ایک شخص میرے قریب آیا۔ "سوری سر!" اس نے دھیمی اور معذرت خواہانہ آواز میں کہا "ابھی ایک مشتبہ گاڑی کی رفتار کم ہوئی تھی۔ ہمیں دو فائر کرنا پڑے۔ ہم نے آدمیوں کے بجائے کار کی باڈی کو نشانہ بنایا تھا۔"

"کیا وہ گاڑی ہماری گھر کے سامنے رکتی نظر آرہی تھی؟" میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یس سر! آثار کچھ ایسے ہی تھے۔ اسٹریٹ لیمپس کی دھندلائی روشنی میں' اس میں دو مسافر نظر آئے تھے۔

"کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ اس گاڑی کے رکنے کا انتظار کر لیا جاتا...؟ ہمیں علم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کون ہیں اور کس ارادے سے اس طرف آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بے ضرر شہری ہوں اور گاڑی میں کسی خرابی کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر وہ بھاگ گئے۔ اب ہمیں علم نہیں ہے کہ حقیقت کیا تھی۔" میں نے کسی ترشی کے بغیر سنجیدگی سے کہا۔

"گاڑی کی بریک لائٹس جلی تھیں۔" اس نے کسی ندامت کے بغیر جواب دیا "وہ یہاں رکنے کی دانستہ کوشش کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے سب سے پہلے یہی بات نوٹ کی تھی۔ گاڑی خراب ہوئی ہوتی تو وہ رکنے پر مجبور ہو جاتے' بھاگنے والی حرکت نہ کرتے۔"

ان دونوں نے گھبراہٹ میں غیر ارادی طور پر رائفلیں نہیں چلائی تھیں' سوچ سمجھ کر ایک قدم اٹھایا تھا مگر میں ان کے خیال سے متفق نہیں تھا۔ انہیں کچھ توقف کر کے یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آنے والوں کے کیا عزائم تھے۔"

"فائر کر کے انہیں بھگانے کے بجائے پکڑنے کی کوشش کی جاتی تو تمہیں زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔"

"نہیں۔" اپنی کارروائی کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف تھا "ہمیں چیف کی طرف سے ریڈ الرٹ کا حکم ملا ہوا ہے۔ مقابلے کا خطرہ مول لینے کے بجائے ہمیں ہر مشتبہ آدمی اور گاڑی کو آپ کے گھر سے دور رکھنا ہے۔ کوئی رینگتی ہوئی کار سے گھر پر دستی بم بھی پھینک سکتا ہے۔ ہمارے لیے کسی کی گرفتاری سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ آپ لوگوں اور آپ کے گھر کو ہر خطرے سے بچایا جائے۔"

"اوہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ چیف نے تمہیں ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں۔" مجھے اس کا پیش کیا ہوا جواز تسلیم کرنا پڑا "چیف کے حکم کی روشنی میں تمہارا فیصلہ بالکل درست اور برموقع تھا۔"

"شکریہ سر۔" اس نے مشینی لہجے میں کہا "ہم نے وہ گاڑی پہچان لی ہے۔ وہ لوگ دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم براہِ راست گاڑی پر فائر کریں گے اور انہیں زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لیں گے۔ آپ لوگ بالکل بے فکر ہو کر آرام کریں۔"

میرا چھت پر رکنا بے سود تھا۔ میری موجودگی کی وجہ سے دیکھ بھال کا بوجھ ایک آدمی پر آگیا تھا۔ دوسرا مجھ سے باتوں میں مصروف تھا اور مجھے نظر انداز کر کے اپنے کام پر دھیان نہیں دے سکتا تھا۔ میں خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

واقعے نے میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر الجھن پیدا کردی تھی۔ ہمارے امریکی دشمن بہت طاقت ور اور جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ گزوں دور سے دستی لانچرز کے ذریعے راکٹ یا بم فائر کرکے مائیکرو سینٹر کو اڑا سکتے تھے تو ان کے لیے ہمارے گھر کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا بھی دشوار نہیں تھا۔ وہ نامعلوم کار ان کی نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ کسی برے ارادے سے آئے ہوتے تو دو گولیاں چلنے سے میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ ذرا سا خطرہ مول لے کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرتے۔

منزل کے اس قدر قریب آکر بزدلی سے فرار ہونے والے ان سے کہیں کم تر لوگ تھے جب کہ ہم اپنے ایسے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھے۔ ہم ایک ایک کرکے اپنے کئی دشمنوں کا صفایا کرچکے تھے۔ ان میں سے صرف شیام ہماری گرفت سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا لیکن وہ ہمارے گھر سے واقف نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اس نے چند گھنٹوں میں ہمارے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا ہو۔

وہ واقعہ میرے ذہن پر اس بری طرح مسلط ہوا کہ میں بستر پر دراز ہونے کے باوجود دوبارہ سونے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ کچھ دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد میں نے مسہری چھوڑ دی تاکہ میری بے چینی کی وجہ سے غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میری وہ کوشش زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہوسکی۔ وال کلاک کی سوئیاں صبح کے چار بجے سے آگے بڑھی ہی تھیں کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ گھنٹی کا شور اس وقت تک غزالہ کی نیند میں خلل انداز ہوچکا تھا۔ وہ بوکھلا کر بیدار ہوئی۔ خواب گاہ میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا تھا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دوسری طرف سے ایک سرد آواز میرے کانوں میں آئی اور میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں میجر بخشی کی آواز ہزاروں میں الگ سے پہچان سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا کہ ہمارے گھر کا فون نمبر میجر بخشی تک کیسے پہنچا۔ وہ نمبر ہم لوگوں کے سوا صرف روی اور ماروتی کے علم میں تھا۔

اس نے خود ہمارا نمبر ملایا تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس کی بات کون سن رہا تھا۔ اگر اسے نمبر کے ساتھ ہمارے بارے میں علم ہوتا تو اس کی گفتگو کا انداز خاصا مختلف ہوتا۔ میں نے فوری طور پر آواز بدل کر بولنے کا فیصلہ کیا اور پوچھا "تم کون بول رہے ہو اور کس سے بات کرنا چاہ رہے ہو؟ شاید تمہیں فون کرنے کے آداب سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔"

"مجھے اخلاق سکھانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ الّو کی طرح شب بیداری کے عادی شخص کا نام کیا ہوسکتا ہے۔" اس کے لہجے کی سرد مہری برقرار تھی "مجھے اظہرا مظہر سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔"

ہمارے گھر کے فون نمبر سے واقفیت کے اظہار کے بعد اس نے وہ دونوں نام لے کر واضح نشان دہی کردی تھی کہ اس کی اطلاعات کس کی مرہون منت تھیں۔ ہمارے وہ فرضی نام اس وقت صرف روی اور ماروتی کو معلوم تھے۔ ماروتی جیسی بھی تھی، مجھے یقین تھا کہ میجر بخشی کی مخبر نہیں ہوسکتی تھی۔ ہمارے خلاف روی نے ہی میجر بخشی کو اکسایا تھا۔

روی موہن کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد سب کچھ بہت پیچیدہ محسوس ہونے لگا۔ ایک طرف وہ مقامی قانون اور پولیس سے تحفظ کے لیے میری اور اول خان کی مدد کا خواہاں تھا اور دوسری طرف میجر بخشی جیسے سازشی سفارت کار کی کاسہ لیسی کررہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے جگدیش کی خودکشی نے اس کے دماغ کی سلامتی کو براہ راست متاثر کیا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کررہا ہے۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم شاید روی کے کوئی گماشتے ہو!"

"روی!" میرے طنز پر اس کی آواز یکایک زہریلی ہوگئی "اس کا حشر بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گا۔ غداری کرنے والے کو سزا ملنی یوں بھی ضروری ہوتی ہے کہ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی مگر اس سے پہلے شاید تمہاری باری آنے والی ہے۔ میرا ہاتھ کسی بھی وقت تمہارے گریبانوں تک پہنچ سکتا ہے۔"

میں نے اسے اپنی بات مکمل کرنے کا پورا موقع دیا۔ روی کے بارے میں اس کے لب ولہجے نے مجھے حیران کردیا۔ میں نے جو کچھ کہا، روی کو اس کا ہمدرد اور ساتھی سمجھ کر کہا تھا مگر وہ میرے طنز کا الٹا مفہوم سمجھا تھا اور میری کہی ہوئی بات پر زیادہ غور کیے بغیر، روی کے خلاف اپنی نفرت کا بے ساختہ اظہار کر بیٹھا تھا۔ اگر وہ روی سے اسی قدر ناخوش تھا تو پھر اسے ہمارا فون نمبر کیسے ملا۔ میرے ذہن میں وہ بڑا سوالیہ نشان ابھر آیا۔

"کیا صبح کے چار بجے تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"تم دونوں شہر میں جو کچھ کرتے پھر رہے ہو، اس کا انجام بتائے بغیر تمہاری سمجھ میں آجانا چاہیے۔" میجر بخشی اسی زہریلے لہجے میں بول رہا تھا "چند روز پہلے تم روی کے

Downloaded from https://paksociety.com

دشمن تھے۔ وہ تمہارے خوف سے گھر سے نکل بھاگا تھا۔ آج وہ تمہارا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔ دشمنی سے دوستی تک کا سفر طے کرنے کے لیے وہ تمہیں دو انسانی جانوں کی بھینٹ پیش کر چکا ہے۔ اب اس کی اور تمہاری باری ہے۔"

میرے ذہن میں خیالات کے بگولے مسلسل رقصاں تھے۔ اگر بخشی کو روی نے معلومات فراہم نہیں کی تھیں تو پھر وہ کام شیام کا ہو سکتا تھا۔ بخشی جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ روی کے گھر میں چھپا ہوا کوئی مخبر ہی جان سکتا تھا۔ شیام نے اپنے کانوں سے روی کے اعترافات سنے تھے' وہ ہماری اور جگدیش کی پہلی ملاقات کا شاید چشم دید گواہ تھا' اسے معلوم تھا کہ اس روز روی اپنے گھر سے بھاگ گیا تھا پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ روی لوٹ آیا اور اس مرتبہ ہم نے دوستانہ ماحول میں اس سے ملاقات کی۔ وہ سب ناقابل فہم تھا۔ شیام کا گھر کا بھیدی ہونے کی وجہ سے بہت کچھ جانتا تھا لیکن اسے ہمارے گھر کا نمبر معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ بخشی کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ روی سے بہت دور تھا۔ روی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

"ہماری باریاں طے کرنے کے ساتھ اپنا تعارف کرا دو تو تمہیں فوری طور پر کوئی مناسب جواب دیا جا سکتا ہے۔" میں نے اپنے ذہنی تحفظات کو گفتگو کے تسلسل میں حارج نہیں ہونے دیا اور اس سے اپنی بات جاری رکھی "یہ تمہاری بزدلی کا کھلا ثبوت ہے کہ تم فون پر کھوکھلی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ہماری دسترس سے دور ہو مگر پھر بھی اپنی شناخت چھپا رہے ہو۔"

"تمہیں مجھ کو پہچاننے کا موقع ضرور ملے گا مگر وہ تمہارا آخری وقت ہوگا۔ اس کے بعد تم زندہ نہیں رہو گے۔"

"تمہارا ایک طواف بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔" میں نے تھوڑی دیر پہلے نظر آنے والی مشتبہ کار کے حوالے سے ایک گول مول سی بات کہی "ہمت تھی تو بس ذرا سی دیر کے لیے رک جاتے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔"

"میں طواف کا قائل نہیں ہوں۔ پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو بڑھ کر دشمن پر صرف ایک ہی وار کرتا ہوں جو کاری ہوتا ہے۔"

وہ میرے سوال کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس کے جواب نے میرے شبہے کی تردید کر دی۔ اسے صرف ہمارے نام ملے تھے یا گھر کا فون نمبر۔ وہ اس کال کے ذریعے یہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ فون نمبر ہمارا ہی تھا۔

فون نمبر کے ذریعے پتا معلوم کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ شاید میجر بخشی کا یہی منصوبہ تھا۔ اس نے اپنا آخری فقرہ مکمل کر کے فون بند کر دیا۔

پاکستان میں را کے ایجنٹوں کی مسلسل ناکامیوں نے ان کے ہر ہمدرد کو پریشان کیا ہوا تھا۔ ان سے بالکل الگ تھلگ ہونے کے باوجود میجر بخشی حالات سے خود کو لاتعلق نہیں رکھ سکتا تھا۔ ہم لوگوں کے باہمی تبادلہ خیال میں پیش کیا جانے والا یہ نظریہ کہ میجر بخشی کا کرشن کمار کے میٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں تھا' بالکل غلط ثابت ہو چکا تھا۔ وہ اپنی جگہ مضطرب اور پریشان تھا۔ ایک ایک کر کے' زنجیر کی ساری کڑیاں ٹوٹتی جا رہی تھیں۔ اسے جوں ہی یہ سراغ ملا کہ کرشن کمار کو اس کے انجام تک پہنچانے والوں تک رسائی ممکن ہے' وہ خود میدان میں کود پڑا۔

اس نے اپنی معلومات کی تصدیق کے لیے بہت بھونڈا اور روایتی طریقہ استعمال کیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ حالات سے بہت زیادہ پراگندہ خاطر ہو چکا تھا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بڑی حد تک ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح کرشن کمار کے قاتل یا قاتلوں کو مار کر اس کے خون کا بدلہ لے لیا جائے۔

اس وقت تک غزالہ نیند کے اثرات سے پوری طرح آزاد ہو چکی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ فون کال میجر بخشی کی تھی تو کئی ثانیوں تک وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں اپنی پلکیں جھپکاتی رہی۔ میری طرح اس کے لیے بھی وہ سوال پریشان کن تھا کہ بخشی کو ہمارا فون نمبر کس ذریعے سے ملا۔

ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر غور کیا۔ ایک دوسرے سے سوالات کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ باہر کے لوگوں میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے فون نمبر سے باخبر تھے۔ وہ نمبر جگدیش کے علم میں بھی تھا مگر وہ دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔

ہماری نیندیں اچاٹ ہو چکی تھیں۔ میجر بخشی کا فون آنے کے بعد یہ معلوم کرنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ اسے ہماری راہ پر کس نے ڈالا تھا۔ اگر وہ روی نہیں تھا تب بھی اسی سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب مل سکتا تھا۔

اس رات موہن ہاؤس کے مکین اپنی چھت کے نیچے جگدیش کی لاش لیے بیٹھے تھے۔ اس کی ارتھی اٹھنے اور پھر چتا جلائے جانے تک روی کا سونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے وقت کی پروا کیے بغیر موہن ہاؤس کا وہ فون نمبر ملا لیا جس پر ماروتی سے میرا رابطہ ہوتا رہا تھا۔

فون روی نے اٹھایا۔ اس کی آواز تھکی تھکی اور پژمردہ تھی۔ مجھے احساس تھا کہ جگدیش کی خودکشی پر اس گھرانے میں اٹھنے والے طوفان پر قابو پانا خاصا اعصاب شکن کام

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ روی جیسے خوش باش اور بے فکرے شخص کے لیے ان مسائل پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔

"اچھا ہوا تم جاگ رہے ہو۔ مجھے اس وقت شدت سے تمہاری ضرورت تھی۔" میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

"میں نے ابھی خواب آور دوا دے کر ماروتی کو سلایا ہے تاکہ وہ بے چاری کچھ آرام کرلے ورنہ اگلے کئی دن بڑی بے آرامی میں گزریں گے۔" اس کی آواز میں تازگی اور شگفتگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ بے زاری کے عالم میں کہہ رہا تھا "ہمارے خاندان میں موت بھی شادی بیاہ سے کم نہیں ہوتی۔ میرپور خاص، عمرکوٹ، حیدرآباد اور دوسرے شہروں میں دوستوں اور رشتے داروں کو فون کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ میرپور خاص سے بچے کراچی آجائیں تو میرا بوجھ ذرا کم ہوگا۔"

"یہ آخری پریشانی ہے جو تمہیں برداشت کرنی ہوگی" میں نے اسے دلاسا دیا "اس کے بعد تم سکھ چین کی زندگی گزار سکو گے۔"

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھایا جی ایک دن یوں اچانک رخصت ہوجائیں گے۔ وہ زندگی بھر مجھے حیران کرتے رہے۔ مرتے مرتے بھی انہوں نے اپنی یہ ریت برقرار رکھی.... یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"اظہر نے ہمارا فون نمبر جگدیش کو دیا تھا۔ اس کے ذریعے یہ خاص نمبر تمہیں اور ماروتی کو معلوم ہوا تھا۔ ابھی ابھی انکشاف ہوا ہے کہ ہمارا فون نمبر ایک خطرناک دشمن تک بھی پہنچ چکا ہے۔ سچ سچ بتانا کہ ہمارا نمبر تم نے اور کس کو بتایا تھا۔"

"کسی کو نہیں۔ ہمیں تمہارا فون نمبر کسی اور کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمہارے دشمن نے تمہیں فون کیا ہے؟"

"دس پندرہ منٹ پہلے اس نے بہت سی دھمکیاں دی ہیں۔ میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ اسے فون نمبر کے ساتھ میرے اور اظہر کے نام بتائے گئے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم نے شنکر اور ہری چند کو مروانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"ارے باپ رے!" ریسیور پر روی کی بے ساختہ آواز ابھری "وہ تمہارا دشمن ہے تو پھر مجھے نہیں چھوڑے گا۔ یہ مجھے اسی نمک حرام، شیام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ کچھ باتیں وہ جانتا تھا۔ باقی اس نے چھپ کر سن لی ہوں گی۔"

"میں ہر بات مان سکتا ہوں۔ میرا ذہن بھی بار بار اسی کی طرف بھٹک رہا ہے۔ اسے ہر بات معلوم ہوسکتی ہے لیکن ہمارا فون نمبر اس تک کیسے پہنچا؟ یہ غلطی تم ہی کرسکتے تھے۔ تم اس سے انکار کررہے ہو۔ یہ ایک بات صاف ہوجائے تو گتھی سلجھ جاتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے یا کسی اور کو تمہارا فون نمبر نہیں دیا تھا۔ اگر وہ ہمارے گھر کی جاسوسی کررہا تھا اور میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو اسے بہت کچھ معلوم ہوچکا ہوگا۔ وہ چند ٹکوں کی خاطر یہ سب کچھ کسی اور بتاتا ہوگا اور اب میرے گھر سے بھاگ کر اسی کے پاس گیا ہوگا۔"

"مجھے اور کسی بات کی پروا نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے ہمارا فون نمبر کیسے معلوم کیا ہوگا" میں نے کہا۔

"بھایا جی کی تہتی کے بعد میں نے اوپر آکر تمہارے گھر فون کیا تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد روی فون پر بتا رہا تھا "تم وہاں نہیں تھے۔ میں پیغام دے کر دوبارہ نیچے چلا گیا۔ اگر وہ حرامی کہیں آس پاس چھپا ہوا تھا تو اس نے میرے جانے کے بعد فون کا ایک بٹن دبایا ہوگا اور اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے کس نمبر پر بات کی تھی۔ دراصل میرے فون پر میموری موجود ہے۔ خاص بٹن دباتے ہی، ملایا ہوا آخری نمبر اسکرین پر آجاتا ہے۔"

"پھر یہی ہوا ہے" میں اضطراری انداز میں بول پڑا۔ روی نے ایک مشکل ترین سوال کا جواب نہایت آسانی سے فراہم کردیا تھا۔

"شیام نے جو گھٹیا حرکت کی ہے اس کی وجہ سے اب تم خطرے میں پڑ گئے ہو۔ شاید میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔"

"ہم دونوں سے زیادہ خطرہ تم کو ہے" میں نے کسی مبالغے کے بغیر اسے آگاہ کیا "تمہیں جگدیش کی ارتھی کے ساتھ اپنے شمشان تک جانا ہوگا۔ اس جلوس میں بہت سے لوگ ہوں گے۔ ضروری نہیں کہ تم ہر ایک کو پہچانتے ہو۔ اس بھیڑ میں شامل ہوکر کوئی بھی تم کو مار سکتا ہے۔"

"یہ خطرہ سب سے سنگین ہے" اس نے میری تائید کی "اس کا مطلب ہے کہ بھایا جی کے پیچھے پیچھے میری روانگی بھی ہوسکتی ہے" وہ زندگی سے محبت کرنے والا اور زندہ رہنے کی آرزوؤں کو پروان چڑھانے والا آدمی تھا۔ خطرے کا ذکر آتے ہی گھبرا گیا۔

"شیام کا معاملہ صاف ہوجانے کے بعد ہم کوئی نہ کوئی پیش قدمی کریں گے۔ ہوسکتا کہ خطرہ ٹل ہی جائے" میں نے اسے دلاسا دیا "پھر بھی یہ ضروری ہے کہ تم چوکنا رہو۔ تمہیں ہر طرف سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم جتنی تیزی سے بات کی تہ تک پہنچتے ہو، میں اسی تیزی سے اپنے بچاؤ کے بارے میں سوچتا ہوں۔ بھایا جی تو مر


Downloaded from https://paksociety.com

گئے۔ میرے شمشان جانے سے وہ زندہ نہیں ہوسکتے۔ ان کے چکر میں' میں مارا جاسکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ان کی ارتھی سے دور ہی رہوں تو میرے حق میں اچھا رہے گا۔"

"شاید وہ تمہارا اکلوتا بھائی تھا" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ساتھ نہ گئے تو سب تم پر لعن طعن کریں گے۔"

"میں سب کے منہ بند کرنے جانتا ہوں" اس کی آواز میں بہت موہوم سی مکارانہ شوخی عود کر آئی "بس میرپور خاص سے تینوں لڑکے گھر آجائیں' میں ڈراما کرکے گھر سے سیدھا اسپتال پہنچ جاؤں گا۔ سب سمجھیں گے کہ بھائی کی موت کے صدمے نے رنگ دکھایا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔"

اس کی تجویز لاجواب تھی۔ میں داد دیے بغیر نہ رہ سکا "تم بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ اسپتال والوں نے دیکھ بھال کرنے کے بعد تمہیں واپس روانہ نہ کردیا تو تم بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہوجاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے اپنے دشمن کا انجام دیکھ سکو گے۔"

"تم اس کی فکر ہی نہ کرو۔ شہر میں کئی ایسے اسپتال ہیں جو ہٹے کٹے آدمیوں کو بھی مایوس نہیں لوٹاتے۔ اپنے خالی کمروں کو آباد رکھنے کے لیے ہر ایک کو دو چار روز کے لیے اسپتال میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ بھایا جی کی بدنصیبی ہے کہ انہیں اکیلے شمشان جانا ہوگا۔ جب ان کا بڑا لڑکا ان کی چتا کو آگ لگائے گا تو میں اسے تسلی دینے کے لیے وہاں موجود نہیں ہوں گا۔ یہ سب مقدر کے فیصلے ہوتے ہیں جن پر ہمارا کوئی بس نہیں ہوتا۔"

"تم نے اپنے بچاؤ کی راہ سوچ لی۔ اب ہم یک سو ہوکر اپنے دشمن کے خلاف کوئی قدم اٹھاسکیں گے۔"

"یہ تو بتاؤ کہ میرا اور تمہارا اپنا دشمن کون ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ ہری چند کے بعد میدان صاف ہوجائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ روی ابتدا سے ہی قابلِ اعتبار ثابت ہوا تھا۔ آپس میں مفاہمت ہوجانے کے بعد اس نے کسی بھی مرحلے پر ہمیں دغا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس پر اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ میں نے کہا "اس کا نام میجر بخشی ہے اور وہ....."

"بس' بس۔ میں سمجھ گیا" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "وہ بہت رنگیلا بڈھا ہے۔ بھایا جی سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی ارتھی اٹھائے جانے پر وہ بھی ہمارے گھر آئے۔ تم اسے بہت آسانی سے گھیر لوگے۔"

روی کے اس انکشاف پر میرے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس سے ہونے والی گفتگو خاصی طویل ضرور ہوگئی تھی مگر وہ میرے لیے توقع سے کہیں زیادہ سود مند ثابت ہورہی تھی۔ ایک طرف اس نے شیام کے کردار کے بارے میں ایک بڑا ابہام دور کردیا تھا۔ دوسری طرف وہ میجر بخشی کو گھیرنے کے ایک نادر موقع کی نشاندہی کررہا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کو چھپانے کی کوشش کیے بغیر کہا "تمہیں اسپتال میں ہی بخشی کے بارے میں کوئی اچھی خبر ملے گی۔ شاید تمہیں پنڈت منوہرلال اور اس کی بیٹی' موہنی پنڈت کے بارے میں معلوم ہوگا۔ بخشی نے پنڈت سے دوستی گانٹھی ہوئی تھی اور موہنی کے ساتھ عشق کررہا تھا....."

"ارے مظہر جی! رہنے دو۔ کیوں پرانے زخموں کو کریدتے ہو" روی نے ایک گہری سانس لے کر ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "اونچے طبقے کے سارے ہندو گھرانوں میں بہت گہرا میل جول ہے۔ پنڈت منوہرلال کا نصیب خراب تھا کہ وہ رستم ایرانی کے چکر میں پڑ گیا ورنہ وہ آج کہیں اور ہوتا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بہت چالاکی سے اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہوا تھا۔ شہر کے آدھے رئیس زادے موہنی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے مگر وہ بہت بے لوث لڑکی تھی۔ میں نے کبھی اسے کوئی مہنگا تحفہ نہیں دیا پھر بھی وہ مہینے میں ایک دو دن میرے ساتھ ضرور گزارتی تھی۔"

ماضی کی یادیں زندہ ہوتے ہی روی کا لب ولہجہ بدل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے موہنی پنڈت کا نام سنتے ہی وہ اپنے بھایا جی کی خود کشی کو فراموش کر بیٹھا ہو۔ میں نے اس سے کام کی باتیں اگلوالی تھیں۔ خرافات سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے نئے دشمن کے خلاف تیاری کا بہانہ کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

ذات پات اور برادری کے کڑے بندھنوں میں بندھے ہوئے باحیثیت گھرانوں کے باہمی مراسم کے بارے میں روی کا انکشاف زیادہ حیران کن نہیں تھا۔ کسی کے بتائے بغیر بھی وہ سب بہت واضح تھا۔ وہ آپس میں ملتے تھے' ایک دوسرے گہری دوستیاں جتاتے تھے اور موقع پاکر جڑیں کاٹنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ میجر بخشی ان تضادات کی سب سے زیادہ گھناؤنی مثال بن کر ابھرا تھا۔

پنڈت منوہرلال اور موہنی پنڈت والے قصے میں' میں نے میجر بخشی کو انفرادی کج روی کی رعایت دے کر نظرانداز کردیا تھا۔ موہنی پنڈت ایک آزاد خیال ماڈل گرل تھی۔ اس کے باپ نے اپنی رنگ رلیوں کی وجہ سے اسے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ ایسے میں بخشی جیسے عمر رسیدہ شخص کا رال ٹپکانا کسی حد تک قابلِ فہم تھا مگر موہن برادران کے معاملے میں وہ بڑی حد تک ناقابلِ معافی نظر آرہا تھا۔

Downloaded From https://paksociety.com

جگدیش موہن ایک روکھا پھیکا اور خشک مزاج آدمی تھا۔ بخشی سے اس کی دوستی تھی۔ بخشی کو یہ علم بھی رہا ہوگا کہ کرشن کمار' ہری چند کے ذریعے موہن برادران کے وسائل اور مراسم سے فیض اٹھا رہا ہے پھر بھی وہ شیام کے ذریعے اس گھرانے کی نگرانی کراتا رہا۔ میجر بخشی کے فون اور روی موہن کے انکشافات کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آچکی تھی کہ شیام کو کرشن کمار نے موہن ہاؤس میں ملازمت دلوائی تھی۔ شیام خدمت کی آڑ میں موہنوں کی جاسوسی کرتا تھا اور اپنی جمع کی ہوئی معلومات میجر بخشی کو فراہم کرتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شیام موہن ہاؤس سے فرار ہونے کے بعد میجر بخشی سے رجوع نہ کرتا۔

جب تک وہ کھیل حسب منشا چلتا رہا' میجر بخشی پس منظر میں دبکا' اپنا کام کرتا رہا۔ جوں ہی بازی الٹی اور راکی پنجھائی ہوئی بساط کے مہرے ایک ایک کرکے پٹتے چلے گئے' بخشی اپنے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔ اس کی خبر لینی ضروری ہوگئی تھی۔

میری اور غزالہ کی نیند ضرور خراب ہوئی تھی مگر اس کے صلے میں مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ گو صبح کے آثار نمودار ہونے والے مگر بظاہر اس وقت بھی اندھیرے کا راج تھا اور ہواؤں میں مسحور کن تازگی رچی ہوئی تھی۔ شدید ذہنی اور اعصابی دباؤ سے نجات پانے کے بعد جب میں دوبارہ بستر پر دراز ہوا تو کسی کوشش کے بغیر ہی نیند کی دیوی نے ذرا سی دیر میں مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

شاید میں دیر تک سوتا رہتا مگر دس بجے غزالہ نے مجھے نرمی سے بیدار کردیا۔ میرے چہرے پر کسل مندی اور نگاہوں میں ناپسندیدگی کی علامات دیکھ کر اس نے مجھے بتایا کہ اول خان خاصی دیر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ میرے لیے بستر چھوڑنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

غسل خانے میں پانی کی تیز دھاروں میں نہاتے ہوئے میرے سر پر میجر بخشی کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ بہت ڈرپوک اور محتاط آدمی تھا۔ اس کے دفتری اوقات میں اس تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ گھر پر بھی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کی بہترین راہ وہی تھی جو صبح سویرے روی موہن نے بجھائی تھی لیکن ضرورت کے مطابق اس میں کچھ ردوبدل ضروری تھا۔

بخشی نے مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے دوٹوک لہجے میں یہ جتادیا تھا کہ وہ میرے اور اظہر کے ساتھ روی کو بھی دوسروں کے لیے نشان عبرت بنانے کا تہیہ کرچکا تھا۔ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا جب کہ میں نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد اپنے پروگرام کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ایک بار وہ ہماری گرفت میں آجاتا تو شیام تک پہنچنا مشکل نہ ہوتا۔

میرے ذہن میں نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ میجر بخشی روایات کی پاسداری میں جگدیش موہن کی آخری رسوم میں بس واجبی سی شرکت کرے گا۔ اس کی بہترین صورت یہ ہوتی کہ وہ ارتھی روانہ ہونے سے پہلے ہی موہن ہاؤس پہنچتا اور منافقانہ انداز میں جگدیش کے پس ماندگان سے تعزیت کرکے لوٹ جاتا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ روی نے خود کو بچانے کے لیے اسپتال میں پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے یہ بات اس وقت معلوم ہوتی جب وہ موہن ہاؤس پہنچ چکا ہوتا اور اہل خانہ میں روی موہن کو موجود نہ پاتا۔

وہ ارتھی کے ساتھ موہن ہاؤس سے شمشان تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لمبے دورانیے میں اس کے ساتھ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا۔ وہ اور روی' دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خطرات بھانپ رہے تھے۔ روی کو بخشی سے براہ راست خطرہ تھا جب کہ بخشی اپنی محتاط طبیعت کا اسیر تھا۔ اگر وہ جلوس کے دوران میں روی کو مروانے کا ارادہ کرچکا تھا اس کے اسپتال پہنچنے کی خبر ملنے کے بعد اسے وہ ارادہ ملتوی کرنا پڑجاتا۔ روی کو مہلت مل جاتی مگر میرے لیے وقت بہت کم رہ جاتا ہمیں میجر بخشی کے خلاف جو کچھ کرنا تھا' اس کے لوٹنے تک کرنا تھا۔

میں کپڑے تبدیل کرکے ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اول خان کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد اس نے مجھ سے رات والے واقعے کے بارے میں سوال کیا۔ اس بارے میں میری معلومات ناقص اور محدود تھیں۔ جو کچھ ہوا' اس کے عینی شاہد ایس ٹی ایف والے تھے۔ میں اوپر پہنچا تو دونوں راہ داریاں خاموش تھیں اور مشتبہ کار کا دور دور تک کہیں کوئی نشان نہ تھا۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہوسکی تھی کہ شیام یا میجر بخشی نے ہمارے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وقت وہی ایسے دشمن تھے جو فون نمبر کے سہارے ہمارے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی حیرت اور خاموشی سے وہ سب سن رہا تھا۔

"شیام کے ساتھ بخشی کا نام کیسے آگیا؟" میرا جواب سن کر اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"رات اس نے فون کیا تھا" میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ سنبھل کر اپنی جگہ پر سیدھا ہوگیا۔ وہ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ اس سے بہت سے سوالات وابستہ تھے۔ اول خان پوچھتا رہا اور میں اسے بتاتا چلا گیا کہ میں نے کن معلومات اور اندازوں کی بنا پر ایک رائے قائم کی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

جب اول خان کو اس کے ہر سوال کا جواب مل گیا تو آخر میں پھر اپنے پہلے سوال پر آگیا "یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مشتبہ کار کس کی تھی؟ وہ کون لوگ تھے جو اس طرف آئے تھے؟"

"وہ کار الجھاوے پیدا کررہی ہے" میں نے ایمانداری سے کہا "فی الحال ہمیں اس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ تمہارے آدمیوں کی مخلصانہ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فون کرنے تک میجر بخشی کو یہ یقین نہیں تھا کہ شیام نے اسے کوئی اہم فون نمبر دیا ہے۔ فون کرنے کے بعد اسے صحیح اندازہ ہوسکا تھا جب کہ مشتبہ کار اس کا فون آنے سے پہلے دیکھی گئی تھی۔"

"میں کار کے بارے میں فکر مند تھا اور اسی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ تم ایک بالکل نئی کہانی لیے بیٹھے ہو" وہ بولا "ویرا اور سلطان شاہ ان باتوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا رات کو تم تنہا ہی جاگ رہے تھے؟"

"غزالہ بھی جاگ گئی تھی۔ ہم نے اس بارے میں تبادلہ خیال بھی کیا تھا" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"مگر اس نے مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔ سب بے خبر معلوم ہورہے ہیں" اول خان نے شکوہ کیا۔

"اس بے چاری کو باورچی خانے سے کب فرصت ملتی ہے" ویرا نے غزالہ کے لیے کلمہ حق بلند کیا "وہ اس وقت بھی ہم سب کے لیے ناشتا تیار کرنے میں مصروف ہے۔ فارغ ہوئی تو تمہیں کچھ بتاتی۔"

"حیرت ہے کہ رات کو یہ سب ہوگیا اور ہمیں بھنک تک نہیں ملی" سلطان شاہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"رات نہیں، وہ صبح کا اول وقت تھا۔ اصل اور گہری نیند کا غلبہ اسی وقت ہوتا ہے۔ تم دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "تم دونوں کو ہر وقت دیکھ بھال کی ضرورت رہتی ہے۔"

"اب تم اس کار کو نظر انداز کرکے میجر بخشی سے بھڑ جانے کا فیصلہ کیے بیٹھے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہ میرا فیصلہ نہیں، مجبوری ہے۔ اب سارا کھیل پہل کرنے پر منحصر ہے۔ اسے وقت مل گیا تو وہ فون نمبر کے سہارے یہاں کا پتا معلوم کرکے کوئی بھی مہم جوئی کر گزرے گا۔ پہلے بھی ہم ایسے تلخ تجربات میں نقصان اٹھا چکے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"ایک طرف تم بھارت جانے کا قصد کیے بیٹھے ہو۔ دوسری طرف میجر بخشی سر اٹھا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تمہیں بھارتیوں سے بہت دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ اس وقت کی آویزش بھارت میں تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہے" اول خان نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"تم پھر وہی بات دہرا رہے ہو۔ صبح سویرے بخشی نے مجھے فون کیا تھا۔ میں نے اسے نہیں چھیڑا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اسے اور اس کی دھمکی کو نظر انداز کردو" ویرا بے ساختہ بولی "اول خان کی تشویش بالکل بجا ہے۔"

"بالکل نظر انداز کردو یہ یاد رکھنا کہ رات تک کرائے کے غنڈے یہاں یلغار کرکے سب کچھ تہس نہس کردیں گے" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا "میجر بخشی بزدل آدمی ہے۔ وہ خود سامنے نہیں آئے گا۔ دوسروں کے بل پر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے گا۔"

"وہ آئے تو ہم انہیں خاک اور خون میں نہلا دیں گے" ویرا نے پرجوش لہجے میں کہا "ہم نہتے نہیں ہیں۔"

"محلے والے ہماری وجہ سے مزید کوئی خوں ریزی برداشت نہیں کریں گے" اس بار میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا "آنے والوں کو خون میں نہلانے کے بعد ہمیں بھی یہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔ یہ شرفا کی آبادی ہے، غنڈوں اور لڑاکوں کی بستی نہیں ہے۔"

اول خان توجہ اور خاموشی سے وہ بحث سن رہا تھا۔ اس نے دھیمے لہجے میں لب کشائی کی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دونوں طرف سے بات ٹل گئی ہے۔ جب تک بخشی کو لگام نہیں دی جاتی، خوں ریز تصادم کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔"

"تم اسے کس طرح لگام دو گے؟" ویرا اسی سے الجھ گئی "کیا اسے جان سے مار دو گے؟"

"یہ سوچنا پڑے گا" میں نے قدرے تشویش سے کہا "وہ سفارتی افسر ہے۔ پاکستان اور بھارت میں روز اول سے رقابت اور دشمنی چلی آرہی ہے۔ وہ لوگ کسی دلیل یا شہادت کو نہیں مانیں گے۔ جو کچھ بخشی کے ساتھ ہوگا وہی نئی دہلی میں کسی پاکستانی سفارت کار کے ساتھ ہوسکتا ہے۔"

"میرے ذہن میں بھی یہی سب اندیشے ہیں" اول خان نے میری تائید کی "میجر بخشی کے خوف سے ہم گھر چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتے۔"

"اس اعتبار سے امریکی بہت بہتر ہیں" سلطان شاہ نے زبان کھولی "یہاں ان کے متعدد آدمی مارے اور ذلیل کیے گئے ہیں لیکن اس کے جواب میں واشنگٹن یا نیویارک میں ہمارے کسی سفارتی افسر کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"امریکی اپنے ملک کا امن و امان برباد نہیں کرتے" ویرا

Downloaded from https://paksociety.com

نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا "وہ اسی سرزمین پر انتقام لیتے ہیں جہاں وارادات ہوتی ہے۔ کیا تم مائیکرو سینٹر کی تباہی اور اسلام آباد میں ہونے والے بم دھماکے میں چار افراد کی ہلاکت کو بھول گئے؟"

سلطان شاہ چیں بہ جبیں ہو کر رہ گیا۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس طرح امریکیوں کی رواداری اور عظمت کا پرچم بلند رہتا ہے اور بدلہ بھی لے لیا جاتا ہے۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے جو آدمی مارے یا پکڑے جاتے ہیں وہ کھلے سفارتی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں پھر بھی غنڈا گردی ہوتی ہے' بدلے لیے جاتے ہیں' دہشت گردی کر کے بے گناہ شہری مارے اور معذور کیے جاتے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا سوچ کر میجر بخشی کے خلاف پہل کرنے کی تجویز پیش کی تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"اسے پکڑ کر ذہنی طور پر مفلوج کیا جائے اور پھر چھوڑ دیا جائے" میں نے سفاکانہ انداز میں کہا "اس کا دماغ شیطانی کارخانہ ہے۔ اس کی تباہی ضروری ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ ان کی جوابی کارروائی ہمارے کسی آدمی پر معمولی جسمانی تشدد تک محدود رہے گی۔"

"اسے کسی ممکن دوا کا ضرورت سے زیادہ ڈوز دینا چاہتے ہو؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کیمیائی تجزیے میں ایسی دوا پکڑی جائے گی۔ دماغ کے کسی نازک حصے پر ضرب ہی سب سے بہتر رہے گی۔"

"کیوں نہ اس بارے میں فون پر جلال سے مشورہ کر لیا جائے؟" اول خان نے دھیرے سے تجویز پیش کی۔

میرے دل میں جلال کے لیے بہت عزت تھی مگر اول خان کی تجویز پر میں چڑ کر برہمی سے بولا "وہ ہمارا اتالیق نہیں ہے کہ ہر بات میں اس سے مشورہ کیا جائے۔ تم کچھ نہیں کرنا چاہتے تو اس سے مشورہ کیے بغیر بھی انکار کر سکتے ہو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔"

اول خان چند ثانیوں کے لیے گنگ ہو کر رہ گیا پھر بولا "کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بتاؤ' کیا کرنا چاہتے ہو' تم جس طرح چاہو گے' اسی طرح کیا جائے گا۔ میں نے آج تک تمہارے بتائے ہوئے کسی کام سے منہ نہیں موڑا۔"

اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں طیش میں آکر اس کے ساتھ زیادتی کر گزرا تھا۔ میں نے اسے منانے کے لیے مفاہمانہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو کہ جلال کس ایجنسی کے لیے کام کرتا ہے۔ ان لوگوں کے اپنے ضابطے اور محبوریاں ہیں۔ وہ ہمیں قانون کے دائرے سے باہر کوئی کام کرنے کا مشورہ نہیں دے گا۔ ہم نے اسے چھیڑا تو اخلاقی طور پر ہم اس کے مشورے کے پابند ہو کر رہ جائیں گے۔"

"کسی سے مشورہ لیا جائے تو پھر اس کا احترام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔" ویرا نے سر ہلاتے ہوئے میرا ساتھ دیا "وہ ہمارا قابلِ احترام دوست ہے۔ سب کچھ کر گزرنے کے بعد اسے بتا دیا جائے کہ کیا کچھ ہوا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی شکوہ کر لے گا مگر ہمیں روک نہیں سکے گا۔"

"میں امریکیوں کے چکر میں ایک مرتبہ تبادلے کی سزا بھگت چکا ہوں۔" اول خان نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے ہلکی سی تلخی سے جواب دیا "وہ بحری جہاز سے ممنوعہ ہتھیاروں کی ایک بھاری کھیپ ملک میں اسمگل کرنے کا کھلا کیس تھا۔ اس معاملے میں میرے باس پر اتنا شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ میرے اقدام کو حق بہ جانب سمجھنے کے باوجود میرا تبادلہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"وہ واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے مگر وہ حکومت کمزور تھی۔ امریکا سے گورے کلرک تک آکر یہاں کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ڈانٹ پھٹکار کر چلے جاتے تھے اور کسی میں دم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔" میں نے بہت تحمل سے کہا۔

"اور ہمارے سامنے امریکی نہیں' بھارتی ہیں۔ ان کا کوئی اثر و رسوخ ہے نہ حمایت۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"بھارتیوں کے بارے میں یہ تمہاری بھول ہے۔" ویرا نے ٹانگ اڑائی "بھارتی براہِ راست بے بس ہیں لیکن درپردہ انہیں امریکا کی بھرپور تائید اور حمایت حاصل ہے۔ امریکی ان کی ہر بات پوری توجہ اور پسندیدگی کے ساتھ سنتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں اپنے مفاد کے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے۔"

غزالہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ٹرالی پر ناشتا سجا کر ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ اول خان نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے مجھے ایک مرتبہ پھر ٹوکا اور میں نے اسے میجر بخشی کے بارے میں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

○☆○

موہن ہاؤس کے باہر بھانت بھانت کے ماڈلز کی گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ موہن برادران میل جول کا حلقہ کتنا وسیع تھا۔ احاطے میں نصب پرشکوہ پھاٹک کا ایک در کھلا ہوا تھا۔ پورچ میں پڑی ہوئی کرسیوں لوگوں کی خاصی تعداد براجمان تھی۔ بہت سے افراد باہر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سی گاڑیوں میں ڈرائیور وغیرہ بھی موجود تھے۔

Downloaded from https://pksociety.com

اول خان نے پھاٹک سے آگے نکل کر گاڑی گھمائی اور ایسی جگہ پارک کردی کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے باہر نکلنے والے ہمیں نظر آتے رہیں۔ ہم دونوں کسی فکر کے بغیر اپنی گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ وہاں جو ماحول تھا' اس کی روشنی میں ہمیں کسی کی توجہ کا مرکز بننے کا اندیشہ نہیں تھا۔

اس مہم پر ہم دونوں کے آنے کا سبب یہ تھا کہ ہم ہی میجر بخشی کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اول خان اپنے پیشے کی ذمے داریوں کی بنا پر مشتبہ سفارت کاروں کی ذاتی طور پر دیکھ بھال کرتا تھا۔ میں کرنل جمال دستی کے روپ میں براہ راست میجر بخشی سے ملتا رہا تھا۔ ان دنوں وہ مجھے ایس ٹی ایف سے منحرف سمجھ کر مجھ پر ڈورے ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ وہ سلسلہ اس قدر طول پکڑ گیا تھا کہ اس سے گلوخلاصی کے لیے آخری ایام میں مجھے یہ کہانی تراشنی پڑی کہ مجھے ایس ٹی ایف میں مشتبہ قرار دے کر فارغ کردیا گیا تھا اور جبری طور پر مسقط روانہ ہونے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

اس دوران میں' میں نے دانستہ طور پر اپنے حلیے میں ایسی تبدیلیاں کرلی تھیں کہ میجر بخشی پہلی نظر میں مجھے کرنل جمال دستی کے طور پر ہرگز نہیں پہچان سکتا تھا۔ ہاں' میرے یاد دلانے پر وہ آواز' چال ڈھال اور انداز گفتگو سے فوراً سمجھ لیتا کہ اس کا کس سے پالا پڑا ہے۔

ہم نے گھر سے نکلنے سے پہلے یہ اطمینان کرلیا تھا کہ میجر بخشی "کسی کام" سے نکلا ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس روز بخشی کے لیے جگدیش موہن کی خودکشی پر اس کے پس ماندگان سے تعزیت سے زیادہ اہم کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہاں گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے دفتر فون کیا تو کسی خاتون نے جواب دیا۔ وہ خود فون پر نہیں تھا۔

میجر بخشی کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے اس خاتون نے میرا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا نام تلک رام تھا۔ میجر بخشی نے پچھلی رات یہ طے کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مل کر جگدیش موہن کے گھر جائے گا۔ اس اجنبی خاتون کے لیے میرا نام اور تعارف متاثر کن تھا۔ اس نے کسی وسوسے میں پڑے بغیر بتادیا کہ میجر بخشی اپنے گھر سے نکل کر سیدھا موہن ہاؤس گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اسے اپنے دفتر آنا تھا۔

وہ اطلاع ملتے ہی ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمیں ڈر تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے میجر بخشی وہاں سے روانہ ہوگیا تو وہ سنہری موقع ضائع ہوجائے گا۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت میجر بخشی کہاں موجود تھا۔

ہم دونوں اس کے انتظار میں موہن ہاؤس کے باہر اپنی گاڑی میں بیٹھے رہے۔ میں عجلت میں روانگی کے سبب صبح کا اخبار نہیں دیکھ سکا تھا لیکن راستے میں باتوں کے دوران میں اول خان نے میرے استفسار پر دو نکات واضح کردیے تھے۔ گھریلو اسباب کی بنا پر جگدیش موہن کی خودکشی کی خبر اخبار کے پہلے صفحے پر نمایاں انداز میں شائع کی گئی تھی اور پچھلے روز مقامی پولیس دن کے گیارہ بجے سے پہلے ہری چند کی اس مسخ شدہ لاش تک پہنچ گئی تھی جسے اول خان کے آدمیوں نے صبح سویرے شہر کے ایک غیر آباد ساحلی علاقے میں ڈال دیا تھا۔ پچھلی شام میں نے ہری چند بن کر میجر بخشی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوتی تو اس کا بھڑکنا یقینی تھا۔ وہ ایک فعال اور متحرک سفارت کار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے مفادات سے تعلق رکھنے والی ایسی تمام خبروں اور افواہوں سے باخبر رہتا ہوگا جو شہر میں جنم لیتی رہتی تھیں۔

"یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا خاصا صبر طلب کام ہے۔" میں نے اپنی آنکھوں پر جمے ہوئے دھوپ کے چشمے کو درست کرتے ہوئے کہا "ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اندر قدم رکھا تو موہن ہاؤس کے ملازمین ہمیں پہچان لیں گے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے۔"

"اس وقت انتظار کرنا ہی ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔ میں تمہیں کوئی خطرہ مول لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا "یہاں پہنچنے کے بعد مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارا منصوبہ خاصا مشکل اور بے لچک ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں اس کے اغوا میں کیا دشواری حائل ہوتی نظر آرہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے پاس بہت کم وقت ہوگا۔ پروگرام طے کرتے ہوئے ہم یہ بھول گئے کہ موہن ہاؤس سے بھارتی قونصلیٹ کا تقریباً سارا راستہ بہت پرہجوم اور پررونق ہے۔ کسی بھری پری سڑک سے ہم اسے نہیں لے جاسکیں گے۔"

اول خان کا وہ اندیشہ درست تھا۔ اولڈ کلفٹن کا وہ محدود رہائشی علاقہ ہی کچھ پرسکون اور ویران ویران سا تھا۔ میجر بخشی وہاں سے نکل کر مین کلفٹن روڈ پر پہنچ جاتا تو وہاں سے فاطمہ جناح روڈ تک' کہیں کوئی ایسا سنسان مقام نہیں آتا تھا جہاں اسے گھیرا جاسکے۔

"ہمارے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد کہا "وہ ایک مرتبہ اپنے دفتر میں جاگھسا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملنا مشکل ہے۔ کسی بزدل حریف کو گھیرنا آسان نہیں ہوتا۔"

"لیکن ہم کب تک بے یقینی سے

Downloaded from https://paksociety.com

کہا "ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ گاڑی خود چلا رہا ہے یا ڈرائیور کے ساتھ یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر وہ ڈرائیور کے ساتھ ہے تو پھر ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ کوئی بھی چوک ہوئی تو ڈرائیور گاڑی نکال لے جائے گا۔"

میں نے اپنا اعتماد متزلزل ہوتا محسوس کیا اور ہلکی سی کھوکھلی ہنسی کے ساتھ کہا "وہ عام طور پر خود ہی ڈرائیونگ کرتا ہے۔"

"بڑے افسران اپنے دفاتر میں آمدورفت کے لیے شوفر کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔"

ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ تقریباً بیس منٹ بعد موہن ہاؤس کے پھاٹک سے ہمیں میجر بخشی نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے اور وہ آنے والی بدنصیبی سے بالکل بے خبر، اطمینان سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔ وہ دن کا وقت تھا۔ سورج کی تیز روشنی میں دور ہی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ اپنے ایک قریبی دوست کی خودکشی پر میجر بخشی کے چہرے پر کوئی حزن وملال نہیں تھا۔

تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد وہ سڑک کے دوسرے پہلو پر پارک کی ہوئی ایک گاڑی کے پاس رک گیا۔

یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ رک کر چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کا قفل کھول رہا تھا۔ اس کے آس پاس کسی ڈرائیور کا سایہ تک نہیں تھا۔ اول خان کے ایک حوصلہ شکن اندیشے کی تردید ہوچکی تھی۔ میری دانست میں وہ ہمارے لیے نیک شگون تھا۔

میجر بخشی کی گاڑی کے حرکت میں آنے سے پہلے اول خان اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ جوں ہی بخشی کی کار قطار سے نکل کر آگے بڑھی، اول خان کی گاڑی بھی حرکت میں آگئی۔ بس گلی کے اختتام تک وہ ترتیب برقرار رہی۔ بخشی نے اپنی کار واپس گھمانے کے بجائے موڑ کاٹ کر دوسری سڑک سے واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے فیصلے کے نتیجے میں وہ آبادی کے اندرونی اور قدرے سنسان حصے میں آنکلا تھا۔ اول خان نے وہ سب پہلے ہی سوچا ہوا تھا۔ اس نے یکایک اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور موڑ پر بخشی کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

اس کی وہ حرکت بڑی حد تک اضطراری اور بے حد خطرناک تھی۔ اس وقت موڑ پر مخالف سمت سے کوئی گاڑی آنکلی ہوتی تو اس سے ہمارا آمنے سامنے کا زوردار تصادم ہونا یقینی تھا مگر وہ راستہ خالی تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ابتدائی فکر اور تشویش کے بعد ہمارے کام خود بہ خود آسان ہوتا جارہا ہو۔

وہ موڑ گھومنے کے بعد دل خوش کردینے والا منظر ہمارے سامنے تھا۔ داہنی طرف ایک چھوٹا سا خالی میدان تھا۔ بائیں طرف وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں کے احاطے کی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ بڑے مکانات پر مشتمل بیشتر آبادیوں کی طرح وہاں بھی سناٹے کا راج تھا جسے اس ماحول کے عادی شہری سکون کا نام دیتے ہیں۔ اول خان نے میدان صاف پاکر اپنی گاڑی کو اتنی تیزی سے بائیں طرف دبایا کہ میجر بخشی اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ایک ہلکے سے تصادم کو نہ ٹال سکا۔

اس کی کار کا بمپر کا داہنا حصہ ہماری گاڑی سے ٹکرایا تھا۔ اول خان نے بریک لگادیے۔ میجر بخشی اپنی کار کا انجن بند کرکے ہم دونوں کے ساتھ ہی اپنی کار سے نیچے آیا تھا۔ اس کی بھویں تنی ہوئی تھیں اور چہرے پر شدید برہمی کے آثار تھے۔

"تم بہت رف ڈرائیونگ کررہے تھے۔" وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں بولا "میں بروقت بریک نہ لگاتا تو یہ حادثہ سنگین ہوسکتا تھا۔"

اس کے مقابلے میں اول خان کی شخصیت مرعوب کن تھی اس لیے میجر بخشی اپنے غصے کا پوری طرح اظہار نہ کرسکا۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا جائزہ لیا اور بولا "نقصان ہم دونوں کا ہوا ہے۔ غلطی میری نہیں، تمہاری ہے۔ تم نے پیچھے سے کار لڑائی ہے۔"

میجر بخشی کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے مگر اس کے بولنے سے پہلے میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی میں نگینے کی جگہ لگے ہوئے کیپسول کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا تھا۔ میں نے بخشی کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا "بڑے میاں! زیادہ مت پھیلو۔ ہمارا نقصان پورا کرو ورنہ تھانے چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر ہلکا سا زور ڈالا۔

کیپسول میں بھرا ہوا سریع الاثر سیال باریک سوئی کے ذریعے میجر بخشی کے جسم میں اتر گیا۔ اس نے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن اسے جواب دینے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کھڑے کھڑے تیورا گیا۔ میں نے پھرتی سے اسے اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا۔ اول خان نے دوسری طرف سے بخشی کی بغل میں ہاتھ دیا اور ہم نے آناً فاناً میں اس کے بے ہوش وجود کو اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست پر پہنچادیا۔

میں نے یہ بات پہلے نوٹ کرلی تھی کہ میجر بخشی کی کار کوئی سفارتی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ وہ پرائیویٹ نمبر والی کا

Downloaded from https://paksociety.com

استعمال کررہا تھا۔

"تم اس کی کار لے کر میرے پیچھے چلے آؤ۔" اول خان نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مجھے ہدایت دی۔

جب تک ہم انتظار کے تکلیف دہ مراحل سے گزر رہے تھے' وہ سب بہت مشکل نظر آرہا تھا۔ جب کارروائی کرنے کا وقت آیا تو سب کچھ اتنی سرعت اور روانی سے ہوتا چلا گیا جیسے وہ کسی ڈرامے کا پہلے سے لکھا ہوا منظر ہو اور ہر اداکار کو معلوم ہو کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میجر بخشی کو کسی بھی قسم کی مزاحمت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہماری دوسری خوش نصیبی یہ تھی کہ دور دور تک کوئی تنفس موجود نہیں تھا جو ہماری اس کارروائی میں مخل ہوتا یا عینی شاہد بنتا۔

میں نے میجر بخشی کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' انجن اسٹارٹ کیا اور اول خان کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

ہم دونوں گھر سے روانہ ہوئے تو سب ہمارے بارے میں فکر مند تھے۔ سوچنے کی حد تک بخشی کا اغوا بہت مشکل کام نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی چلاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی مدد سے موبائل فون پر گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی ویرا لائن پر آگئی۔

"تم کہاں اور کس حال میں ہو؟" میری آواز سنتے ہی ویرا نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"حال نہ پوچھو' بس یہ سمجھ لو کہ مرغا جال میں ہے اور اب ہم واپسی کا سفر طے کررہے ہیں۔"

"واپسی میں دیر ہو تو فون پر رابطہ کرتے رہنا۔" ویرا نے تاکید کی پھر بتایا "تھوڑی دیر پہلے تمہارے لیے جلال کا فون آیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ موبائل پر تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہا ہو۔"

"اس وقت میں اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا "جب تک بخشی کا قصہ نہیں نمٹ جاتا' اس سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ اس کا دوبارہ فون آئے تو تم میری طرف سے بے خبری ظاہر کرنا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں مل سکوں گا۔"

"وہ تم سے بات کرنے کے لیے خاصا مضطرب تھا۔ تم سے رابطہ نہ ہوا تو وہ اول خان کو پکڑلے گا۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ اسے میں سمجھا دوں گا بلکہ وہ خود بھی الگ تھلگ رہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم جلال کی طرف سے اچانک اتنے بھڑک گئے ہو۔ تم نے ایک قدم اٹھالیا ہے۔ اب وہ تمہیں کیا مشورہ دے سکتا ہے؟"

"اسے بھڑکنا نہیں کہتے۔ میں احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ بخشی سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں خود اس سے بات کرلوں گا۔"

ہم اولڈ کلفٹن سے نکل کر مصروف تر سڑکوں پر پہنچ رہے تھے۔ میں نے گفتگو مختصر کرکے فون بند کیا اور پھر اس کا سوئچ ہی آف کردیا کہ باہر سے آنے والی کوئی بھی فون کال میرے اپریٹس تک نہ پہنچ سکے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ جلال سے بات ہوئی تو وہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارے فیصلے سے اختلاف کرے گا۔

اول خان نے شہر کے وسط سے گزرنے کے بجائے ڈیفنس کا راستہ اختیار کیا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور دل ہی دل میں اس کی حاضر دماغی کو سراہ رہا تھا۔ اس سفر میں میجر بخشی کی کار میرے استعمال میں تھی۔ شہر کے قلب سے گزرنے میں یہ خطرہ تھا کہ بخشی کا کوئی دوست یا ساتھی اس کی گاڑی میں ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر خطرے کی بو سونگھ لیتا اور شہر میں قبل ازوقت ہی وہ خبر پھیل جاتی۔ ایسی صورت میں ہم بخشی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کرسکتے تھے۔ اس واقعے کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ بخشی اور اس کی کار ایک ہی مقام سے بازیاب ہو تاکہ اس کے اغوا کی کسی کہانی میں جان نہ پڑسکے۔

ڈیفنس' گورا قبرستان اور پھر شارع فیصل سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوگئے۔ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد اول خان اپنی گاڑی کو اس بلاک کی طرف لیتا چلا گیا جس میں اس کا دفتر واقع تھا۔ وہاں حامد اور اس کے چند ماتحتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اول خان نے ان کو بخشی کے بارے میں چند ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

دفتر میں پہنچ کر میں نے اسے بتایا کہ جلال میری تلاش میں تھا مگر میں نے اس سے بچنے کے لیے اپنا موبائل فون بند کردیا تھا۔

"اب ہم بخشی پر ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ وہ ہم سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ ہم اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اسے آزاد کردیں گے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "تمہیں دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی مجبوریوں کے ساتھ وہ تمہارے طریقہ کار سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔"

"بخشی ہوش میں آجائے اور ہم اس کے تیوروں کا اندازہ لگالیں پھر میں جلال سے بھی بات کرلوں گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک نام باقی تھا۔ بخشی کے ذریعے ہمیں شیام کا سراغ لگانا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد کہانی کا وہ باب مکمل طور پر ختم

Downloaded from https://paksociety.com